اصحابی کالنجوم
فبایھم اقتدیتم
اھتدیتم (مشکوٰۃ)

# کواکب سبعہ

سات نجوم ہدایت
(صحابہ کرام) کا حسین تذکرہ

ترتیب و تحقیق
الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری
مفتی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

راہ ملتی ہے شب میں تاروں سے
اور ہدایت نبی کے یاروں سے

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ ﷺ

سات نجوم ہدایت (صحابہ کرام) کا حسین تذکرہ

# کواکبِ سبعہ

ترتیب و تحقیق


الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری
مفتی دار العلوم حزب الاحناف لاہور



نوریہ رضویہ پبلی کیشنز
37-الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں


| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | —— | کواکبِ سبعہ |
| مرتب | —— | مفتی غلام حسن قادری |
| پروف ریڈنگ | —— | الحاج قاری محمد اصغر نورانی |
| صفحات | —— | 432 |
| اوّل ایڈیشن | —— | مئی 2006ء |
| ناشر | —— | سیّد محمد شجاعت رسول شاہ قادری |
| مطبع | —— | اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور |
| کمپیوٹر کوڈ | —— | 1N 109 |
| قیمت | —— | [redacted] روپے |



## ملنے کے پتے

| | | |
|---|---|---|
| ضیاء القرآن پبلی کیشنز | مکتبہ غوثیہ ہول سیل | احمد بک کارپوریشن |
| انفال سنٹر اُردو بازار کراچی | پرانی سبزی منڈی کراچی | اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی |
| مکتبہ ضیائیہ | اسلامک بک کارپوریشن | مکتبہ المدینہ |
| بوہڑ بازار راولپنڈی | اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی | بوہڑ گیٹ ملتان |

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز 37-الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

مکتبہ نوریہ رضویہ بغدادی جامع مسجد گلبرگ اے فیصل آباد فون: 2626046




# فہرست


| | | |
|---|---|---|
| ۞ | حرفِ آغاز | 5 |
| ۞ | خطبۃ الکتاب | 18 |
| ۞ | جاں نثارانِ خیر البشر ﷺ | 19 |
| 1 | حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ | 20 |
| 2 | حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ | 63 |
| 3 | حضرت سیّدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ | 121 |
| 4 | حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ | 201 |
| 5 | حضرت سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ | 324 |
| 6 | حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ | 353 |
| 7 | حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ | 381 |

# حرفِ آغاز

اللہ تعالیٰ رب العالمین نے اپنی مخلوق کی ہدایت کیلئے اپنے محبوب ﷺ کو اس کائنات میں مبعوث فرمایا، جنہوں نے تشریف لا کر توحید کی شمع کو روشن فرمایا جس کی روشنی سے پورا عالم منور ہوا پھر اسی سراج منیر سے جماعت صحابہ نجوم ہدایت بن کر امت مصطفیٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی راہنمائی فرماتے رہے یہ نفوس قدسیہ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا وہ کھلا نشان اور آپ کے علم وعمل کی وہ روشن برہان ہیں کہ جو اپنی مثال آپ ہیں، جن کی تربیت امام الانبیاء نے فرمائی، ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم محبوبِ خدا نے دی اور اپنے آقا ﷺ کی محبت واطاعت کے سبب یہ حضرات محبوبیّت خدا کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ. (ال عمران آیت نمبر ۳۱)

اے حبیب! آپ فرمادیں اگر تم خدا کو محبوب رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا خود تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اسلام کی سالمیت، دنیا کی بقا وعظمت کیلئے اپنی جان، مال اور اولاد کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہ کیا اور یہ اتنی بڑی سچائی ہے کہ جس کے اوپر کوئی اور نقطہ یقین نہیں ہے، ان حضرات کو اسلام میں جو مقام حاصل ہے اس کا کما حقہ تو بیان مشکل ہے ہاں البتہ قرآن وسنت کی روشنی میں ان کے مرتبہ ومقام کی ایک جھلک دکھائی جا سکتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کی روحانی اولاد ہیں۔ آنحضرت ﷺ

کے چند اور ارشاداتِ گرامی بھی ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی طرح ہے جیسے کھانا بغیر نمک کے اچھا نہیں ہوسکتا۔ (اس میں بتایا گیا ہے کہ امت میں ان کے بغیر کبھی اچھائی نہیں ہوگی)۔

۲۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ کو بُرا نہ کہو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد کے پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کردے تو وہ ثواب کے اعتبار سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مدّ یا آدھے مدّ کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ تم لوگ روزہ، نماز اور اجتہاد میں اگر اصحابِ رسول ﷺ سے زیادہ بھی ہو پھر بھی شاگردانِ رسول تم سے بھلے تھے۔

لوگوں نے عرض کیا: اے ابوعبدالرحمٰن یہ کیوں؟

فرمایا کہ وہ دنیا سے بہت زیادہ بے رغبت تھے اور ان کی رغبت آخرت کی طرف بہت زیادہ تھی۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا کہ جو کسی کی اقتداء کرنا چاہتا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ ان لوگوں کی اقتداء کرے جو اس دنیا سے جاچکے ہیں (یعنی اصحابِ رسول ﷺ) جو اس امت کے بہترین افراد میں سے تھے۔ ان کے دل زیادہ بھلے تھے اور ان کا علم زیادہ وسیع تھا اور ان میں تکلف بہت کم تھا یہ ایسی قوم تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی صحبت کیلئے منتخب فرمایا تھا اور انہوں نے آپ ﷺ کے دین کو دنیا بھر میں منتقل کیا تھا۔ لہٰذا ان کے اخلاق اور طریقوں کی مشابہت اختیار کرو۔ ربِّ کعبہ کی قسم یہی اصحابِ رسول صراطِ مستقیم پر ہیں۔ (رواہ ابونعیم فی الحلیہ جلد ا صفحہ ۳۰۵)

۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے لوگوں کے دلوں کی طرف دیکھا پس جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو اختیار کرلیا اور پیغمبری کیلئے آپ ﷺ کی بعثت فرمائی اور آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے علم کی وجہ سے منتخب فرمالیا۔ آپ کے بعد



پھر لوگوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کی صحبت کیلئے آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انتخاب فرمایا اور ان کو اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی کا وزیر بنایا۔ پس جس چیز کو یہ مومنین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) اچھا سمجھیں وہ اچھی ہے اور جس کو یہ لوگ بُرا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بُری ہے۔ (رواہ ابونعیم جلد ا صفحہ ۳۷۵)

۶۔ رحمتِ کائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو اپنی روحانی اولاد کے متعلق یہ نصیحت فرمائی۔

**اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لا تتّخذو ھم من بعدی غرضاً فمن احبّھم فبحبّی احبّھم ومن ابغضھم فبغضی ابغضھم۔**

**ترجمہ**: اللہ سے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ڈرو، ان کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ، جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ میری وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔

**اصحابی کالنّجوم فبایّھم اقتدیتم اھتدیتم۔**

**ترجمہ**: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے۔

۷۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت پر ایسا زمانہ گزرے گا جس طرح بنی اسرائیل پر گزرا۔ جس طرح جوتے کا ایک تلہ دوسرے تلہ کے مطابق ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں کے ساتھ کھلم کھلا زیادتی کی تو میری اُمّت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس کام کو کرے گا اور بے شک بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ صرف ایک فرقہ کے علاوہ باقی سب جہنم میں جائیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ''یا رسول اللہ! جنت میں جانے والا کون سا فرقہ ہوگا۔

Scanned with CamScanner

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو اس راستہ پر جمارہا جس پر میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں"۔

یہ سعادت منداس لحاظ سے تو فرقہ (جماعت) ہیں کہ بہتر ان سے جدا ہوئے لیکن یہ خود اپنی ذات میں فرقہ نہیں ملت ہیں امت ہیں۔ یہ خود کسی مرکز سے نہیں ہٹے۔

## صحابہ رضی اللہ عنہم کا دامانِ رسالت سے تعلّق:

اصحابِ رسول ﷺ اور رسالت مآب حضور ﷺ کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے اور اس کو اللہ رب العزت نے اپنے آخری اور مقدس کلام میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۱۔ وکذٰلک جعلنٰکم امّۃ وسطاً لّتکونوا شھدآء علی النّاس ویکون الرّسول علیکم شھیداً۔ (پارہ۲البقرہ۱۴۳)

**ترجمہ**: جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور تمہیں پاک بناتا ہے اور کتاب (یعنی قرآن مجید) اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے اور ایسی باتیں بتاتا ہے جو تم پہلے سے نہیں جانتے تھے۔

۲۔ فبما رحمۃٍ من اللّٰہ لنت لھم ج ولو کنت فظّاً غلیظ القلب لا نفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفرلھم وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکّل علی اللّٰہ ط انّ اللّٰہ یحبّ المتوکّلین۔ (پارہ۴آل عمران آیت۱۵۹)

**ترجمہ**: (اے محمد ﷺ) خدا کی مہربانی سے تمہاری افتادِ مزاج ان لوگوں کیلئے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے تو تم ان کو معاف کردو اور ان کیلئے (خدا سے) مغفرت مانگو اور اپنے کاموں میں ان سے مشورے لیا کرو اور جب (کسی کام کا) عزم مصمّم کرلو تو خدا پر بھروسہ رکھو۔



بے شک خدا بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

۴۔ لقد منّ اللّٰہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً مّن انفسھم یتلوا علیھم اٰیاتہٖ ویزکّیھم ویعلّمھم الکتٰب والحکمۃ ج وان کانوا من قبل لفی ضلٰلٍ مّبین۔ (پارہ۴آل عمران آیت۱۶۴)

**ترجمہ**: خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجے جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

۵۔ الّذین یتّبعون الرّسول النّبیّ الامّیّ الّذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التّورٰیۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحلّ لھم الطّیّبٰت ویحرّم علیھم الخبٰئث ویضع عنھم اصرھم والاغلٰل الّتی کانت علیھم فالّذین اٰمنوا بہ وعزّروہ ونصروہ واتّبعوا النّور الّذیٓ انزل معہٗ اولٰئک ھم المفلحون۔ (پارہ۹الاعراف آیت۱۵۷)

**ترجمہ**: وہ جو (محمد) رسول اللہ کی جو نبی اُمّی ہیں پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں۔ اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کیلئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں وار ان پر سے بوجھ اور (غلامی کے) طوق جو ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں۔ تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی وہی مُراد پانے والے ہیں۔

۶۔ الاّ تنصروہ فقد نصرہ اللّٰہ اذ اخرجہ الّذین کفروا ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن انّ اللّٰہ معنا ج فانزل اللّٰہ سکینتہ علیہ وایّدہ بجنودٍ لّم تروھا وجعل کلمۃ الّذین کفروا السّفلٰی

وکلمة اللّٰہ ھی العلیاء واللّٰہ عزیزٌ حکیم. (پارہ۱۰التوبہ آیت ۴۰)

**ترجمہ**: اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو خدا ان کا مددگار ہے (وہ وقت تم کو یاد ہوگا) جب انہیں کافروں کی شرارت کی وجہ سے (مکہ شریف سے) تشریف لے جانا ہوا (اس وقت) دو (ہی شخص تھے جن) میں (ایک ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے) دوسرے (خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے تو خدا نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو خدا ہی کی بلند ہے اور وہی زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

۷۔ لقد جآء کم رسولٌ من انفسکم عزیزٌ علیه ما عنتّم حریصٌ علیکم بالمؤمنین رؤفٌ رحیم. (پارہ۱۱،التوبہ آیت ۱۲۸)

**ترجمہ**: (لوگو) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔

۸۔ ویوم نبعث فی کلّ امّة شهیداً علیهم من انفسهم وجئنا بک شهیداً علٰی هٰؤلآءِ ط ونزّلنا علیک الکتٰب تبیاناً لکلّ شیءٍ وهدی ورحمة وبشریٰ للمسلمین. (پارہ۱۴،النحل آیت ۸۹)

**ترجمہ**: اور (اس دن کو یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں سے خود ان پر گواہ کھڑے کریں گے اور (اے پیغمبر) تم کو ان لوگوں پر گواہ لائیں گے اور ہم نے تم پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے کہ (اس میں) ہر چیز کا بیان (مفصل) ہے اور مسلمانوں کیلئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

۹۔ محمدٌ رسول اللّٰه ط والّذین معهٗ اشدّآء علی الکفّار رحمآء بینهم تراهم رکّعًا سجّدًا یبتغون فضلاً من اللّٰه ورضواناً ز سیماهم فی وجوههم من اثر السّجود ط ذٰلک مثلهم فی التّورٰة ومثلهم فی الانجیل کزرعٍ اخرج شطئه فاٰزره فاستغلظ فاستویٰ علٰی سوقه یعجب الزّرّاع لیغیظ بهم الکفّار ط وعداللّٰه الّذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت منهم مغفرة واجراً عظیما. (پارہ۲۶۔الفتح آیت ۲۹)



**ترجمہ**: محمد خدا کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے بارے میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (خدا کے آگے) جھکے ہوئے سربسجود ہیں اور خدا کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں (کثرتِ) سجود کے اثر سے اُن کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں (وہ) گویا ایک کھیتی ہیں جس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور کھیتی والوں کو خوش کرنے لگی تاکہ کافروں کا جی جلائے۔ جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے خدا نے گناہوں کی بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

۱۰۔ قد انزل اللّٰه الیکم ذکراً ۝ رسولاً یّتلوا علیکم اٰیٰت اللّٰه مبیّنٰتٍ لیخرج الّذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت من الظّلمٰت الی النّور ط ومن یؤمنْ باللّٰه ویعمل صالحاً یدخله جنّٰتٍ تجری من تحتها الانهٰر خٰلدین فیهآ ابداً ط قد احسن اللّٰه له رزقاً ۝ (پارہ۲۸۔الطلاق آیت ۱۱)

**ترجمہ**: خدا نے تمہارے پاس نصیحت (کی کتاب) بھیجی ہے (اور اپنے) پیغمبر (بھی بھیجے ہیں) جو تمہارے سامنے خدا کی واضح المطالب آیتیں پڑھتے ہیں تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ہیں ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے آئیں اور جو شخص ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اللہ تعالیٰ ان کو باغہائے بہشت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے

Scanned with CamScanner

خُدا نے ان کو خوب رزق دیا ہے۔

۱۱۔ لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئک اعظم درجةً من الّذین انفقوا من بعد وقٰتلوا و کلاً وعد اللّٰہ الحسنٰی.

(پارہ ۲۷، الحدید آیت ۱۰)

**ترجمہ:** جس شخص نے تم سے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی۔ ان کا درجہ ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہے جنہوں نے بعد میں خرچ (اموال) اور (کفار سے) جہاد وقتال کیا اور خدا نے سب سے خوبی (ثواب وجنت) کا وعدہ کیا ہے۔

۱۲۔ انّ الّذین سبقت لھم منا الحسنٰی اولٰئک عنھا مبعدون o لا یسمعون حسیسھا وھم فی ما اشتھت انفسھم خٰلدون o لا یحزنھم الفزع الاکبر وتتلقٰھم الملٰئکة، ھٰذا یومکم الذی کنتم توعدون o

(پارہ ۱۷، الانبیاء آیت ۱۰۱ تا ۱۰۳)

**ترجمہ:** جن کیلئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے (اور اس کا ظہور ان کے اعمال وافعال میں ہوا) وہ لوگ اس (دوزخ) سے (قدر) دور رکھے جائیں گے کہ اس کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے (کیونکہ یہ لوگ جنت میں ہوں گے اور جنت و دوزخ میں بڑا بُعد ہے) اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کو بڑی گھبراہٹ (یعنی قیامت میں زندہ ہونے اور محشر کے ہولناک مناظر دیکھنے کی حالت) غم میں نہ ڈالے گی (اور قبر سے نکلتے ہی) فرشتے ان کا استقبال کریں گے (اور کہیں گے) یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا (یہ اکرام کا معاملہ اور بشارت ان کیلئے زیادہ خوشی ومسرّت کا سبب ہو جائے گا)

یہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی ربط وتعلق اور افاضہ اور استفادہ کا بیان تھا اب آیئے قرآن کریم میں صحابہ کرام کی عظمتوں کا مستقل باب ملاحظہ فرمائیں۔ یہ حضرات قرآن پاک کے اوّلین مخاطب تھے اور قرآن ان کی



محفلوں اور منزلوں میں اُترتا تھا۔

مناقبِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں احادیث آپ کے سامنے آچکیں اب ان حضرات کی شان میں مستقل قرآنی آیات مطالعہ فرمائیں۔

## صحابہ رضی اللہ عنہم قرآنی آیات میں:

اب ہم اصحابِ رسول ﷺ کے متعلق وہ قرآنی آیات پیش کرتے ہیں جو خاص انہی کے بارے میں اُتریں۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب جناب محمد رسول ﷺ کے شاگردوں کے متعلق قرآن مجید فرقان حمید میں بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے، ان میں سے چند آیات ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ والسّٰبقون الاوّلون من المھٰجرین والانصار والّذین اتّبعوھم باحسان رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ واعدّلھم جنّٰتٍ تجری تحتھا الانھٰر خٰلدین فیھآ ابداً، ذٰلک الفوز العظیم. (پارہ ۱۱، التوبہ آیت ۱۰۰)

**ترجمہ:** جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی خدا ان سے خوش ہے اور وہ خدا سے خوش ہیں اور اس نے ان کیلئے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

۲۔ لقد تّاب اللّٰہ علی النبیّ والمھٰجرین والانصار الّذین اتّبعوہ فی ساعة العسرة من بعد ما کادیز یغ قلوب فریق منھم ثمّ تاب علیھم، انّہٗ بھم رؤف رّحیم o (پارہ ۱۱، التوبہ آیت ۱۱۷)

**ترجمہ:** بے شک خدا نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین اور انصار پر جو باوجود اس کے کہ ان میں سے بعضوں کے دل جلد پھر جانے کو تھے مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے پھر خدا نے ان پر مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے

Scanned with CamScanner

والا (اور) مہربان ہے۔

۳۔ انّما یؤمن بآیٰتنا الّذین اذا ذکّروا بھا خرّوا سجّداً وسبحوا بحمد ربّھم وھم لا یستکبرون ٥ تتجافٰی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربّھم خوفاً وطمعاً وممّا رزقنٰھم ینفقون ٥ فلا تعلم نفسٌ مّآ اخفی لھم من قرّۃ اعین ج جزآء بما کانوا یعملون ٥ (پارہ ۲۱، السجدہ آیت ۱۵ تا ۱۷)

**ترجمہ**: ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو ان سے نصیحت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر پڑتے اور اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور غرور نہیں کرتے۔ ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف اور اُمید سے پکارتے ہیں اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کیلئے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے یہ ان اعمال کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔

۴۔ من المؤمنین رجالٌ صدقوا ما عاھدوا اللّٰہ علیہ ج فمنھم من قضٰی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدّلوا تبدیلا ٥ لیجزی اللّٰہ الصّدقین بصدقھم ویعذّب المنٰفقین ان شآء او یتوب علیھم انّ اللّٰہ کان غفورا رّحیما ٥ (پارہ ۲۱، الاحزاب آیت ۲۳، ۲۴)

**ترجمہ**: مومنوں میں کتنے ہی ایسے مرد ہیں کہ جو اقرار انہوں نے خدا سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔ تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔ تاکہ خدا سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے یا چاہے تو ان پر مہربانی کرے بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

۵۔ امّن ھو قانتٌ اٰنآء الّیل ساجدًا وقائماً یحذر الاٰخرۃ ویرجوا رحمۃ ربّہ ط قل ھل یستوی الّذین یعلمون والّذین لا یعلمون ط انّما یتذکر



اولوا الالباب ٥ (پارہ ۲۳، الزمر آیت ۹)

**ترجمہ**: (بھلا مشرک اچھا ہے) یا وہ جو رات کے وقتوں میں زمین پر پیشانی رکھ کر اور کھڑے ہو کر عبادت کرتا اور آخرت سے ڈرتا اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہے۔ کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ (اور) نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

۶۔ اللّٰہ نزّل احسن الحدیث کتٰباً متشابھاً مثانی تقشعرّ منہ جلود الّذین یخشون ربّھم ج ثم تلین جلودھم وقلوبھم الٰی ذکر اللّٰہ ط ذٰلک ھدی اللّٰہ یھدی بہ من یشآء ومن یضلل اللّٰہ فمالہ من ھاد.

(پ ۲۳، الزمر آیت ۲۲)

**ترجمہ**: خدا نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی ہیں۔ اور دہرائی جاتی (ہیں) جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن سے (اس سے) رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم (ہو کر) خدا کی یاد کی طرف (متوجہ) ہو جاتے ہیں۔ یہی خدا کی ہدایت ہے وہ اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

۷۔ والّذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش واذا ما غضبوا ھم یغفرون ٥ والّذین استجابوا لربھم واقاموا الصلٰوۃ وامرھم شورٰی بینھم وممّا رزقنٰھم ینفقون ٥ (پارہ ۲۵ شوریٰ آیت ۳۷، ۳۸)

**ترجمہ**: اور (اہل ایمان اور جنت کے حقدار تو وہ لوگ ہیں) جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں اور جو (مال) ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے

Scanned with CamScanner

اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

۸۔ لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین اذیبا یعونک تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینة علیھم واثابھم فتحاً قریباً ومغانم کثیرةً یاخذونھا و کان اللّٰہ عزیزاً حکیما. (پارہ ۲۶، الفتح آیت ۱۸،۱۹)

**ترجمہ**: (اے پیغمبر! جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کرلیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی۔ اور بہت سی غنیمتیں جو انہوں نے حاصل کیں اور خدا غالب ہے حکمت والا۔

۹۔ للفقرآء المھٰجرین الّذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلاً من اللّٰہ ورضواناً وّینصرون اللّٰہ ورسولہ، اولٰئک ھم الصّٰدقون○ والّذین تبوّؤ الدّار والایمان من قبلھم یحبّون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجةً ممّآ اوتوا ویؤثرون علٰی انفسھم ولو کان بھم خصاصة ومن یّوق شحّ نفسہ فاولٰئک ھم المفلحون○

(پارہ ۲۸ سورۃ الحشر آیت ۹،۸)

**ترجمہ**: اور ان مفلسان تارک الوطن کیلئے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جُدا) کردیئے گئے ہیں (اور) خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار اور خدا اور اس کے رسول کے مددگار ہیں۔ یہی لوگ سچے (ایمان دار) ہیں۔ اور (ان لوگوں کیلئے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینے) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کرکے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرصِ نفس سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔



یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عمومی عظمت کا بیان تھا۔ اب ان اکابرینِ امت کے ایک ایک فرد کو دیکھئے ہر ایک اپنی ذات میں باقی پوری امّت پر بھاری ہے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کی ذواتِ قدسیہ سے کون واقف نہیں۔ ان کی خدمات، قربانیوں اور مقامات پر علماء امت نے جو محنتیں کیں وہ کسی سے چھپی نہیں۔ ان پر بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جاتا رہے گا۔ لیکن کچھ ایسے اکابرین بھی ہیں جن کی طرف ہم نے بہت کم توجہ کی ہے۔

ان اکابرین کی طویل فہرست میں سے اپنے ذوق کے مطابق میں نے صرف سات کا انتخاب کیا ہے (ورنہ اور کوئی خاص وجہ نہیں ہے)۔

اور اس مجموعہ کا نام ''کواکب سبعہ'' فرمانِ رسول ﷺ اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم. (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کے پیچھے چل پڑو گے ہدایت پاجاؤ گے) سے اخذ کیا ہے۔ یعنی نجوم ہدایت میں سے سات روشن ستاروں کا حسین تذکرہ۔ امید ہے کہ غلامانِ صحابہ اور محبانِ یارانِ مصطفیٰ (ﷺ و رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) میری اس ادنیٰ سی کاوش کو پسند فرما کر میرے لیے دامانِ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ پختہ وابستگی کی دعا فرمائیں گے۔

؎ شاہان را چہ عجب گر بنوازند گدارا

**غلام حسن قادری**

# خطبۃ الکتاب

الحمد للّٰہ علی نعمائہ الوافیۃ، والائہ الصافیۃ، والصلوٰۃ والسلام علی من بعث بالادلۃ الشافیۃ والمعجزات الباھرۃ وعلی الہ واصحابہ الذین ھم للاھتداء کالنجوم الزاھرۃ.
امابعد! فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم ० بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم.

رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ. (البینۃ:۸)
اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

--------۞--------



# جاں نثارانِ خیرالبشر

رَبِّ کعبہ کے پرستار، وہ مردانِ جلیل!
پاسبانِ حرم، وارثِ ایمانِ خلیل

وہ سرِ فرشِ زمیں عزّتِ حوّا کا ثبوت
وہ تہِ چرخِ بریں عظمتِ آدم کی دلیل

راست گفتار و کشادہ دل و بیدار دماغ
مدّت العمر جو آفات کے سایوں میں پلے

کبھی پابندِ سلاسل، کبھی شعلوں کے حریف
کبھی انگاروں پہ لوٹے، کبھی کانٹوں پہ چلے

کبھی تپتے ہوئے پتھر کی سِلیں سینوں پر
کبھی کاندھوں پہ اٹھائے ہوئے بارِ گراں

کبھی پشتوں پہ سلاخوں کے سلگتے ہوئے داغ
کبھی چہروں پہ طمانچوں کے المناک نشاں

کبھی نیزوں کے سزاوار، کبھی تیروں کے
کبھی طعنوں کے کچوکے، کبھی فاقوں کے عذاب

کبھی چکّی کی مشقت، کبھی تنہائی کی قید
کبھی اپنوں کی ملامت، کبھی غیروں کا عتاب

کبھی بہتان طرازی، کبھی دشنام غلیظ
کبھی تضحیک و تمسخر، کبھی شبہات و شکوک

کبھی روحانی اذیّت، کبھی توہینِ ضمیر
کبھی اینٹوں سے تواضع، کبھی کوڑوں کا سلوک

کبھی محبوس گھروں میں تو کبھی خانہ بدر
چیتھڑے تن کے نگہباں، کبھی وہ بھی نہیں

تشنگی کا ہے وہ عالم کہ الٰہی توبہ
حلق کو چاہیے تھوڑی سی نمی وہ بھی نہیں

آزمائش کے لپکتے ہوئے ہنگاموں میں
وقت نے ان کے نشاناتِ قدم دیکھے ہیں

تختۂ دار پہ آئے تو اسے چوم لیا
ایسے جی دار بھی تاریخ نے کم دیکھے ہیں

کس عزیمت کے تھے مالک یہ نفوسِ قدسی
جو پڑی وقت کے ہاتھوں وہ کڑی جھیل گئے

صرف اسلام کی خاطر، فقط اللہ کیلئے
جان پہ کھیلنا آتا تھا انہیں، کھیل گئے

ہم تک اسلام جو پہنچا تو صرف ان کے طفیل
یہ غلامانِ خدا، نورِ رسالت کے امیں

سر بسر پیکرِ ایثار، مجسّم ایماں
حشر تک ان سا ہو پیدا کوئی ممکن ہی نہیں

(مضطر گجراتی)

--------۞--------

نمبر۱:

# سیّدنا حضرت امیر حمزہ ؓ

## نام ونسب:

**اسم گرامی**: حمزہ۔

**کنیت**: ابویعلیٰ، ابوعمارہ۔

**القابات**: اسداللہ واسدرسول اللہ، سیّدالشہداء۔

**مقام ولادت**: مکۃ المکرمہ۔

**تاریخ پیدائش**: ٥٦٧ء (تقریباً، کیونکہ آپ ایک روایت کے مطابق عمر میں حضور علیہ السلام سے دوسال بڑے تھے ابن سعد کے مطابق چارسال بڑے تھے)

**نسب مبارک**: حمزہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی، آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی ہالہ تھا۔ جوکہ نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی چچازاد بہن تھیں۔

آپ نبی اکرم ﷺ کے حقیقی چچا ہونے کے ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام کے رضاعی بھائی بھی تھے کیونکہ حضور علیہ السلام کی طرح آپ نے بھی بچپن میں ابولہب کی لونڈی حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا تھا۔

آپ کو پہلوانی، تیراندازی، شمشیرزنی اور شعروشاعری کا بچپن سے ہی شوق



تھا۔ علاوہ ازیں سیروسیاحت اور شکار سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی اور زندگی کا اکثر حصہ انہی مشاغل میں گذارا۔ آپ نہایت حسین وجمیل، خوبصورت پیشانی والے، درمیانے قد والے، مناسب اعضاء والے، گرجدار اور بارعب آواز والے تھے۔ آپ کا رنگ سُرخ وسفید تھا۔ جسم اگرچہ دُبلا پتلا تھا مگر جرأت وشجاعت اور عزم وہمت و استقلال کے پیکرِ مجسّم تھے۔

## قبولیّتِ اسلام:

علامہ ابن جوزی کے مطابق آپ چھ نبوی میں اسلام لائے۔ اور اسلام لانے کا واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک دن حضور ﷺ کا گذر کوہِ صفا کی جانب ہوا، اتفاقاً ابوجہل بھی ادھر آنکلا اور آقائے دوجہاں ﷺ کو دیکھ کر بدکلامی کرنے لگا، حضور علیہ السلام نے تو اس کو کوئی جواب نہ دیا لیکن عبداللہ بن جدعان کی لونڈی اور حضور علیہ السلام کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما میں سے ہرایک نے اس واقعہ کی اطلاع حضرت امیر حمزہ کو کردی اور کہا: اے ابوعمارہ! کاش آپ اس وقت وہاں موجود ہوتے جب ابوجہل تیرے بھتیجے کی شان میں گستاخی کررہا تھا۔

یہ سنتے ہی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمیت اور غیرت جوش میں آ گئی۔ وہیں سے ابوجہل کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ معمول تھا کہ جب شکار سے واپس آتے تو سب سے پہلے حرم میں حاضر ہوتے۔ اسی معمول کے مطابق حرم میں پہنچے دیکھتے کیا ہیں کہ ابوجہل قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا ہے۔ پہنچتے ہی اس کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔

اور کہا کہ تو محمد ﷺ کو گالیاں دیتا ہے۔ میں خود ان کے دین پر ہوں۔ بعض حاضرین مجلس نے چاہا کہ ابوجہل کی حمایت میں کھڑے ہوں لیکن ابوجہل نے خود ہی سب کو روک دیا اور یہ کہا کہ آج میں نے ان کے بھتیجے کو بہت سخت سست کہا ہے۔ حمزہ ؓ کو ان کے حال

پر چھوڑ دو۔ بعض حاضرین مجلس نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہو کر یہ کہا کہ اے حمزہ! کیا تم صابی (بے دین) ہو گئے ہو۔ حضرت حمزہ ؓ نے فرمایا مجھ پر رسول اللہ ﷺ کی حقانیت وصداقت خوب منکشف ہو گئی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں آپ ﷺ جو فرماتے ہیں وہ سراسر حق ہے میں کبھی اس سے باز نہ آؤں گا۔ تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔ حضرت حمزہ ؓ یہ کہہ کر گھر واپس آئے۔

## شیطانی وسوسہ:

شیطان نے وسوسہ ڈالا اے حمزہ تم تو قریش کے سردار ہو تم نے اس صابی کا کیسے اتباع کیا اور اپنے آباؤ اجداد کا دین کیوں چھوڑا۔ اس سے تو مرجانا بہتر ہے جس سے حضرت حمزہ ؓ کچھ تردد اور اشتباہ میں پڑے۔ حضرت حمزہ ؓ فرماتے ہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔

**اللّٰهم ان كان رشد فاجعل تصديقه فی قلبی والا فاجعل لی ماوقعت فيه مخرجا.** (مستدرک)

**ترجمہ**: اے اللہ! اگر یہ (دین) ہدایت ہے تو میرے دل میں اس کی تصدیق ڈال دے ورنہ مجھے اس سے نکال لے جس میں مَیں واقع ہو چکا ہوں۔

ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ آپ نے تمام رات بے چینی میں گذاری اور ایک لمحہ بھی نہ سو سکے اور رات کو ہی اٹھ کر حرم کعبہ میں حاضر ہو کر خشوع وخضوع اور تضرّع وزاری سے دعا کرنے لگے: ''اے اللہ! حق کیلئے میرا سینہ کھول دے اور شک وتردّد کو دور کر دے''۔ فرماتے ہیں ابھی دعا ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ یکلخت تمام باطل خیالات میرے دل سے محو ہو گئے اور میرا دل یقین وایقان کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔

صبح ہوئی تو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر رات کا تمام واقعہ عرض کیا اور حضور علیہ السلام نے میرے لیے اسلام پر استقامت کی دعا فرمائی۔ (روض الانف)



اس موقع پر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں آپ نے یہ بھی عرض کیا: **اشهد انك لصادق شهادة المصدق والعارف.** (حاکم)

میں آپ کے سچا نبی ہونے کی تصدیق کرنے والے اور پہچاننے والے کی طرح گواہی دیتا ہوں۔ (یعنی سوچ سمجھ کر مسلمان ہوا۔ یہ میرا جذباتی فیصلہ نہیں ہے کہ جزبات ختم ہوں گے تو بدل جائے گا یا بالفاظ دیگر:

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے)

## حضرت حمزہ ؓ کے اشعار:

حضرت امیر حمزہ ؓ نے اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد خوشی میں لبریز ہو کر چند عربی اشعار کہے جو بمعہ ترجمہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

**حمدت اللّٰه حين هدى فؤادی — الى الاسلام والدين الحنيف**

میں نے اللہ کی تعریف کی جب اس نے میرے دل کو ہدایت دی اسلام اور دین ابراہیمی کی طرف۔

**لدين جآء من رب عزيز — خبير بالعباد بهم لطيف**

جو دین اس غالب رب کی طرف سے آیا ہے جو بندوں سے باخبر ہے اور ان پر مہربان ہے۔

**اذا تليت رسآئله علينا — تحدر مع ذی اللب الحصيف**

جب اس دین کے پیغامات ہمارے اوپر پڑھتے جاتے ہیں تو کامل عقل والوں کے آنسو بہہ نکلتے ہیں۔

**رسائل جآء احمد من هداها — بايات مبينة الحروف**

وہ پیغامات جن کو جناب احمد مجتبیٰ علیہ السلام لوگوں کی ہدایت کیلئے لے کر تشریف

لائے جو کہ صاف صاف اور واضح آیات ہیں۔

**و احمد مصطفٰی فینا مطاع      فلا تغشوہ بالقول العنیف**

اور احمد مصطفٰی ﷺ ہمارے درمیان اطاعت کئے گئے ہیں لہٰذا جو حق وہ لے کر آئے اس کو بے ہودہ باتوں سے نہ چھپاؤ۔

**فلا واللّٰہ نسلمہ لقوم      ولما نقض فیھم بالسیوف**

قسم بخدا ہم ان کو کسی قوم کے حوالے نہیں کریں گے جب تک کہ ہم تلواروں کے ساتھ فیصلہ نہ کرلیں۔ (زرقانی۔ روض الانف)

حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے قریش یہ سمجھ گئے کہ آپ ﷺ کو ایذا و تکلیف دینا کوئی آسان کام نہیں۔

## پیکرِ شجاعت:

سیدنا فاروق اعظمؓ کی بہادری اپنی جگہ ضرب المثل ہے لیکن جب حضرت عمر فاروق ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ قریش مکہ کی انگیخت پہ (نعوذ باللہ) حضور ﷺ کا کام تمام کرنے کیلئے اپنے گھر سے نکلے اور اپنی بہن کے گھر آ کر اس کو مارا پیٹا پھر شرمندہ ہو کر کہا کہ مجھے بھی حضور کے پاس لے چلو، اس وقت حضور ﷺ دارارقم میں تشریف فرما تھے اور حضرت عمر، جناب خبابؓ کے ساتھ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضری کیلئے چلے تو دارارقم کا دروازہ بند تھا دستک دے کر اندر آنے کی اجازت چاہی تو کسی کو دروازہ کھولنے کی ہمت نہ ہوئی، خوف کا یہ منظر دیکھ کر اللہ اور اس کے رسول کے شیر حضرت امیر حمزہ نے گرج کر کہا: ''دروازہ کھول دو اور عمر کو اندر آنے دو (عمر کوئی بندے تو نہیں کھاتا) اگر اچھے ارادے سے آیا ہے تو فبہا ورنہ (اسی کی تلوار ہوگی اور اسی کا سر ہوگا) ہمارے لیے اس کو قتل کر دینا کوئی مشکل نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عمر مسلمان ہو گئے اور حضرت امیر حمزہ و حضرت عمر کے ایمان لانے سے اسلام



کو تقویت ملی اور کفر کا زور ٹوٹ گیا۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق کے عرض کرنے پر حضور ﷺ نے صحابہ کرام کی دو صفیں بنائیں ایک صف میں حضرت امیر حمزہ چلے دوسری میں حضرت عمر، اور اس طرح حرمِ کعبہ میں داخل ہوئے کفار نے حضرت عمر اور امیر حمزہ کو دیکھا تو انہیں اتنا شدید صدمہ ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا، اسی موقع پر عمر کو فاروق کا لقب عطا ہوا۔ (محمد رسول اللہ)

مواخات مدینہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے اپنے محبوب غلام حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت امیر حمزہؓ کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنایا۔ اس کے بعد جب بھی حضرت حمزہ غزوات وغیرہ میں تشریف لے جاتے تو حضرت زید کو ہی ہر طرح کی وصیت کر کے جاتے تھے۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت امیر حمزہؓ بعثت کے تیرھویں سال صحابہ کرام کی معیت میں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور حضرت سعد بن خیثمہؓ کے پاس قیام فرمایا، مدینہ شریف میں آپ کو اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے کا خوب خوب موقع ہاتھ آیا۔

## حضرت امیر حمزہؓ کے فضائل:

✿ حاکم نے مستدرک میں لکھا اور اس کو حضرت جابر کی حدیث سے صحیح قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **سیّد الشھداء عند اللہ**۔ حمزہ بن عبد المطلب اللہ کے نزدیک تمام شہداء کے سردار (سید الشہداء) حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہیں۔

(المستدرک صفحہ ۱۹۹ جلد ۳ وھو طرف حدیث طویل عن جابر، درّ السحابہ فی مناقب القرابہ والصحابہ از محمد بن علی شوکانی)۔

**سوال:** جب حدیث شریف میں حضرت حمزہؓ کو سید الشہداء فرمایا گیا ہے تو پھر امام حسین کو سید الشہداء کیوں کہا جاتا ہے؟

**جواب:** اس لیے کہ دوسری حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے چنانچہ طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن عباس والی حدیث میں یہ الفاظ روایت فرمائے ہیں۔

**سیّد الشھداء یوم القیمة حمزہ بن عبدالمطلب ورجل قام الی**

**امام جائر فامرہ ونہاہ فقتلہ.**

قیامت کے دن تمام شہداء کے سردار امیر حمزہ ہوں گے اور وہ بندہ جو ظالم حکمران کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس کے ظلم کی مخالفت کی جس کی پاداش میں اس کو (ظلماً) قتل کر دیا گیا۔ (المستدرک صفحہ ۱۹۲ جلد ۳)

اور اس میں کیا شک ہے کہ یزید سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہے جس کے دور حکومت میں امام عزیمت امام حسین نے کلمہ حق بلند فرمایا۔ اور ظلماً شہید کئے گئے۔

یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن ابی لبید اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **والذی نفسی بیدہ انہ لمکتوب عنداللہ فی السماء السابعة حمزة (بن عبدالمطلب) اسد اللہ واسد رسولہ.**

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ کے ہاں ساتویں آسمان پہ حمزہ بن عبدالمطلب کو خدا اور رسولِ خدا کا شیر لکھا گیا ہے۔

(المستدرک للحاکم ورواہ الطبرانی فی الکبیر صفحہ ۱۶۳ جلد ۳ حدیث نمبر ۲۹۵۱)

عمیر بن اسحاق فرماتے ہیں کہ **کان حمزہ بن عبدالمطلب یقاتل بین یدی رسول اللہ ﷺ بسیفین ویقول انا اسد اللہ واسد رسولہ.**

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب حضور ﷺ کے سامنے دو تلواروں کے ساتھ قتال فرماتے اور اپنے تعارف میں یہ الفاظ ارشاد فرماتے۔ ''میں اللہ اور اس کے رسول کا شیر ہوں''۔

(المستدرک صفحہ ۱۹۴ جلد ۳ وھو من حدیث سعد بن ابی وقاص وبنصہ وسندہ اخرجہ الطبرانی فی الکبیر صفحہ ۱۶۳ جلد ۳ حدیث نمبر ۲۹۵۲ وابن سعد صفحہ ۱۲ جلد ۳)

ایک مرتبہ حضرت حمزہ ؓ نے حضرت جبریل امین علیہ السلام کو اصلی حالت میں دیکھنے کی بارگاہِ رسالت میں درخواست پیش کی تو حضور ﷺ نے فرمایا: آپ نہ دیکھ سکیں گے۔ عرض کیا: آپ میرا شوق پورا فرما دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بیٹھ



جائیں۔ حضرت حمزہ بیٹھ گئے تو تھوڑی ہی دیر بعد جبریل امین حرم کعبہ میں نصب شدہ اس لکڑی پر اترے، جس پر بوقتِ طواف، مشرکین اپنے کپڑے اتار کر لٹکایا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: چچا جان وہ دیکھئے جبرائیل کے دونوں پاؤں زبرجد کے ہیں۔ بس اتنا ہی دیکھا کہ بے ہوش ہو گئے۔ (خصائص کبریٰ بحوالہ ابن سعد، بیہقی)

## وہ غزوات جن میں آپ ؓ نے حصہ لیا

### سریہ حمزہ ؓ:

رمضان شریف ۱ھ کو حضور ﷺ نے آپ کو تیس افراد کا سپہ سالار بنا کر قریش کی ایک جماعت کے مقابلے میں بھیجا، قریش کی جماعت کی قیادت ابوجہل کر رہا تھا اور کفار تین سو افراد پر مشتمل تھے جو شام کی طرف سے آ رہے تھے۔ حضرت حمزہ جب اپنی جماعت کی قیادت کرتے ہوئے سیف البحر کے قریب پہنچے تو کفار سے آمنا سامنا ہو گیا، فریقین نے جنگ بندی کیلئے صف آرائی کی لیکن ایک شخص مجدی بن عمرا لجہنی نے فریقین کو سمجھا بجھا کر لڑائی سے روک دیا اور حضرت امیر حمزہ ؓ بغیر لڑائی کے مدینہ شریف واپس آ گئے۔ (طبقات ابن سعد، سیرت ابن ہشام)

### غزوۂ ابواء:

یہ پہلا غزوہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے اور غزوۂ تبوک آخری غزوہ ہے ماہ صفر ۲ھ میں ساٹھ مہاجرین اپنے ہمراہ لے کر قافلہ قریش اور بنوضمرہ پر حملہ کرنے کیلئے ابوا کی طرف روانہ ہوئے۔ اس غزوہ میں جھنڈا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ جب آپ ﷺ ابوا پہنچے تو قریش کا قافلہ نکل چکا تھا اور لڑائی کی نوبت نہ آئی۔

اس میں فائدہ یہ ہوا کہ بنوضمرہ سے ایک معاہدہ طے پایا اس کو غزوہ ودان بھی

Scanned with CamScanner

کہتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد، سیرت ابن ہشام)

## غزوہ ذوالعشیرہ:

اسی طرح جمادی الاخریٰ ۲ھ جب آنحضرت ﷺ دوصد مہاجرین کو لے کر قریش کی ایک جماعت کی مزاحمت کیلئے نکلے تو علمبرداری کا طرہ افتخار حضرت امیر حمزہ ؓ کی دستار فضل کمال پر آویزاں تھا لیکن اس دفعہ بھی کوئی جنگ نہ ہوئی۔

(زرقانی۔ محمد رسول اللہ ﷺ)

## غزوہ بدر رمضان المبارک ۲ھ:

اسی سال وسط رمضان میں بدر کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا ہے۔ صف آرائی ہوئی تو قریش مکہ کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید میدان میں اترے ان کے مقابلہ کیلئے چند انصاری نوجوان آگے بڑھے تو عتبہ نے حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہا: اے محمد! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں ہیں، ہمارے مقابلے کے لوگ بھیجو۔ تب حضور علیہ السلام نے حضرت علی، حضرت حمزہ اور عبیدہ رضی اللہ عنھم کو بھیجا، یہ تینوں حضرات نیزے لہراتے ہوئے میدان میں جا کھڑے ہوئے، چونکہ تینوں نے خود پہنے ہوئے تھے اس لئے عتبہ ان کو پہچان نہ سکا اور پوچھا! تم کون ہو؟ جب تینوں نے اپنا تعارف کرایا تو عتبہ بولا: ہاں اب ٹھیک ہے۔ جنگ شروع ہوئی تو اسلام کے ان عظیم مجاہدوں کی جرأت ایمان سے میدان بدر دہل گیا اور کفار کے دل کانپ اٹھے، گھمسان کا مقابلہ ہوا حضرت حمزہ ؓ نے عتبہ کو موت کی نیند سلا دیا، حضرت علی ؓ نے ولید کو واصل جہنم کیا جبکہ حضرت عبیدہ ؓ، شیبہ کے ہاتھوں شدید زخمی ہو گئے اور حضرت علی ؓ نے آگے بڑھ کر اپنی ذوالفقار حیدری سے شیبہ کا کام تمام کر دیا۔ (ابوداؤد، زرقانی علی المواھب)

بدر میں کافروں کی طرف سے جو پہلا شخص قتل ہوا اسکو حضرت حمزہ ؓ نے ہی قتل کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔



ایک شخص جس کا نام اسود مخزومی تھا بہت فتنہ پرور اور بدکردار تھا اس نے عہد کیا ہوا تھا کہ

"میں ضرور رسول اللہ ﷺ کے حوض سے جا کر پانی پیوں گا"۔

یا اس کو مسمار کر دوں گا یا خود وہیں ہلاک ہوں گا۔ پھر اس ارادے سے اپنے لشکر سے چلا۔ حضرت حمزہ ؓ اس کے مقابلہ کو تشریف لائے۔ یہ حوض کے قریب پہنچ گیا تھا۔ حضرت امیر حمزہ ؓ نے اس کو ایسی تلوار ماری کہ اس کی آدھی پنڈلی مع پیر کے اڑ گئی اور یہ پشت کے بل گر پڑا مگر پھر بھی اسی حالت میں حوض کی طرف بڑھا تا کہ اس میں سے پانی پی کر اپنی قسم پوری کر سکے۔ حضرت حمزہ ؓ نے دوسری ایسی ضرب لگائی کہ وہ ٹکڑے ہو کر حوض میں جا پڑا۔ (بدر میں یہ پہلا مقتول تھا)۔ (سیرت ابن ہشام)

## کفار کا اعتراف:

حضرت امیر حمزہ ؓ نے اپنی دستار پر شتر مرغ کی کلغی لگا رکھی تھی اس لئے جس طرف گھس جاتے صاف نظر آتے تھے۔ دونوں ہاتھوں میں تلوار تھی اور مردانہ وار دو دستی حملوں سے پرے کا پرا صاف کر رہے تھے۔ غرض جب تھوڑی دیر میں لشکر کفار بہت سے قیدی اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تو بعض قیدیوں نے پوچھا کہ یہ کلغی لگائے کون ہے؟ لوگوں نے کہا: حضرت حمزہ ؓ ہیں تو وہ بولے: آج ہمیں سب سے زیادہ نقصان اسی نے پہنچایا ہے۔ (طبقات ابن سعد)

## ابوقیس بن الفاکہ کا قتل:

یہ بھی آنحضرت ﷺ کو شدید ایذا پہنچاتا تھا۔ ابوجہل کا خاص معین اور مددگار تھا۔ ابوقیس جنگ بدر میں حضرت حمزہ ؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (تاریخ ابن اثیر)

ابھی حضور علیہ السلام غزوہ بدر میں ہی مصروف تھے کہ مدینہ کے یہودیوں نے حضور علیہ السلام کی عدم موجودگی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مدینہ کے مسلمانوں کو تنگ

کرنا شروع کر دیا۔ حضور علیہ السلام جب واپس تشریف لائے تو یہود کے قبیلہ بنو قینقاع کی دست درازیوں کے متعلق معلوم کر کے آپ نے وسط شوال ۲ھ میں بنو قینقاع کا محاصرہ کیا جو پندرہ دن جاری رہا۔ آخر کار یہود نے مرعوب ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور انکی عہد شکنی کی وجہ سے ان کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اس مہم میں بھی علمبرداری کا سہرا حضرت امیر حمزہ ؓ کے سر پر سجا۔ (ابن سعد)

## غزوۂ اُحد کا حال اور حضرت امیر حمزہ ؓ:

بدر میں کفار و مشرکین کی ذلت آمیز شکست نے انکی آتش انتقام کو تیز کر دیا اور اگلے ہی سال شوال ۳ھ میں کفار مکہ غیض و غضب کی آگ میں جل کر مدینہ کی طرف بڑھے اور غزوۂ احد وقوع پذیر ہوا۔

نبی اکرم علیہ السلام نے اپنے صحابہ کرام سے اس بات پہ مشورہ کیا کہ جنگ مدینہ شریف میں رہ کر لڑی جائے یا مدینہ سے باہر جا کر بعض صحابہ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ شریف میں رہ کر لڑائی کی جائے لیکن بعض اکابر اور نوجوان اس پر مصر ہوئے کہ مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر حملہ کیا جائے اور عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! ہم تو اس دن کے متمنی اور مشتاق ہی تھے اور خدا سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ خدا وہ دن لے آیا اور مسافت بھی قریب ہے مگر حضرت حمزہ ؓ، حضرت سعد بن عبادہ ؓ، حضرت نعمان ؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اگر ہم نے مدینہ میں رہ کر انکی مدافعت کی تو ہمارے دشمن ہم کو خدا کی راہ میں بزدل خیال کریں گے۔

حضرت سیدنا حمزہ ؓ نے عرض کیا:

**والذی انزل علیک الکتاب لااطعم الیوم طعاما حتی اجادلهم بسیفی خار المدینه.** (زرقانی، البدایہ والنہایہ)

**ترجمہ:** قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ میں اس وقت تک



کھانا نہ کھاؤں گا جب تک مدینہ سے باہر نکل کر دشمنوں کا اپنی تلوار سے مقابلہ نہ کرلوں۔

رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھا کہ جنت کے شیدائی یعنی نوجوانوں کا اصرار تو پہلے ہی سے ہے کہ مدینہ سے باہر جا کر حملہ کیا جائے لیکن مہاجرین وانصار میں سے بھی بعض اکابر صحابہ جیسے سیدنا حمزہ ؓ اور سعد بن عبادہ ؓ شوق شہادت میں بے چین ہیں اور ان کی بھی یہی رائے ہے تو آپ ﷺ نے بھی یہی عزم فرمالیا۔

حالانکہ لشکر قریش کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سات سو زرہ پوش تھے۔ ان کے پاس دو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے علاوہ ازیں پندرہ اشراف مکہ کی عورتیں تھیں جو ان کو اشعار پڑھ کر جوش دلاتیں۔ (طبری)

جبکہ مسلمانوں کی کل جمعیت ایک ہزار تھی جن میں سے عبداللہ بن ابی تین سو آدمیوں کو لے کر احد کے قریب جا کر علیحدہ ہو گیا۔ اب صرف سات سو صحابہ کرام تھے جن میں صرف ایک سو زرہ پوش تھے اور پورے لشکر کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔

(طبری، زرقانی)

جن کافروں کے رشتہ دار جنگ بدر میں مارے گئے تھے ان میں سے بالخصوص عورتوں نے قسم کھائی ہوئی تھی کہ ہم اپنے عزیزوں کے قاتلوں کا خون پی کر ہی دم لیں گی۔ کیونکہ حضرت امیر حمزہ نے میدان بدر میں ہندہ کے باپ عتبہ اور جبیر بن مطعم کے چچا کو قتل کیا تھا اسی وجہ سے ھندہ نے انتقام لینے کیلئے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کو تیار کیا اور اس سے وعدہ کیا کہ حمزہ کو قتل کرنے کے بدلے تجھے آزاد کر دیا جائے گا۔ وحشی کو اس کام کیلئے منتخب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس حبش کا ایک ایسا داؤ تھا کہ اگر وہ چل جاتا تو کم ہی خطا کرتا۔ (ابن ہشام)

چنانچہ ہندہ نے وحشی کو کہا! اے ابو وسمہ (وحشی کی کنیت) ایسا کام کر کہ جس سے ہمارے دلوں کو سکون ملے۔ (ابن کثیر، ابن ہشام)

جنگ کا آغاز ہوا تو پہلا مبارز ابو عامر جو زمانہ جاہلیت میں قبیلہ اوس کا سردار تھا۔

Scanned with CamScanner

اس نے کہا کہ جب قبیلہ اوس کے لوگ مجھے دیکھیں گے تو میرے ساتھ ہو جائیں گے چنانچہ سب سے پہلے میدان میں نکل کر کہا: اے گروہ اوس! میں ابو عامر ہوں۔ قبیلہ اوس نے کہا: اے خدا کے فاسق اور نافرمان! خدا کبھی تیری آنکھ ٹھنڈی نہ کرے۔ ابو عامر یہ جواب سن کر شرمندہ ہوا اور واپس آ گیا۔ (زرقانی)

دوسرا مبارز، طلحہ بن ابی طلحہ آیا حضرت علیؓ نے تلوار چلائی اس کا پیر کٹ گیا۔ منہ کے بل گرا اور ستر کھل گیا۔ (طبری)

تیسرا مبارز عثمان بن ابی طلحہ آیا۔

سیدنا حمزہؓ نے بڑھ کر حملہ کیا۔ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں شانے صاف کر دیئے اور علَم اسکے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ٹھنڈا ہو گیا۔ (یعنی مر گیا)۔ (زرقانی)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت حمزہؓ کی تلوار اس کے ہاتھ کندھے تک کاٹتی ہوئی کمر تک پہنچ گئی اور اس کا پھیپھڑا نظر آنے لگا۔

اور جناب امیر حمزہؓ یہ کہتے ہوئے واپس آئے کہ میں توساقی الحجیج (حاجیوں کو پانی پلانے والا یا وہ شخص جس کے زخم کی گہرائی ناپی جائے) کا بیٹا ہوں۔ الغرض گیارہویں نمبر پر صواب نامی نکلا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص یا حضرت علی یا امیر حمزہؓ میں سے کسی نے اس کو بھی قتل کر دیا۔ (طبقات ابن سعد۔ زرقانی)

دوران جنگ ایک مرتبہ سباع بن عبد العزیٰ نے ھل من مبارز کہہ کر مدِ مقابل طلب کیا تو حضرت امیر حمزہ یہ کہتے ہوئے اسکی طرف بڑھے "اے عورتوں کے ختنے کرنے والی ماں کے بیٹے! تو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے"۔ یہ کہہ کر اس پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ ایک ہی وار میں اس کو موت کی وادی میں اتار دیا۔

جب آپ نے مذکور کافر کو فنافی النار کیا تو اس وقت وحشی ایک بڑے پتھر کی اوٹ



میں چھپا بیٹھا تھا۔ کیونکہ اس کا مشن ہی صرف حضرت امیر حمزہ کو شہید کر کے آزادی چاہنا تھا اس لئے اس نے اپنا داؤ استعمال کیا جو کامیاب ہو گیا اور اس طرح حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے۔ (مدارج، سیرت المصطفیٰ)

ان کے آگے وہ حمزہ کی جانبازیاں
شیرِ غرانِ سطوت پہ لاکھوں سلام

## شہادت امیر حمزہؓ بزبان وحشی:

وحشی کہتے ہیں: میں جبیر بن مطعم کا غلام تھا اس کا چچا طعیمہ بن عدی جنگ بدر میں قتل ہو گیا تھا۔ (اس کا بدلہ لینے کیلئے میں) احد کی جانب روانہ ہوا میں حبشی طرز سے نیزہ پھینکتا تھا چنانچہ میرا نشانہ کم ہی خطا ہوتا تھا۔ جب جنگ کا آغاز ہوا تو میں حمزہؓ کی تلاش میں تھا۔ یہاں تک کہ میں نے ان کو لوگوں میں چلتا دیکھ لیا وہ دراز قد خاکستری اونٹ پہ سوار تھا، تلوار مارتا جاتا تھا۔ کوئی ان کے سامنے نہ ٹکتا واللہ میں ان کو نیزہ مارنے کے لئے تیار ہوا اور درخت یا پتھر کے اوٹ میں چھپ گیا کہ وہ میرے قریب آ جائے اچانک سباع بن عبد العزیٰ اس کے سامنے آیا حضرت حمزہؓ نے اسے دیکھ کر کہا: اے عورتوں کے ختنے کرنے والی کے بیٹے! یہ کہہ کر تلوار ماری اور وہ ڈھیر ہو گیا۔ پھر میں نے اپنے نیزے کو جنبش دی اور ان کا نشانہ باندھا اور ان پر نیزہ پھینک دیا۔ وہ ان کی ناک پر لگا اور پار ہو گیا۔ وہ میری طرف آنے لگے مگر لڑکھڑا کر گر پڑے۔ جب ان کی روح پرواز کر گئی تو میں نے ان کے جسم سے اپنا حربہ (اور ان کا کلیجہ) نکالا اور خیمہ میں آ کر آرام سے بیٹھ گیا۔ کیونکہ اس کے علاوہ میرا کوئی مقصد نہ تھا۔ (ابن کثیر)

مدارج النبوت میں ہے کہ وحشی نے کہا: "پھر میں نے حضرت حمزہ کا پیٹ چاک کیا، ان کا جگر نکال کر ہندہ کو دیا اور کہا! یہ تیرے باپ کے قاتل کا جگر ہے"۔

ابن اسحاق کے مطابق ہندہ دوسری عورتوں کو بھی لیکر باقی شہداء کی لاشوں کے

پاس آئی اوران کے ناک، کان کاٹ کر سب کو مُثلہ شروع کر دیا اوران اعضاء کو پرو کر اس نے اپنے گلے کا ہار بنایا اور با قاعدہ اس کو گلے میں پہنا۔ اوراس پر بس نہ کیا بلکہ حضرت امیر حمزہ کا جگر مبارک چبایا اور جب نگل نہ سکی تو اُگل دیا۔ (ابن ہشام)

مدارج النبوۃ اور زرقانی کے مطابق ہندہ حضرت حمزہ کے کان، ناک اور عضو تناسل کاٹ کر مکہ میں اپنے ساتھ لے گئی۔

اور وحشی کو انعام کے طور پر اپنا لباس، چادر اور تمام زیورات (جو اس نے پہنے ہوئے تھے) دے دیئے اور وعدہ کیا کہ مکہ جا کر تجھے دس سُرخ دینار بھی دوں گی۔

(ابن ہشام، مدارج)

کافر جب میدان سے چلے گئے تو مسلمانوں نے اپنے شہداء کی لاشوں کو تلاش کرنا شروع کیا۔

مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت علی ؓ حضرت حمزہ ؓ کی لاش پر آئے ان کو اس حالت میں دیکھا تو رونے لگے اور روتے روتے سرکار ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور ساری صورت بتائی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت علی ؓ کے ساتھ امیر حمزہ ؓ کی لاش پر تشریف لائے۔

## امام الانبیاء اپنے چچا کی لاش پر:

رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہ ؓ کی لاش کی تلاش میں نکلے اور امیر حمزہ ؓ بطن وادی میں مثلہ کیے ہوئے پائے گئے۔ ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں۔ پیٹ مبارک اور سینہ چاک ہوا ہے۔ اس جگر خراش اور دل آزار منظر کو دیکھ کر بے اختیار حضور ﷺ کا دل بھر آیا اور فرمایا تم پر اللہ کی رحمت ہو جہاں تک مجھے معلوم ہے البتہ تم بڑے ہی مخیّر اور صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت حمزہ ؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا تمہارا انتقال کا سارنج مجھ کو نہ پہنچے گا میں کبھی ایسی جگہ کھڑا نہیں ہوا جہاں اس سے زیادہ مجھ کو غیظ وغضب ہوا ہو۔ اگر صفیہ کے حزن اور ملال رنج اور غم کا خیال نہ ہوتا تو



میں تم کو اسی طرح چھوڑ دیتا کہ درند اور پرند تم کو کھاتے اور پھر قیامت کے دن تم ان کے شکم سے اٹھتے اور اسی جگہ کھڑے کھڑے یہ فرمایا کہ خدا کی قسم خدا نے مجھ کو کافروں پر غلبہ عطا فرمایا تو تیرے بدلے 70 کافروں کا مثلہ کردوں گا۔ آپ ﷺ اس جگہ سے ابھی ہٹے نہ تھے کہ یہ آیت شریف نازل ہوگئی۔

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصبرين.

(النحل)

**ترجمہ**: اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی لو جتنا کہ تم کو تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر صبر کرو البتہ وہ بہتر ہے۔ صبر کرنے والوں کے لیے اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا محض اللہ کی امداد اور توفیق سے ہے اور نہ آپ ان پر غمزدہ ہوں اور نہ ان کے مکر سے دل تنگ ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ صابروں اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔ حضور علیہ السلام نے اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے صبر کیا۔ اور اپنا ارادہ فسخ فرما کر قسم کا کفارہ ادا فرمایا۔

(مستدرک، مدارج، ابن ہشام)

حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے جب حضرت امیر حمزہ کی حالت دیکھی تو اتنا روئے کہ ہچکی بندھ گئی اور اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: سید الشہداء عند اللہ یوم القیٰمۃ حمزہ. حمزہ قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں تمام شہیدوں کے سردار ہوں گے۔ (مستدرک۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے)

## حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا حوصلہ:

حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت حمزہ ؓ کی لاش پر آئیں تو آپ ﷺ نے ان کے بیٹے حضرت زبیر ؓ سے فرمایا کہ میری پھوپھی اپنے بھائی کی لاش نہ دیکھنے پائے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مجھے اپنے بھائی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے لیکن میں اسے اللہ کی راہ میں کوئی بڑی قربانی نہیں سمجھتی۔ پھر حضور علیہ السلام کی اجازت سے لاش کے پاس گئیں اور یہ منظر

Scanned with CamScanner

دیکھا کہ پیارے بھائی کے کان، ناک، آنکھ سب کٹے پڑے ہیں شکم چاک، جگر چبایا پڑا ہے۔ یہ دیکھ کر اس شیر دل خاتون نے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کے سوا کچھ نہ کہا۔ پھر ان کی مغفرت کی دعا مانگتی ہوئی چلی آئیں۔ (طبرانی)

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو
جاں تیری دی ہوئی ہے لینے میں کیا گلہ ہو

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے صاحبزادے زبیر ؓ کو کفن کے لیے دو چادریں دے گئیں کہ ان سے کفن کا کام لیا جائے لیکن پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور و کفن پڑی تھی اس لیے انہوں نے دونوں شہیدانِ ملت میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی۔ اس غزوہ میں ۷۰ صحابہ شہید ہوئے جن میں اکثر انصار تھے۔ بے سروسامانی کا عالم یہ تھا کہ کفن کی چادر بھی پوری نہ تھی۔

چنانچہ مصعب بن عمیر ؓ اور سیدنا امیر حمزہ ؓ کا کفن بھی کچھ اسی طرح کا تھا یعنی کپڑا اتنا چھوٹا تھا کہ اگر سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا اور بعض کے لیے یہ بھی میسر نہ آیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا چادر سے چہرہ چھپاؤ اور قدموں میں گھاس ڈال دو۔ (سیر الصحابہ، سیرۃ المصطفیٰ)

حضرت امیر حمزہ ؓ کی نماز جنازہ حضور علیہ السلام نے خود پڑھائی اور اس شان سے کہ سب سے پہلے حضرت امیر حمزہ کا جنازہ پڑھا گیا پھر ایک ایک کر کے ہر شہید کا جسدِ عنصری حضرت حمزہ کے پہلو میں رکھ کر ہر ایک کی الگ الگ نماز پڑھی اور اس طرح حضرت حمزہ پر ستر بار نماز پڑھی گئی۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام کے حکم سے تمام شہداء احد کے جسموں کو بغیر غسل کے دفنایا گیا۔ اور ان سب کی قبریں بمعہ حضرت امیر حمزہ میدان احد میں بنائی گئیں۔ (طبقات ابن سعد)

غزوہ بدر سے فارغ ہو کر جب حضور علیہ السلام مدینہ طیبہ کی طرف تشریف لا رہے تھے تو حضرت امیر حمزہ کی بیٹی (فاطمہ) اپنے والد ماجد کو تلاش کر رہی تھیں،



جب آپ کو لشکر میں نہ دیکھا تو حضرت ابوبکر صدیق کی طرف دوڑیں اور پوچھا: میرے ابا کہاں ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق کا دل جل اٹھا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ آ رہے ہیں جب حضور ﷺ پہنچے تو والد پھر بھی نظر نہ آئے وہ آگے بڑھیں اور خواجۂ کائنات ﷺ کی سواری کی لگام پکڑ لی اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میرے والد کہاں ہیں؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا باپ میں ہوں۔ عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اس بات سے بوئے خون آتی ہے۔ یہ کہتے ہی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور حضور ﷺ کی آنکھوں میں بھی اسے دیکھ کر آنسو ٹپک پڑے۔ اس کے بعد فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میرے والد کی شہادت کی کیفیت بیان فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے میری بیٹی! اگر میں اس کا حال بیان کر دوں تو تمہارے دل کو اس کے برداشت کی طاقت نہیں ہوگی۔ (مدارج النبوت)

## حضور علیہ السلام کا دکھ درد:

آنحضرت ﷺ کو اس سانحہ پر شدید دکھ پہنچا چنانچہ آپ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور بنی اشہل کی عورتوں کو اپنے اپنے اعزہ و اقرباء پر روتے دیکھا، سنا تو فرمایا افسوس حمزہ ؓ پر رونے والی کوئی بھی نہیں۔ انصار نے یہ سن کر اپنی عورتوں کو آستانہ نبوت پر بھیج دیا جنہوں نے نہایت رقت آمیز طریقہ سے سید الشہداء ؓ پر گریہ و زاری شروع کی۔ اس حالت میں آنحضرت ﷺ کی آنکھ مبارک لگ گئی۔ کچھ دیر بعد بیدار ہوئے تو دیکھا کہ انصار کی عورتیں ابھی تک رو رہی ہیں۔

فرمایا کہ کیا خوب! یہ سب ابھی تک یہیں بیٹھی رو رہی ہیں۔ انہیں حکم دو کہ واپس جائیں اور آج کے بعد کسی مرنے والے پر نہ روئیں (جب تک امیر حمزہ پر آنسو نہ بہالیں)۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس دن سے مدینہ شریف کی عورتوں کا دستور ہو گیا کہ جب وہ کسی فوت

ہونے والے پر روتیں تو پہلے حضرت امیر حمزہ پر آنسو بہاتی تھیں۔ (طبقات ابن سعد)

## حضور علیہ السلام اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل:

وحشی کا اپنا بیان ہے کہ غزوۂ احد کے بعد میں مکہ مکرمہ لوٹ آیا اور کافی عرصہ رہائش پذیر رہا۔ جب مکہ شریف میں بھی اسلام پھیل گیا تو میں طائف چلا گیا۔ طائف والوں نے مجھے اپنا قاصد بنا کر مدینہ بھیجا اور کہا! کہ محمد (ﷺ) قاصدوں کو کچھ تکلیف نہیں پہنچاتے۔ پس میں لوگوں کے ساتھ ہو لیا اور مدینہ پہنچ گیا۔ حضور علیہ السلام نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا! کیا تو وحشی ہے؟ میں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ نے پھر پوچھا! کیا تو نے ہی (میرے چچا) حمزہ کو (دردناک طریقے سے) شہید کیا تھا؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں اس کا آپ کو خوب علم ہے۔ فرمایا! کیا تو مجھ سے اپنا چہرہ چھپا نہیں سکتا۔ یہ سن کر وحشی باہر آ گئے اور کہتے ہیں کہ میں پھر ساری عمر آپ کے سامنے نہ گیا۔

وحشی کہتے ہیں کہ میں مکہ میں تھا۔ مکہ فتح ہوا تو طائف بھاگ گیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے طائف بھی فتح کر لیا اور وہاں کے سب لوگ مسلمان ہو گئے تو میں پریشان ہوا کہ اب کیا کروں کبھی شام کی طرف بھاگنے اور کبھی یمن جانے کا خیال کرتا تھا۔ آخر اسی فکر میں تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا تجھ کو خرابی ہو۔ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں جا کر مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا۔ خدا کی قسم! جو شخص مسلمان ہو جائے حضور ﷺ اس کو کچھ نہیں کہتے۔

میں یہ سن کر مدینہ حاضر ہوا اور حضور ﷺ کی پشت مبارک کے پیچھے کھڑے ہو کر کلمہ شہادت پڑھا آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: تو وحشی ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا بتا تو نے میرے چچا کو کیسے قتل کیا؟ چنانچہ میں نے پورا واقعہ بیان کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تجھ پر ہلاکت ہو اپنا چہرہ مجھ سے ہٹا لے میں تیرا چہرہ نہیں دیکھوں گا۔ اس کے بعد میں کئی دفعہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا لیکن آپ کے سامنے



نہ آتا بلکہ پس پشت ہی بیٹھ جاتا یہاں تک کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا۔ (ابن ہشام)

پھر رسول ﷺ کا وصال ہوا اور مسیلمہ کذاب نبوت کا دعویٰ کرتا ہوا نکلا تو میں نے اپنے دل میں کہا: میں بھی مسلمانوں کے ساتھ اس سے لڑنے کیلئے نکلوں گا۔ شاید اسے قتل کر سکوں اور یہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا کفارہ ہو جائے۔ پس میں بھی لوگوں کے ساتھ نکلا اور ہوتا رہا جو کچھ ہوا۔ ان کا بیان ہے کہ ایک آدمی دیوار کی آڑ میں کھڑا تھا جس کا رنگ اونٹ کی مانند تھا اور اس نے اپنا سر جھکایا ہوا تھا۔ میں نے جانتے ہوئے کہا: مسیلمہ یہی ہے۔ اپنا وہی نیزہ سنبھالا اور زور سے پھینک کر چھاتی کے بیچ مارا تو وہ اس کے کندھوں سے پار نکل گیا۔ اتنے میں کچھ انصاری بھی اس پر ٹوٹ پڑے پس میں نے کھوپڑی پر تلوار سے ضرب لگائی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک لونڈی نے مکان کی چھت پر کھڑی ہو کر کہا: اے امیر المومنین! مبارک ہو مسیلمہ کو ایک کالے غلام نے قتل کر دیا۔ (بخاری کتاب المغازی)

تو اس طرح اس (وحشی) کی ذات سے اسلام کو جس قدر نقصان پہنچایا تھا اس سے زیادہ فائدہ بھی پہنچا۔ اور وحشی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ ہو گئے۔ آپ اکثر کہا کرتے تھے میں نے جاہلیت میں خیر الناس کو قتل کیا اور اسلام میں شر الناس کو۔

ابن ہشام کے مطابق وحشی پر شراب پینے کے جرم میں کئی بار حد لگی جس پر حضرت عمر نے فرمایا: امیر حمزہ کے قتل کی وجہ سے اس پر خدائی عذاب ہے اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ یہ آرام سے بیٹھے۔

تاہم اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ وحشی بھی مسلمان ہو گیا اور ہندہ بھی مسلمان ہو گئی اور ہندہ کا شوہر ابوسفیان بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) اور حضور علیہ السلام نے جب ان کا ایمان و اسلام قبول فرما لیا تو اب ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

؎ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

Scanned with CamScanner

# داستان امیر حمزہؓ

## شاعر اسلام حفیظ جالندھری کی زبان سے

### سیدنا امیر حمزہ کا ایمان لانا:

شجاع نامور فرزند عبدالمطلب حمزہ
وہ عم مصطفیٰ عالی نسب والا حسب حمزہ

وہ حمزہ جس کو شاہ شہسواران عرب کہئے — جسے جان عرب لکھئے جسے شان عرب کہئے
اگرچہ اب بھی اپنے کفر کی حالت پہ قائم تھے — مگر فخر رسل ﷺ کی دائمی الفت پہ قائم تھے
مشیت تھی کہ انکے دم سے تقویت ملے حق کو — مٹے باطل سے شان ظاہری، شوکت ملے حق کو
چلے آتے تھے اک دن دشت سے وہ پشت توسن پر — شجاعت اور جلال ہاشمی تھا اپنے جوبن پر
سوئے خانہ چلے جاتے تھے رستے میں یہ سن پایا — بھتیجے کو مرے بوجہل نے صدمہ ہے پہنچایا
یہ سنکر جوش خوں سے روح میں غیظ وغضب دوڑا — پلٹ کر سوئے کعبہ ابن عبد المطلب دوڑا
وہاں بوجہل اپنے ساتھیوں میں گھر کے بیٹھا تھا — مثیل ابرہہ تھا ہاتھیوں میں گھر کے بیٹھا تھا
کیا حمزہ نے نعرہ او ابو جہل اوخر بزدل — محمد مصطفیٰ کے دین میں اب میں بھی ہوں شامل
سنا ہے میں نے تو میرے بھتیجے کو ستاتا ہے — ہمیشہ گالیاں دیتا ہے اور فتنے اٹھاتا ہے
اگر کچھ آن رکھتا ہے تو آ میرے مقابل ہو — کہ تیری بد زبانی کا چکھا دوں گا مزا تجھ کو
بلا لے ساتھ اپنے ان حمایت کرنے والوں کو — ذرا میں بھی تو دیکھوں ان کمینوں کو رذالوں کو
یہ کہہ کو گھس پڑے حمزہ گروہ بد سگالاں میں — گریباں سے پکڑ کر کھینچ لائے اسکو میداں میں
کماں تھی ہاتھ میں وہ سر پہ نانہجار کے ماری — گر بوجہل سر سے ہوگیا ناپاک خون جاری
سبھی سہمے کھڑے تھے چھا گیا تھا ایک سناٹا — مگر حمزہ نے کھا کر رحم اس کا سر نہیں کاٹا
کہا گر آج سے میرے بھتیجے کی طرف دیکھا — تیرے ناپاک جبڑے میں شتر کی لید بھر دوں گا



یہ کہہ کر چل دیئے، مشرک بھلا کیا ٹوک سکتے تھے — کہیں روباہ بھی اس شیر نر کو روک سکتے تھے
ابو جہل اس لیے دبکا پڑا تھا فرش کے اوپر — مبادہ واپس آکر قتل کردے عم پیغمبر ﷺ
یہاں سے جاکے حمزہ جلد تر ایمان لے آئے — بھتیجے کے وسیلے سے چچا نے مرتبے پائے

### حضرت عمرؓ آستانہ نبوت پر اور حضرت امیر حمزہؓ کی بہادری

رسول اللہ ﷺ تھے اس دم مقیم خانۂ ارقم — حضوری میں جناب حمزہ و بوبکر تھے ہمدم
نحیف و ناتواں کچھ اور اہل اللہ بیٹھے تھے — خدا سے لو لگائے وہ جہاں کے شاہ بیٹھے تھے
عمر آئے مسلح، آکے دروازے پہ دی دستک — اسی انداز میں تھے ہاتھ میں تلوار تھی اب تک
صحابہ نے جونہی سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا — چمک تلوار کی آئی نظر روئے عمر دیکھا
صحابہ میں سے اکثر ڈر گئے اس رنگ ظاہر سے — عمر کا دبدبہ کچھ کم نہ تھا اک فوج قاہر سے
رسول اللہ سے آکر عرض کی اک طرفہ سامان ہے — عمر در پر کھڑے ہیں ہاتھ میں شمشیر براں ہے
کہا حمزہ نے جاؤ جس طرح آتا ہے آنے دو — اسے اندر بلاؤ جس طرح آتا ہے آنے دو
ادب ملحوظ رکھے گا تو خاطر سے بٹھائیں گے — نمونہ اس کو ہم خلق محمد ﷺ کا دکھائیں گے
اگر نیت نہیں اچھی تو اس کو قتل کردوں گا — اسی کی تیغ سے سر کاٹ کر چھاتی پہ دھردوں گا
رسول اللہ ﷺ سن کر مسکرائے اور فرمایا — بلا لو دیکھ لیں کس دھن میں ہے ابن خطاب آیا

### حضرت حمزہؓ اور عتبہ کا مقابلہ (بدر میں)

یکایک سب نے دیکھا کھینچ لی تلوار عتبہ نے
کیا حمزہ کے سر پر ایک کاری وار عتبہ نے

جناب حمزہ نے تلوار پر تلوار کو روکا — سبک دستی سے تھپکی دے کے مہلک وار کو روکا
نظر کچھ بھی نہ آیا جھنجھناہٹ کی صدا آئی — اڑیں چنگاریاں تلوار سے تلوار ٹکرائی
ذرا مہلت جو پائی ایک پل دھاوے سے حمزہ نے — سبک ہو کر نکالا ہاتھ الجھاوے سے حمزہ نے
کیا دشمن کو بڑھ کر تیغ فرخ فال کے نیچے — مگر عتبہ نے سر اپنا چھپایا ڈھال کے نیچے

صدا تکبیر کی آئی زمین بدر تھرائی  پلک جھپکی کھلیں آنکھیں تو یہ صورت نظر آئی

پڑی تلوار فولادی سپر کے ہوگئے ٹکرے  سپر سے تا بہ سر پہنچی تو سر کے ہوگئے ٹکڑے

گلو میں بھی نہ اٹکی سینہ کاٹا دل جگر کاٹا  لہو چاٹا جگر کا بند زنجیر کمر کاٹا

گلے کے ہار زنجیروں کی لڑیاں کاٹ کر نکلی  زرہ بکتر کے بندھن اور کڑیاں کاٹ کر نکلی

یہ تیغ حمزہ تھی دعوے تھے اس کو خاکساری کے  زمیں پر آرہی کر کے دو ٹکڑے جسم ناری کے

یہ برق نور تھی باطل کا قصہ پاک کر آئی  گری یک لخت اور دو لخت کر کے خاک پر آئی

گری جب خاک پر دو ٹکڑے ہو کر لاش خود سر کی  دہانِ شیر سے نکلی صدا اللہ اکبر کی

صفت مردان غازی نے کہیں اک ساتھ تکبیریں  قلوب اہل باطل پر گریں حسرت کی شمشیریں

## ہند جگر خوار کا غم وغصہ

یہ سن کر چھا گیا اس ہاؤ ہو پر ایک سناٹا  ہوا معلوم باطل کو کہ رونے میں بھی ہے گھاٹا

ابوسفیان کی بیوی ہند اٹھی اور یوں بولی  کہ خیر اب تو ہمارے ساتھ جو ہونی تھی وہ ہو لی

مرے باپ اور چچا اور بھائی کو حمزہ نے مارا ہے  مرے فرزند کو بحر اجل کے گھاٹ اتارا ہے

پیوں گی میں بھی اب اس کا لہو اور گوشت کھاؤں گی  کلیجہ اور گردے اپنے دانتوں سے چباؤں گی

## حضرت حمزہ کو شہید کر ڈالنے کی سازش وحشی غلام آلۂ انتقام

در خیمہ پہ تھا ایک مرد وحشی نام تھا جس کا  کمال حربہ اندازی میں شہرہ عام تھا جس کا

غلام ابن مطعم تھا حبش کا رہنے والا تھا  بظاہر بھی یہ تیرہ بخت باطن میں بھی کالا تھا

غلاموں میں سمجھکر حرص و دولت کا غلام اس کو  ہوا تھا گھر سے چلتے وقت تفویض ایک کام اس کو

یہ کام اس شیر کو مکر و دغا سے قتل کرنا تھا  یہ کام اس مرد میدان کے لہو میں ہاتھ بھرنا تھا

لرزتے تھے عرب کے کوہ وصحرا نام سے جسکے  ملی تھی پختگی اسلام کو اسلام سے جس کے

وہ حمزہ یعنی روح سرفروشی جان جانبازی  وہ حمزہ لشکر اسلام کا سب سے بڑا غازی



وہی حمزہ قریشی افسروں کو مارنے والا  کیا تھا بدر میں کفار کو جس نے تہ و بالا

وہی ضیغم شکار و شیر افگن غازیٔ دوراں  اسی کو قتل کرنے کے یہاں درپیش تھے ساماں

کہا اب ہند بنت عتبہ نے وحشی کو بلوا کر  کہ ہم سب عورتیں آئی ہیں مکے سے قسم کھا کر

مسلمانوں سے مقتولوں کا بدلہ لے کے جائیں گی  ہم ان کا خون چاٹیں گی، ہم ان کا گوشت کھائیں گی

کیا ہے قتل حمزہ نے میرے بھی سربراہوں کو  ملایا خاک میں عالی تباروں کج کلاہوں کو

میں اس کا دل جگر گردے مزے لے لے کے کھاؤں گی  لہو اس کا پیوں گی ہڈیاں اس کی چباؤں گی

ارے وحشی کسی ترکیب سے دھوکے سے حیلے سے  کہیں پوشیدہ ہو کر اپنے حربے کے وسیلے سے

کسی صورت سے ہو، حمزہ کو جا کر قتل کر وحشی  دکھا دے اس کا لاشہ مجھ کو لا دے اس کا سر وحشی

میں تجھ سے کر چکی ہوں پہلے بھی انعام کا وعدہ  زر و گوہر کا وعدہ عزت و اکرام کا وعدہ

مرا یہ کام کر وحشی میں تجھ کو شاد کر دوں گی  علاوہ اور باتوں کے تجھے آزاد کر دوں گی

یہ کہہ کر پیشگی بھی دے دیئے کچھ سکہ ہائے زر  ہوئی حرص و ہوس غالب غلام پست ہمت پر

کہا بی بی تمہارا کام مہلک بھی ہے مشکل بھی  کہ حمزہ مرد میداں بھی ہے دور اندیش و عاقل بھی

اگر چھپتے چھپاتے پڑ گئی اس کی نظر مجھ پر  تو فوراً آ پڑے گا وہ بشکل شیر نر مجھ پر

وہاں اظہار چابک دستی و کاریگری مشکل  وہاں وحشی کی سو جانیں بھی ہوں تو جانبری مشکل

خود اپنی موت سے لڑنا خرد سے دور ہے بی بی  مگر خیر آپ کی خاطر مجھے منظور ہے بی بی

میں حربہ لے کر اک ٹیلے کے پیچھے بیٹھ جاؤں گا  رہوں گا تاک میں اپنا مقدر آزماؤں گا

اگر موقع ملا تو قتل کر ڈالوں گا غازی کو  زمیں پر سرنگوں کر دوں گا اللہ کے نمازی کو

## جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کا اشتیاق شہادت

یہ سن کر شیر حق نے جانب ہادی نظر ڈالی  کہ شاید پھر مجھی کو اذن بخشیں حضرت عالی

کہ اتنے میں جناب حضرت حمزہ نے عجلت سے  نکل کر صف سے مانگا اذن میداں شان رحمت سے

گزارش کی کہ اے سچے رسول اے ہادیٔ کامل  جہاد فی سبیل اللہ میں ایک بوڑھا بھی ہے شامل

مدینے میں خبر جس روز اس حملے کی آئی تھی　　اسی دن یہ قسم اس بندۂ عاجز نے کھائی تھی
کہ جب تک فیصلہ کوئی سر میداں نہ ہو جائے　　جہاد حق میں یا حمزہ کی جاں قرباں نہ ہو جائے
مجھے اس وقت تک منزل کٹھن ہے اپنے جینے کی　　مجھے سوگند ہے اس زندگی میں کھانے پینے کی
مرا روزہ ہے اے محبوب باری تیسرے دن سے　　نہ کھولونگا یہ روزہ جنگ جب تک کر نہ لوں ان سے
مقید ہے مری ہستی تمنائے شہادت میں　　میں خود حائل نظر آتا ہوں آج اپنی سعادت میں
سر میداں مبارز کو ہے زعم اپنی جوانی کا　　یہ مرد پیر ہی دے گا جواب اس لن ترانی کا
سہی جاتی نہیں مجھ سے یہ ناشائستہ گفتاری　　کہ میرے قلب پر تیغ زباں کی ضرب ہے کاری
مری جانب سے اب حد ہو چکی ہے بردباری کی　　اجازت دیجئے بہر خدا میدان داری کی

## اجازت میدان اور حضور ﷺ کے تاثرات

اجازت عم پیغمبر نے اس انداز سے چاہی　　کہ حیرت سے انہیں تکنے لگا زور ید اللٰہی
صدائے مرحبا و حبذا تھی برلب حیدر　　شہادت گاہ کی جانب چلا تھا عم پیغمبر
جلالت دیدنی تھی مصطفیٰ کے عم عالی کی　　جمال ہاشمی تھا آج اک صورت سوالی کی
سوالی کون اپنی جان دینے کا تمنائی　　سوالی کون بوطالب کا عبداللہ کا بھائی
وہ حمزہ ناز تھا اہل عرب کو جس کی طاقت پر　　فدا ہونے چلا تھا اب بھتیجے کی صداقت پر
ہوا ارشاد اے عم خجستہ فام بسم اللہ　　خدا حافظ ہے کیجئے نصرت اسلام بسم اللہ
یہ اقدام شہادت بر سبیل حسن نیت ہے　　محمد اس پہ راضی ہے جو اللہ کی مشیت ہے
فراق عارضی سب کیلئے اک دن مقرر ہے　　ملاقات اب لواء الحمد کے نیچے مقدر ہے
یہ فرما کر دکھائی انتہائی شان رحمانی　　کہ بڑھ کر چوم لی سرکار نے حمزہ کی پیشانی
وفور نور حق سے چہرۂ حمزہ چمک اٹھا　　جلا کندن نے پائی یہ زر خالص دمک اٹھا

## کفار پر حمزہ رضی اللہ عنہ کا رعب

مسرت کا عجب عالم تھا اسلامی غضنفر پر　　کہ لہراتا تھا ایک بال شتر مرغ آپ کے سر پر



لڑائی میں یہ حمزہ کا نشان امتیازی تھا　　کہ حمزہ شیر دل تھا نازش مردان غازی تھا
ابوسفیاں نے دیکھی شکل حمزہ کی تو گھبرایا　　ابو شیبہ کے اقدام دغا پر دل میں پچھتایا
پکارا اے ابو شیبہ سنبھل کر دو بدو ہونا　　بڑی ترکیب سے اس جنگجو کے رو برو ہونا
یہ حمزہ بہت مشکل ہے اس کے وار سے بچنا　　بہت خونخوار ہے اس تیغ دامن دار سے بچنا
کہیں تیزی میں اس کا ہاتھ سے چرکا نہ کھا جانا　　کسی صورت اسے لڑتے ہوئے پیچھے لگا لانا
اور شیبہ ہنسا مقصد پہ سالار کا پا کر　　سنبھالا اس نے بھالا سانپ کی مانند بل کر
نظر ڈالی مگر حمزہ نے جس دم سامنے آ کر　　تو دل سینے کے اندر رہ گیا یک بار تھرا کر

## حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابوشیبہ

کہا تو شکوہ کرتا تھا علی کی نوجوانی کا　　تجھے مقتول طلحہ پر گماں تھا ناتوانی کا
مناسب تھا کوئی بوڑھا جواں کے سامنے آئے　　تقابل تا کہ محروم توازن ہی نہ رہ جائے
بہادر بن کے استعمال کر زور جوانی کو　　کہ حاضر ہے یہ مرد پیر تیری قدر دانی کو
ابو شیبہ کو اس شائستہ گفتاری پہ حیرت تھی　　یہی طرز شریفانہ تھی جو شایان غیرت تھی
جواب اس نے دیا اے حمزہ تو مرد دلاور ہے　　بہادر ہے جری ہے بحر جرات کا شناور ہے
کیا ہے قتل تو نے بدر میں قرشی جوانوں کو　　پچھاڑا ہے عرب کے اچھے اچھے پہلوانوں کو
ہماری قوم تیرے خون کی پیاسی ہے مدت سے　　گھروں میں بال بچے کانپتے ہیں تیری دہشت سے
بہت اچھا کیا تو خود ہی میداں میں نکل آیا　　مرے ہاتھوں سمجھ لے آج پیغام اجل آیا
تری بدقسمتی نے تجھ کو میداں میں نکالا ہے　　تجھے خونریزیوں کا آج بدلا ملنے والا ہے
تو اپنی نرم باتوں سے مجھے بہلا نہیں سکتا　　جواں ہو یا کہ بوڑھا مجھ سے بچ کر جا نہیں سکتا
کہا حمزہ نے خیر اب بند کر یہ قیل و قال اپنی　　میں تیرے سامنے موجود ہوں حسرت نکال اپنی
میں خود ہی دیکھ لوں گا جو مرا اللہ دکھائے گا　　یقیں رکھ بھاگتا میداں سے تو مجھ کو نہ پائے گا
یہ میداں ہے یہاں مہلت نہیں باتیں بنانے کی　　دکھا جوہر کہ ساعت ہے یہی جوہر دکھانے کی

تو زور آور ہے اپنے زور کا اظہار کر مجھ پر — قدم آگے بڑھا مردانگی سے وار کر مجھ پر
شہادت سے ڈرا سکتا نہیں تو مرد مومن کو — کہ مومن ڈھونڈتا آتا ہے دنیا میں اسی دن کو

## ابوشیبہ اور حمزہ رضی اللہ عنہ کی جنگ

بڑھی اس گفتگو سے اب جو کافر کی غضبنا کی — کیا غافل سمجھ کر وار نیزے کا بہ چالاکی
وہ غافل ان کو سمجھا تھا مگر ہشیار تھا حمزہ — یہ گھاتیں جانتے تھے آزمودہ کار تھے حمزہ
وہیں قائم رہے بس اک ذرا سا جسم لہرایا — اس جنبش سے یہ نیزہ بغل کے درمیاں آیا
سنان نیزہ بائیں ہاتھ سے تھامی دیا جھٹکا — ابوشیبہ سے نیزہ چھین کر کچھ دور دے پٹکا
کہا بانکے جواں بے دل نہ ہو اوسان قائم رکھ — نکال اب میان سے تلوار اپنی شان قائم رکھ
بھڑک اٹھا یہ سن کر شعلہ کی مانند ابوشیبہ — ہوا کچھ اور بھی اب چاق اور چوبند ابوشیبہ
ادھر کافر کا پنجہ قبضۂ شمیر پر آیا — ادھر دست مسلمان خامۂ تقدیر پر آیا
ادھر بھی تیغ لنگر دار باہر میان سے نکلی — ادھر بھی ایک چھوٹی سی پری زندان سے نکلی
ادھر گویا دہانِ غار سے اک اژدہا نکلا — ادھر روشن ہوئی دنیا کہ موسیٰ کا عصا نکلا
پڑا اب سایۂ شمشیر دامن دار حمزہ پر — ابوشیبہ نے قوت سے کیا اک وار حمزہ پر
اٹھا کے تیغ حمزہ نے بھی گانٹھی تیغ دشمن سے — صدا سب نے سنی آہن کے ٹکرانے کی آہن سے
اچانک دست چابکدست نے ہلکی سی دی تھپکی — وہ لشکر دیکھتے تھے دھوپ میں اک کوندنی لپکی
جھکایا ہاتھ کو پھرتی سے اک ٹھوکا دیا ہٹ کر — زمیں پر جا گرا تیغ ابوشیبہ کا پھل کٹ کر
شکست تیغ سے کافر کے منہ پر چھا گئی زردی — لگی راہ فرار اب ڈھونڈنے اس کی جوانمردی
برابر کی لڑائی کا نہ پایا جب کوئی یارا — شکستہ تیغ کا قبضہ سر حمزہ پر دے مارا
جناب حمزہ کا روئے مبارک اک طرف سرکا — اور اس کے ساتھ ہی نعرہ ہوا اللہ اکبر کا
زمین و آسماں پر ایک ہیبت ہوگئی طاری — ادھر نوری بڑھا آگے ادھر سے ہٹنے لگا ناری



## ابوشیبہ کے امدادی

ابوشیبہ کے بچنے کا نہ دیکھا جب کوئی رستہ — پئے امداد ابوسفیاں نے بھیجا فوج کا دستہ
بڑھا اس کی مدد کو ایک بازوئے صف لشکر — ابوشیبہ ہٹا پچھلے قدم سوئے صف لشکر
ادھر انبوہ بڑھتا آ رہا تھا گھیرنے والا — ادھر تنہا کھڑا تھا فوج کا منہ پھیرنے والا

## ابوشیبہ کا قتل

کیا حمزہ نے پھر اک نعرۂ شیرانہ میداں میں — بڑھے آگے دکھائی ہمت مردانہ میداں میں
ابوشیبہ ابھی تک قرب لشکر میں نہ تھا پہنچا — کہ لے کر موت کا پیغام عزرائیل آ پہنچا
کہا اے نوجواں اک پند پیرانہ تو لیتا جا — جہنم کی طرف جاتا ہے پروانہ تو لیتا جا
ابوشیبہ رکا امداد ملنے کے بھروسے پر — جمائے پھر قدم اس نے نکالا ڈاب سے خنجر
پہنچ جائیں گے امدادی بڑی امید تھی اس کو — مگر حمزہ کی تیغ تیز نے مہلت نہ دی اس کو
گری شمشیر پر تنویر ابوشیبہ کے مغفر پر — یہ مغفر کٹ گیا اپنی مصیبت ٹال دی سر پر
پڑی سر پر تو سر نے بھی بتائی راہ گردن کی — اسے دیکھا تو گردن نے بھی کھڑکی کھول دی تن کی
سر و گردن سے کیا لینا تھا اس تیغ ہلالی کو — کہ یہ تو آئی تھی قلب و جگر کی دیکھ بھالی کو
بڑی خوبی سے اس نے سر کو توڑا حلق کو چیرا — کٹا سینہ ترشتا ہے چھری سے جس طرح کھیرا
یہ قطع راہ کر کے سینہ پر کینہ میں آئی — کلیجے پر نظر کی اور ناپی دل کی گہرائی
جو صورت چاہ میں چاہی وہ خاطر خواہ پیدا کی — گھری ظلمت کدے میں آپ اپنی راہ پیدا کی
زرہ بکتر کی ہر الجھن کو سلجھا کر نکل آئی — بزیر ناف سیدھا راستہ پا کر نکل آئی
دکھایا عدل اس نے سامنے ہر دوست دشمن کے — صفائی سے برابر کے دو ٹکرے کر دیئے تن کے

## حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر مقتول کے امدادیوں کا حملہ

اٹھا تھا زعم یکتائی میں جو عقل و خرد کھو کر — پڑا تھا خاک پر وہ منکر توحید دو ہو کر

نہ ہونے پایا تھا بدبخت کا لاشہ ابھی ٹھنڈا     تڑپتے تھے ادھر ٹکڑے ادھر تھا سرنگوں جھنڈا
کہ یورش کرکے پہنچے دس سپاہی فوج دشمن کے     مقابل ہوگئے روباہ مرد شیر افگن کے
یہ قرب فوج دشمن تھا اکیلے تھے یہاں حمزہ     غضنفر تھے مگر ان بکریوں کے درمیاں حمزہ
دکھا دی لشکروں کو شان فن جنگ حمزہ نے     کہ جس پر ہاتھ مارا کر دیا چورنگ حمزہ نے
وہ کھیلے جنگ کی بازی اکیلے اس جماعت میں     گرادیں سات نامردوں کی لاشیں ایک ساعت میں
جو باقی تھے انہیں بھی دھرلیا اب تیغ کے آگے     یہ عالم دیکھ کر تینوں کے تینوں چیخ کر بھاگے

## احد میں پہلی جنگ مغلوبہ

یہ فرما کر بڑھایا فوج کو محبوب داور نے     کیا اقدام میداں ہر مجاہد ہر دلاور نے
وہاں حمزہ پہ نرغہ ہوگیا تھا فوج اعداء کا     تھپڑا سہ رہا ہے شیر حق ہر موج دریا کا
اٹھا اک نعرہ تکبیر میدان شہادت میں     بڑھی فوج مسلماں اپنے ہادی کی قیادت میں
ادھر سے جھوم کر برسے قریشی فوج کے بادل     احد کی سرزمیں پر چھا گیا تھا اک ٹڈی دل
کمال شان ایماں دیدنی تھی اس نظارے کی     کہ حمزہ غوطہ زن تھے عین اس قلزم کے دھارے میں

جدھر اٹھتا تھا پائے حمزہ دشمن ہٹتے جاتے تھے
ابھرتا تھا جہاں خورشید بادل چھٹتے جاتے تھے

## حضرت حمزہ کا جلال

جلال حضرت حمزہ مثال مہر تاباں تھا     شہادت گاہ ان کی راہ میں گویا خیاباں تھا
سر دشمن جدھر اللہ کا یہ شیر بڑھتا تھا     الٹتی تھیں صفیں کوئی بھی ان کے منہ نہ چڑھتا تھا
جہاں غالب نظر آتا تھا انبوہ قریش ان کو     بپھر کر اس پر جا پڑتے تھے آجاتا تھا طیش ان کو
حرارت اور بڑھ جاتی تھی ان کی التہاب آسا     چمکتے تھے شہاب آسا جھپٹتے تھے عقاب آسا
قدم جس سمت بڑھتے تھے انہی کے ہاتھ میداں تھا     نظر میں طیش پاکر جیش جیش ان سے گریزاں تھا



نماز صبح سے اک رنگ تھا اس مرد غازی کا     یہ قرب ظہر تھا وقت آچکا تھا اب نمازی کا

## وحشی حربہ پھینکتا ہے

شہادت تھی نڈر مکاری و روباہ بازی سے     چلے جاتے تھے حمزہ اک ادائے بے نیازی سے
غلام کم نظر نے شست باندھی اس یگانے کی     کہ جس کی قہرمانی جان تھی سارے زمانے کی
نہ دینی دشمنی تھی اور نہ دنیاوی خصومت تھی     نہ جھگڑا جاہ وثروت کا نہ خطرے میں حکومت تھی
فقط انعام میں کچھ سکہ ہائے زر کے وعدے پر     فقط بہر شکم کچھ لقمہ ہائے تر کے وعدے پر
غلام تیرہ رونے کی اسی پر مشق صیادی     جسے مدنظر تھی ان غلاموں ہی کی آزادی
ہلائی اور تولی ہاتھ میں چالاک نے برچھی     نشانہ کرکے پھینکی دور سے ناپاک نے برچھی
تھی مشہور زمانہ زنگیوں کی حربہ اندازی     نشانہ ناگہانہ بن گیا اللہ کا غازی

رضائے حق میں یہی تھی جو قضا کی مُشت سے نکلی
یہ برچھی ناف کے نیچے لگی اور پشت سے نکلی

## حمزہؓ وحشی کا تعاقب کرتے ہیں

خدا و مصطفیٰ کے شیر پر یہ ضرب تھی کاری     اگرچہ زخم کاری تھا مگر ہمت نہیں ہاری
اڑے بر پرواز جاں کے ساتھ حمزہ جانب دشمن     شغال آمادۂ رم ہوگیا جھپٹا جو شر افگن
کمینے کی کمیں گر دیکھ لی تھی مرد غازی نے     کیا وحشی کا پیچھا دوڑ کر شیر حجازی نے
ادھر وحشی بھی اپنی موت آتی دیکھ کر بھاگا     بدن میں رعشہ تھا بھاگا نہ جاتا تھا مگر بھاگا

## حمزہؓ کی شہادت

گڑھے کھودے گئے تھے جو گزشتہ رات میداں میں     اجل بیٹھی تھی ان میں اب لگا کر گھات میداں میں
مڑا اک موڑ پر وحشی تو ساتھ اس کے پھرے حمزہ     قدم پھسلا اچانک اک گڑھے میں جا گرے حمزہ
عقاب روح پہلے ہی سے تھا پرواز آمادہ     اڑا سوئے فلک اب چھوڑ کر یہ جسم افتادہ

یہ جنگ و حرب و ضرب و جراحت اک بہانہ تھا  حقیقت میں نشانِ حق زمانے کو دکھانا تھا
بتانا تھا کرشمہ عاشقوں کے فوق عادت کا  جمانا تھا دلوں پر نقش اس حسنِ شہادت کا
زمیں سے آسمان تک، ایک نورانی غبار اٹھا  فرشتہ لے کے جانِ بندہ پروردگار اٹھا
زمیں پر رہ گیا باقی فقط اک خوں چکاں لاشہ  فروغِ زخم بے حد سے بہارِ بے خزاں لاشہ

## وحشی چھری لے کر کلیجہ نکالتا ہے

تعاقب میں نہ پایا حمزہ کو ناپاک زنگی نے  یقیں آیا کہ رحلت کی جہاں سے مردِ جنگی نے
وہ پلٹا ڈرتے ڈرتے غارِ مہلک کے قریب آیا  تو رشکِ آسماں کو خاک پر سویا ہوا پایا
رخِ انور پہ وہ ریش سفید و شاندار اس کی  شہادت سے نمایاں اور شان باوقار اس کی
ڈرا وحشی کہ پھر کیا ہو اگر یہ شیر جاگ اٹھے؟  ارادہ تھا ذرا جنبش نظر آئے تو بھاگ اٹھے
اٹھا کر کنکری اس سنگ دل نے شیر پر ماری  رہی لیکن شہید کامراں پر بے خودی طاری
یہ دیکھا تو دلِ وحشی کو اک گونہ قرار آیا  چھری لے کر قریب نعش اب یہ نابکار آیا

گڑھے کے اندر اترا اب نہ کی قطع نظر اس نے
شکم چیرا نکالا مردِ مومن کا جگر اس نے

## ہند کیلئے ہدیہ

اب اس کرتوت کا انعام لینے کو چلا ناداں  متاعِ بے بہا کا دام لینے کو چلا ناداں
یہ قاتل تھا مگر اکسانے والی ہند تھی اس کی  ابوسفیان کی زوجہ اصل میں خاوند تھی اس کی
قریب ہند آیا کارنامہ اپنا بتلایا  جگر حمزہ کا دکھلایا پھر اپنا حق بھی جتلایا
یہ مژدہ سن کے شیطانی مسرت ہند پر چھائی  خوشی میں دیونی کی طرح جھومی اور لہرائی
عجب دیوانگی سی چھائی تھی اب اس قسائن پر  تعجب تھا دلِ وحشی کو بھی اس کے قرآئن پر
اہاہا کہتی جاتی منہ بناتی جا رہی تھی یہ  جگر حمزہ کا دانتوں سے چباتی جا رہی تھی یہ
جگر تھا اس کے منہ میں خون باچھوں سے ٹپکتا تھا  کھڑا تھا پاس وحشی اور منہ حیرت سے تکتا تھا



نہ اترا حلق کے اندر گلے میں یہ جگر اٹکا  بالآخر اس نے اگلا اور زمیں پر اس کو دے پٹکا
مری بھی نسل ہو ایسی یہ اس کا شوق بے جا تھا  نگلنا اس کو مشکل تھا یہ حمزہ کا کلیجہ تھا
ہوا ہند جگر خوار آج سے مشہور نام اس کا  مگر اترا نہ اس پر بھی جنونِ انتقام اس کا
پکاری واقعی تو نے کیا وحشی یہ کام آخر  ملا مجھ کو پسر کا اور پدر کا انتقام آخر
ہوا برباد اسی حمزہ کے ہاتھوں سے مرا میکا  سوائے قتل حمزہ دل نہیں طالب کسی شے کا
کہاں ہے نعش حمزہ کی نشاں اس کا بتا وحشی  میں آنکھوں سے اسے دیکھوں مجھے چل کر بتا وحشی
چلا وحشی اگرچہ اس کا جی ہامی نہ بھرتا تھا  یہ وحشی تھا مگر اب ہند کی وحشت سے ڈرتا تھا

کسی صورت تو آخر ٹالنی تھی یہ بلا اس کو
شہادت گاہ کا منظر دکھانے لے چلا اس کو

## ہند جسدِ حمزہؓ پر

دکھایا جا کے خطہ اس زمین آسمانی کا  جسد جس جا پڑا تھا اک حیاتِ جاودانی کا
پڑا تھا وہ جسد آغشتہ خون و خاک کے اندر  کہ جس کے دبدبے کی دھاک تھی افلاک کے اندر
وہی شیرانہ صورت تھی وہی مردانہ چہرہ تھا  شعاعیں مہر کی بکھری تھیں یا دولہا کا سہرا تھا
ہوا حسن شہادت ہند کی آنکھوں پر آئینہ  کدورت اور چمکی اور بھڑکی آتش کینہ
شقاوت نے جو دیکھی یہ جلالت مہر تاباں کی  بگاڑی کافرہ نے شکل اس مرد مسلماں کی

## ہند کے گلے کا ہار

نہیں بھایا شہیدانِ وفا کا رتبۂ عالی  چھری سے گوش کاٹے اور بینی قطع کر ڈالی
لیا سینے سے دل سینے میں دل بھی مردہ تھا اس کا  نکالے پیٹ سے گردے عجب دل گردہ تھا اسکا
حیا کترا گئی دیکھا جو یہ کار سفیہانہ  کہ عورت نے کاٹے مرد کے اعضائے مردانہ
یہ اعضاء ایک رشتہ میں پروئے موبمو اس نے  بنایا ہار ان کو کرلیا زیب گلو اس نے

Scanned with CamScanner

## نبی ﷺ کی پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا میت حمزہ رضی اللہ عنہ پر

ہوا حمزہ کی میت پر گزر شان رسالت کا ۔۔۔ تاثر دیدنی تھا مہر تاباں کی جلالت کا
صفیہ بنت عبدالمطلب ہمشیرہ حمزہ کی ۔۔۔ بہت تھی جن کے دل میں الفت وتوقیر حمزہ کی
یہاں تشریف لائیں اپنے بھائی کی زیارت کو ۔۔۔ خدا کے اور ملت کے فدائی کی زیارت کو
زبیر ابن العوام کے پسر تھے پاس حضرت کے ۔۔۔ ہوئے ان پر ہویدا اس گھڑی احساس حضرت کے
کہا روکو میری پھوپھی کو میت پر نہ آنے دو ۔۔۔ دل زخمی کو ان کے یہ نیا چرکا نہ کھانے دو
الم انگیز ہے قطع و برید چہرۂ حمزہ ۔۔۔ بہن کو رنج دے شاید یہ دید چہرۂ حمزہ
پسر نے جاکے مادر کو مگر جس وقت سمجھایا ۔۔۔ تو قلب مسلمہ ہر حال میں صبر آشنا پایا
گئیں وہ میت حمزہ پہ روئیں اور نہ چلائیں ۔۔۔ نظر چہرے پہ ڈالی فاتحہ پڑھ کر چلی آئیں

مسلمانو! یہ امت تھی رضا پر کس قدر راضی
بناؤ درس حال اس کو نہ سمجھو قصۂ ماضی

(کاوش: عاشق زار حضرت امیر حمزہ، قاری اصغر نورانی)

## حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی کرامات:

سیدنا حمزہ عم مصطفےٰ رضی اللہ عنہ کی ایک کرامت امام حاکم نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان فرمائی ہے کہ جب آپ کی شہادت ہوئی تو آپ حالت جنابت میں تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، میں نے دیکھا کہ فرشتے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو غسل دے رہے ہیں۔ علامہ ابن سعد نے حضرت حسن سے روایت بیان فرمائی ہے کہ سیدِ کل ﷺ نے فرمایا، میں نے دیکھا فرشتے حضرت حمزہ کو غسل دے رہے تھے۔

## سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے سلام کا جواب دیا:

امام بیہقی نے بسند واقدی حضرت فاطمہ خزاعیہ سے روایت کیا ہے کہ میں قبر حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لیے گئی اور عرض کیا، اسے رسول خدا کے عم محترم! آپ پر سلام ہو،



انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ میں نے یہ کلمات سنے۔ میں نے عارف باللہ شیخ محمود کردی شیخانی نزیل مدینہ منورہ کی کتاب الباقیات الصالحات میں لکھا دیکھا ہے کہ انہوں نے سیدّ نا حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر شریف کی زیارت کی جب قبر اقدس پر کھڑے ہو کر سلام عرض کیا تو انہوں نے صحیح انداز سے سنا کہ قبر سے سلام کا جواب ملا ہے اور ساتھ ہی حکم ملا ہے کہ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام حمزہ رکھا جائے۔ فرماتے ہیں سچ مچ لڑکا ہی پیدا ہوا اور میں نے اس کا نام حمزہ ہی رکھا۔ انہوں نے اسی کتاب میں یہ بھی ذکر فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ اقدس کے مواجہۂ شریف میں کھڑے ہو کر انہوں نے حضور اقدس کی خدمت میں سلام عرض کیا تو حضور نے انہیں بھی سلام کا جواب مرحمت فرمایا۔ انہوں نے بھی اپنے کانوں سے پوری طرح سنا۔

## حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے حضرت شیخ احمد کی مدد فرمائی:

سید جعفر بن حسن برزنجی نے اپنی کتاب جالیۃ الکرب باصحاب سید العجم والعرب ﷺ میں تحریر فرمایا ہے (اس کتاب میں ان صحابہ سے استغاثہ ہے جو بدر و اُحد میں شریک جہاد تھے اور ان کی کرامات وعظمت کا تذکرہ ہے) علامہ حموی نے اپنی کتاب نتائج الارتحال والسفر فی اخبار اہل القرن الحادی عشر میں جامع شریعت وحقیقت شیخ احمد بن محمد میاطی المعروف ابن عبدالغنی البناً متوفی مدینہ طیبہ ماہ محرم ۱۱۱۶ھ سے روایت کی ہے۔ حضرت شیخ احمد نے فرمایا: میں نے اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ ایک قحط زدہ سال میں مصر سے خریدے گئے دو اونٹوں پر سوار ہو کر سفر حج اختیار کیا۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ میں شرف حضوری چاہتے تھے کہ اونٹ مدینہ پہنچ کر مر گئے۔ ہم خالی جیب ہو چکے تھے۔ نہ اونٹ خرید سکتے تھے اور نہ ہی کرائے پر سواری لینے کے قابل رہے تھے۔ میں اس تنگ دستی میں حضرت شیخ صفی الدین قشاشی قدس سرہ، کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں ساری کیفیت عرض کر دی انہیں یہ بھی بتایا کہ کشائش تک مدینہ طیبہ میں ہی ٹھہر جانا چاہتا ہوں وہ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمانے لگے: آپ ابھی سیدنا حمزہ عم

مصطفیٰ ﷺ کی قبرانور پر حاضری دیں۔ جتنا ہو سکے قرآن پڑھیں اور پھر اوّل سے آخر تک انہیں اپنا حال سنائیں۔ میں نے تعمیل ارشاد کی اور چاشت کے وقت ہی آپ کے مزار اطہر پر حاضری دی اور شیخ گرامی کے حکم کے مطابق قرآن حکیم پڑھ کر اپنا حال سنا ڈالا۔ ظہر سے پہلے واپس ہوا باب الرحمتہ کے پاس طہارت خانہ میں وضو کر کے مسجد شریف میں داخل ہوا تو وہاں والدہ محترمہ فرمانے لگیں ابھی تمہیں ایک آدمی پوچھ رہا تھا۔ ان سے میں نے عرض کیا وہ کہاں ہے؟ کہنے لگیں حرم نبوی کے پیچھے چلے جاؤ۔ میں ادھر چلا گیا۔ وہ صاحب سامنے آ گئے۔ پُر ہیبت شخصیت اور سفید داڑھی والے انسان تھے۔ مجھے فرمانے لگے: شیخ احمد مرحبا! میں نے ان کے ہاتھ چوم لیے۔ مجھے فرمانے لگے مصر چلے جائیں، میں نے عرض کیا آقا! کس کے ساتھ چلوں؟ فرمانے لگے چلئے میں کسی آدمی کے ساتھ آپ کے کرائے کی بات کر دیتا ہوں۔ میں آپ کے ساتھ چل پڑا وہ مجھے مدینہ طیبہ میں مصری حاجیوں کے کیمپ تک لے گئے وہ کچھ مصریوں کے خیمے میں تشریف لے چلے اور میں بھی ان کے ساتھ خیمے میں داخل ہو گیا۔ انہوں نے جب خیمے کے مالک کو سلام کہا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا آپ کے ہاتھ چومے اور بے حد تعظیم کی۔ آپ نے فرمایا: او میرے چہیتے! شیخ احمد اور ان کی والدہ کو مصر لے چلنا! اس سال بہت زیادہ اونٹ مر گئے تھے اونٹوں کی قلت تھی اور کرایہ بہت زیادہ تھا۔ اس مصری نے آپ کا حکم مان لیا۔ آپ نے فرمایا: کتنے پیسے لے گا؟ اس نے عرض کیا: جتنے آپ کی مرضی ہو گی۔ آپ نے فرمایا: اتنے اور اتنے لے لینا۔ اس نے بات مان لی۔ آپ نے اپنے پاس سے کرائے کا زیادہ حصہ ادا کر دیا۔ مجھے فرمانے لگے: شیخ احمد! اپنی والدہ اور سامان کو یہاں لے آئیں۔ مَیں وہاں سے اٹھا اور وہ وہاں ہی تشریف فرما رہے۔ مَیں والدہ ماجدہ اور سامان کے ساتھ واپس آیا۔ اس مصری کو فرمانے لگے کہ مصر پہنچ کر یہ باقی کرایہ تجھے دے دیں گے۔ مصری نے یہ بات مان لی۔ آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھی اور اسے میرے ساتھ اچھائی سے پیش آنے کی وصیت کی۔ اٹھ کھڑے ہوئے۔ مَیں بھی آپ کے ساتھ چل پڑا۔ جب ہم مسجد شریف پہنچے۔ فرمانے لگے: تو مُجھ سے پہلے اندر



چلا جا۔ سو مَیں مسجد میں داخل ہوا نماز کا وقت ہو گیا۔ لیکن انتظار کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہ نظر نہ آئے، مَیں نے بار بار ان کو تلاش کیا مگر نہ ملے۔ مَیں اس آدمی کے پاس آیا جسے کرایہ دے کر مجھے چھوڑ گئے تھے، مَیں نے اس سے آپ کے اور آپ کی جگہ کے بارے میں دریافت کیا؟ وہ کہنے لگا میں تو انہیں نہیں پہچانتا اور آج سے پہلے انہیں دیکھا بھی نہیں تھا۔ جب وہ تشریف لائے تو مجھ پر ایسا خوف اور اتنی ہیبت طاری ہوئی جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ میں واپس آ گیا۔ بہت تلاش کیا۔ لیکن وہ نہ مل سکے۔ میں حضرت شیخ صفی الدین احمد قشاشی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو ساری بات بتائی۔ فرمانے لگے، سیّدنا حمزہ بن عبدالمطلب کی روحِ پاک تھی۔ جو جسمانی شکل میں سامنے آئی تھی۔ پھر میں اس آدمی کے پاس چلا آیا، جس کے ساتھ مصر جانا تھا اور باقی حاجیوں کے ساتھ مصر روانہ ہو گیا۔ اس نے دوران سفر محبت و اکرام اور حسن خلق کا ایسا مظاہرہ کیا۔ جس کا اس جیسے لوگ سفر و حضر میں نہیں کیا کرتے۔ یہ سب کچھ حضرت حمزہؓ کی برکت تھی۔ اللہ ان کے وسیلے سے ہمیں نفع اندوز فرمائے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ یہاں حضرت حموی کی کتاب نتائج کی عبارت ختم ہوئی۔

## حضرت حمزہؓ نے زائرین کی حفاظت فرمائی:

علامہ برزنجی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کی ایک کرامت شیخ محمد بن عبداللطیف تھتام مالکی مدنی سے روایت کی ہے کہ میرے والد صاحب نے فرمایا کہ حضرت شیخ سعید بن قطب ربانی ابراہیم کردی سیّد الشہداء عم مصطفیٰ ﷺ کی قبر کی زیارت کیلئے بارہ رجب سے پہلے ہی تشریف لے گئے۔ حالانکہ مدینہ والے وہاں بارہ رجب کو جایا کرتے ہیں۔ حضرت سعید بکثرت آپ کی زیارت کو جاتے اور پھر بارہ رجب تک وہیں ٹھہرے رہتے۔ میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ ہم بھی ایک سال آپ کے ساتھ گئے اور دیوان مسعود میں بیٹھ گئے۔ جب رات نے اپنے پردے لٹکا دیئے اور سب ساتھی سو گئے تو میں بطور چوکیدار بیٹھ گیا۔ میں نے ایک شاہسوار دیکھا جو وہاں کئی دفعہ

چکر لگانے لگا۔ میں سستی کی وجہ سے نہیں اٹھا۔ میں جی میں کہنے لگا۔ اس وقت تک پڑے رہو گے کہ یہ سر چڑھ آئے گا۔ میں اٹھا اور کہا سوار تو کون ہے؟ سوار بولا تو نے پوچھنے کی جرأت کیوں کی؟ تو میری پناہ میں اترا ہے اور خود بیدار ہو کر اور چوکیداری کر کے مجھے تکلیف دے رہا ہے۔ میں تو خود تمہاری حفاظت کر رہا ہوں۔ میں حمزہ بن عبد المطلب ہوں۔ یہ کہہ کر میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ رضی اللہ عنہم وعن الصحابۃ اجمعین۔

آئے اور وہ دل میں سما کر چلے گئے     خوابیدہ قوتوں کو جگا کر چلے گئے

(جامع کرامات اولیاء: علامہ یوسف نبہانی علیہ الرحمۃ صفحہ ۳۸۸، ۳۹۳)

## حضرت امیر حمزہ ؓ کے اخلاق کریمانہ:

حضرت امیر حمزہ ؓ کے اخلاق کریمانہ، اطوار سپاہیانہ، اندازِ بے باکانہ اور خصائلِ مردانہ نہایت نمایاں ہیں۔ شجاعت، جان بازی اور بہادری آپ کے مخصوص اوصاف تھے۔ مزاج قدرتاً تیز و تند تھا۔

آپ ؓ کے محاسن و تعریف میں آنحضرت ﷺ کے یہ ارشادات ہی کافی ہیں جو حضور ﷺ نے آپ ؓ کی لاش کو مخاطب کر کے فرمائے تھے کہ تم پر اللہ کی رحمت ہو تم ایسے تھے کہ معلوم نہیں ایسا صلہ رحمی کرنے والا اور خیرات دینے والا کوئی اور ہو۔

(سیر الصحابہ بحوالہ طبقات ابن سعد)

## ازواج واولاد:

حضرت امیر حمزہ ؓ نے متعدد شادیاں کیں اور ہر ایک زوجہ کے بطن سے اولاد ہوئی۔ ایک بیوی کا نام بنت الملہ بن مالک بن عبار تھا جو قبیلہ اوس سے تھیں۔ ان کے بطن سے یعلی اور عامر دو صاحبزادے تھے۔ یعلی کی وجہ سے آپ ؓ کی کنیت ابو یعلی تھی۔

عامر لاولد فوت ہو گئے۔ یعلی سے چند اولادیں ہوئیں جو بچپن میں ہی انتقال کر گئیں۔ دوسری بیوی کا نام خولہ بنت قیس تھا جن کے بطن سے عمارہ پیدا ہوئے جن کی وجہ سے سیدنا امیر حمزہ ؓ کی کنیت ابو عمارہ تھی۔



تیسری بیوی کا نام سلمٰی بنت عمیس تھا جن کے بطن سے امامہ بنت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئیں۔ یہ وہی امامہ ہیں کہ حدیبیہ کے اگلے سال مکۃ المکرمہ میں جن کی پرورش کے بارے حضرت علی، حضرت جعفر، اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ہر ایک نے جھگڑا کیا اور ہر ایک نے یہ چاہا کہ بچی اس کے پاس رہے، حضور ﷺ نے بچی کو حضرت جعفر کے حوالے فرمایا کیونکہ بچی کی خالہ اسماء بنت عمیس حضرت جعفر کے نکاح میں تھیں اور فرمایا الخالۃ بمنزلۃ الام. خالہ ماں ہی کی جگہ ہوتی ہے اور حضرت علی اور حضرت زید کو بہت خوبصورت کلمات سے نواز کر خوش فرما دیا۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ کو فرمایا انت منی وانا منک. تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ حضرت زید کو فرمایا انت اخونا ومولانا. تو ہمارا بھائی اور دوست ہے۔ اور حضرت جعفر کو بھی شاندار جملے سے نوازتے ہوئے فرمایا (اشبھت خلقی و خلقی.) تُو تو صورت و سیرت میں ہماری طرح ہے (سبحان اللہ: کہاں اہلِ عرب اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے اور کہاں دوسرے کی بچی کے ساتھ اتنی شفقت)۔

کس نے ذروں کو اُٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا

(بخاری ج ۲ ص ۲۱۰، طبقات ابن سعد)

## حضور علیہ السلام شہدائے احد کے مزارات پر:

نبی کریم ﷺ ہر سال شہدائے احد کے مزارات پر تشریف لے جاتے اور ان الفاظ سے ان پر سلام بھیجتے اور ان کے لیے دعا فرماتے السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار. تم پر سلامتی ہو بدلہ اس کا جو تم نے صبر کیا اور آخرت کا گھر کتنا اچھا ہے۔

حضور علیہ السلام کے بعد حضرت ابو بکر صدیق ؓ اور پھر حضرت عمر فاروق ؓ کا بھی یہی معمول رہا۔ ایک دن حضور علیہ السلام نے شہدائے احد کے لیے اس طرح

Scanned with CamScanner

دعا فرمائی "اے اللہ تیرا رسول اس بات پر گواہ ہے کہ ان لوگوں نے تیری رضا کی خاطر اپنی جانیں قربان کی ہیں، اور آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، تا قیامت جو مسلمان بھی ان شہیدوں کی قبروں کی زیارت کے لیے آئے گا اور ان کو سلام کہے گا تو یہ اس کو جواب سے نوازیں گے۔ (مدارج النبوت)

واقدی کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر سال زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے جب وادی احد کے قریب جاتے تو فرماتے: **سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار.** پھر حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت عمر ؓ اور عثمان غنی ؓ بھی ہر سال زیارت کرتے نیز حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا بھی زیارت کے لیے جاتیں اور ان کے لیے دعا کرتیں۔ حضرت سعد ؓ سلام کہہ کر اپنے رفقاء کو مخاطب کر کے کہتے تم ان شہداء کو سلام کیوں نہیں کہتے جو سلام کا جوب دیتے ہیں۔ پھر واقدی نے حضرت ابو سعید، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ام سلمہ رضوان اللہ علیہم سے بھی ان کی زیارت کرنے کا ذکر کیا ہے۔ (ابن ہشام)

## سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی حاضری:

سیدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا سیدنا امیر حمزہ ؓ کی قبر پر جمعہ کو آتیں وہاں آنسو بہاتیں اور نمازیں پڑھتیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ معمول آپ کے وصال تک رہا۔ (خلاصہ)

## سیدنا امیر معاویہ ؓ کی حاضری:

ا۔ سیدنا امیر معاویہ ؓ نے فرمایا کہ ایک روز میں صحرائے احد میں سے گزرا تو میں نے کہا:

**السلام علیکم یا عم رسول الله!**

تو میں نے خود اپنے کانوں سے یہ آواز سنی: **علیک السلام ورحمة الله وبرکاته.** اسی طرح حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ میری خالہ نے مجھے بتایا کہ وہ شہدائے احد کی زیارت کو گئیں، ان کو سلام کیا تو سلام کا جواب سنا اور ساتھ یہ آواز بھی سنی اللہ کی



قسم! ہم تمہیں ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسے ایک دوسرے کو۔

عمر بن علی ؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد مجھے جمعہ کے دن احد کی زیارت کیلئے لے گئے اور وہاں جا کر انہوں نے بلند آواز سے کہا **السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار.** تو جواب آیا کہ **وعلیکم السلام یا عبدالله!**

میرے والد نے مجھ سے پوچھا! یہ وعلیکم السلام عبداللہ تو نے کہا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں میں نے تو نہیں کہا۔ پھر انہوں نے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا اور السلام علیکم کہا پھر سلام کا جواب ملا تو میرے والد سجدے میں گر گئے اور اس نعمت کے ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔ (خلاصہ الوفاء)

## جسم تروتازہ:

حضرت امیر معاویہ ؓ کے دور میں نہر کی کھدائی کا کام شروع ہوا اور نہر شہدائے احد کے مزارات کے قریب سے گزرنا تھی ایک کدال حضرت امیر حمزہ کے پاؤں مبارک پر لگی اور اسی وقت خون جاری ہوگیا۔ (مدارج، ابن ہشام)

حضرت ابی جعفر روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیدنا امیر حمزہ ؓ کی قبر شریف کی مرمت اور درستگی بھی فرمایا کرتیں۔ (خلاصہ)

## آپ کے مزار شریف کی خاک:

حرم کی مٹی لے جانے کی کراہت سے امیر حمزہ ؓ کے مزار کی مٹی کو مستثنیٰ سمجھا جائے۔ یاد رہے کہ مٹی آپ کی شہادت گاہ کے ہالے سے اٹھائی جاتی ہے جو تمام علماء مشائخ وغیرہم سر درد کے علاج کے لیے اٹھاتے ہیں۔ (خلاصۃ الوفا)

آپ نے گزشتہ صفحات میں پڑھا کہ خواجہ کائنات ﷺ، سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی، حضرت سعد، حضرت امیر معاویہ، حضرت ابو سعید، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ام سلمہ، سیدہ فاطمہ الزہرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) مزارات شہداء احد کی زیارت کو تشریف لے جاتے۔ ان نفوس قدسیہ کے بعد آج تک ہزار

Scanned with CamScanner

ہا تابعین تبع تابعین بزرگان دین، اولیاء، علماء، صلحاءؒ، عامۃ المسلمین زیارت کرتے رہے اور سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب سیدنا امیر حمزہ ؓ کی قبر پر تشریف لاتیں تو نوافل بھی ادا فرماتیں اور قبر شریف کی مرمت بھی فرماتیں۔

(خلاصۃ الوفاء للسمہودی)

لیکن صد افسوس سعودی حکومت کی سنگ دلی پر کہ حضرت امیر حمزہ ؓ کے مزار پر انوار پر ایک قبہ بھی نہ برداشت کر سکی۔ بلکہ افسوس در افسوس کہ جنت المعلیٰ اور جنت البقیع میں موجود ساٹھ ہزار صحابہ کرام، اہل بیت اطہار اور امہات المؤمنین کے مزارات پہ بلڈوزر چلا کر مزارات کو شہید کر دیا گیا۔ عاشقان مصطفیٰ جب ان مقدس مزارات کی حالت دیکھتے ہیں تو ان کے دل پہ جو گزرتی ہے وہ تو گزرتی ہی ہے، ان سنگدلوں کے ہم نوالہ و ہم پیالہ بھی مزارات کی حالت دیکھ کر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتے چنانچہ شورش کاشمیری جیسا شخص لکھتا ہے کہ ان (سعودی حکمرانوں) کو اس بات کا ذرہ برابر احساس نہ ہوا کہ اس مٹی میں کون سو رہے ہیں۔ رسول مقبول علیہ السلام کے جگر کے ٹکڑے اور آپ کے نور نظر ہیں۔ آپ کے چچا اور چچا کے بیٹے ہیں امت کی مائیں ہیں، جنت کی شہزادیاں ہیں، امام ہیں، ذوالنورین ہیں، شہداء ہیں، اولیاء ہیں، فقہا ہیں، علماء ہیں، حکماء ہیں، حلیمہ سعدیہ ہیں لیکن عرب ہیں کہ قبریں ڈھائے جا رہے ہیں اور محل بنائے جا رہے ہیں۔ (شب جائے کہ من بودم)

## آنسو نہیں رکتے

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار کی حالت دیکھ کر شورش کاشمیری لکھتے ہیں۔ میں نے قبر سے ٹکٹی باندھ رکھی تھی میں کہہ رہا تھا۔ فاطمہ سلام علیہا تو اب بھی کربلا ہی میں ہے۔ تیرے باپ کا کلمہ پڑھنے والوں نے تجھے اب تک ستایا ہے تیری کہانی زخموں کی کہانی ہے تو نے کعبۃ اللہ میں باپ کے زخم دھوئے کربلا میں تیری اولاد نے زخم کھائے کوفہ میں تیرا شوہر امت کے زخم کھا کے واصل حق ہو گیا تیرے ابا



کی امت تیری اولاد کو قبروں میں بھی ستا رہی ہے۔

پورا عرب تیری اولاد کی قتل گاہ ہے۔ تیرے ابا نے کہا تھا۔ فاطمہ میری رحلت کے بعد جو مجھے سب سے پہلے ملے گا وہ تو ہو گی تو ان کے پاس چلی گئی لیکن محمد ﷺ کا گھرانہ اب بھی کربلا میں پڑا ہے جو لشکر و سپاہ اور تاج و کلاہ ان کی تلواروں سے بچ گئے تھے۔ ان کی قبریں قتل کر دی گئی ہیں۔ اپنی قبر کے قتل پر مجھے رونے دے تو اس قبر میں ہے اور میں تیرے سامنے زندہ ہوں۔ مجھے اپنی زندگی فعل عبث محسوس ہو رہی ہے۔ تیرے مرقد کے ذرے تمام کائنات کے مرادید سے افضل ہیں۔ ان میں مہر و ماہ سے بڑھ کر درخشانی ہے لیکن زمانے نے آنکھیں پھیر لی ہیں اور اس کا شیشہ دل حمیت غیرت سے خالی ہو گیا ہے۔ (صفحہ ۱۲۲ تا ۱۲۵)

(صفحہ ۱۷۲ پر لکھتے ہیں)

کیا عشق کا نام عربوں کی لغت میں شرک ہے؟ یا ان کے ہاں سرے سے یہ لفظ ہی موجود نہیں۔ ان کے دل ابھی تک بنو امیہ میں ہیں، عربی سے واقف ہوتا تو کوہ صفا اور جبل احد پر کھڑے ہو کر پکارتا۔

اے محمد ﷺ کے ہم وطنو! تم نے جنت البقیع میں ہل پھروا کر ہمارے دل کے شیشے توڑ دیئے ہیں۔ احد پہاڑ سے ڈھیروں نیچے حضرت عبد اللہ بن جحش اور مصعب بن عمیر ؓ کی قبریں ہیں۔ لیکن آل سعود کی غیر شرعی یلغار نے ہموار کر دی ہیں۔ یہیں ہندہ نے حضرت امیر حمزہ ؓ کا سینہ چاک کر کے ان کا کلیجہ چبایا اور مثلہ کیا تھا۔ انہی شہداء کے فراق میں مدینہ اشکبار تھا، ہر گھر سے چیخیں نکل رہی تھیں، انہی چیخوں پر حضور ﷺ نے کہا تھا۔ آہ! ''حمزہ پر رونے والا کوئی نہیں''۔ ہندہ نے تو حمزہ ؓ کا کلیجہ چبایا لیکن انہوں (نجدیوں) نے حمزہ کی قبر چبا ڈالی۔ (صفحہ ۱۷۵)

اہل محبت جب حضرت امیر حمزہ ؓ کے مزار اقدس پر حاضر ہوتے ہیں تو ان الفاظ کے ساتھ انکی بارگاہ میں نذرانہ صلوۃ وسلام پیش کرتے ہیں:

السلام علیک یا سیدنا حمزہ. السلام علیک یا عمّ رسول اللہ

Scanned with CamScanner

السلام علیک یا عم حبیب اللہ. السلام علیک یا عم المصطفیٰ السلام علیک یا سید الشھداء. السلام علیک یا اسد اللہ و اسد رسولہ السلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار.

اے ہمارے آقا حمزہ، اللہ کے رسول وحبیب مصطفیٰ کریم علیہ السلام کے چچا، تمام شہیدوں کے سردار، اللہ ورسول کے شیر آپ پر سلام ہو۔ سلام ہو آپ پر آپ نے صبر کیا پس کیا ہی اچھا گھر ہے آخرت کا۔

## جنت کا سردار کون؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے خود سنا کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ نحن ولد عبدالمطلب سادة اهل الجنة انا و حمزه و علی و جعفر والحسن و الحسین و المھدی. (ابن ماجہ)

ہم عبدالمطلب کی اولاد یعنی میں، حمزہ، علی، جعفر حسن وحسین اور مہدی جنت کے سردار ہیں۔

صلوٰۃ اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیھم اجمعین.

## حرفِ آخر:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: قال رسول اللہ ﷺ علی جنازة الحمزة یا حمزة یا کاشف الکربات یا حمزہ یا ذاب عن وجہ رسول اللہ ﷺ. (فتاویٰ رضویہ ۹/۴۷ بحوالہ ابن شاذان)

حضور علیہ السلام نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے جنازے پر فرمایا! اے حمزہ! اے مصیبتوں کو مٹانے والے (مشکل کشا) اے اللہ کے رسول ﷺ! کے چہرے کا دشمنوں سے دفاع کرنے والے۔ (جامع الاحادیث ج ۵ ص ۳۰۷ و ص ۶۰۸)

--------✿--------



نمبر۲:

# سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ

چمک اُٹھا جو ستارہ ترے مقدر کا
حبش سے تجھ کو اُٹھا کر حجاز میں لایا

ہوئی اسی لیے ترے غم کدے کی آبادی — تیری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
وہ آستان نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کیلئے — کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لیے
جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں — ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں
نظر تھی صورت سلماں ادا شناس تیری — شراب دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تیری
مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا — تیرے لیے تو یہ صحرائے نور تھا گویا
تیری نظر کو رہی دید میں بھی حسرت دید — خنک دلے کہ تپید و دمے نیا سائید
گری وہ برق تری جان ناشکیبا پر — کہ خندہ زن تیری ظلمت تھی دست موسیٰ پر
ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری — کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
اذاں ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی — نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ ''طیبہ'' مقام ان کا
خوشا وہ وقت کہ دیدار عام تھا ان کا (اقبال)

دنیا میں عموماً بڑا انسان اسے سمجھا جاتا ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو، رنگ ونسل کے لحاظ سے اونچا ہو، مال ودولت کے اعتبار سے سب سے آگے ہو لیکن اسلام کی نگاہ میں شرافت اور بڑائی کا معیار صرف تقویٰ کو قرار دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم. (الحجرات)

اللہ کے نزدیک تم سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم سب سے بڑا پرہیزگار ہے۔

کون نہیں جانتا کہ حضرت بلال حبشی ؓ رنگ و نسل کے اعتبار سے دنیا والوں
کے معیار پر پورے نہیں اترتے تھے، نہ مال نہ اقتدار حبشی النسل اور وہ بھی غلام۔
لیکن جب مکہ کی گلیوں میں صدائے توحید بلند ہوئی اور نبی آخر الزمان نے
انسان کو ہر قسم کی غلامی سے نجات دلانے کی آواز اٹھائی اور فرمایا! غلامی صرف پیدا
کرنے والے کی اور رزق دینے والے کی ہے تو بلال حبشی کیلئے لمحہ بھر کی تاخیر بھی
ناقابل برداشت ہوگئی اور صدائے توحید سنتے ہی پکار اُٹھے اشھد ان لا الہ الا اللہ
و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ۔

عرب کی تپتی ہوئی ریت، جلتے ہوئے پتھر اور دھکتے ہوئے انگارے بھی بلال
حبشی کے پائے استقلال میں جنبش پیدا نہ کر سکے، دنیا نے دیکھا کہ بلال کے گلے میں
رسی ہے اور ان کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا جارہا ہے دنیا کا کونسا ظلم ہے جو بلال کی جان پر
نہیں ڈھایا گیا لیکن بلال کی زبان پر ایک ہی صدا ہے اور وہ اَحَدٌ اَحَدٌ کی ہے۔

حلق پہ تیغ رہے سینے پہ جلاد رہے
لب پہ تیرا نام رہے دل میں تیری یاد رہے

کبھی گائے کی بدبودار کھال میں لپیٹ دیا جاتا ہے تو کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر
کڑاکے دار دھوپ میں ڈال دیا جاتا ہے اور اوپر سے بری طرح مار پیٹ کر پوچھا جاتا
ہے "اب محمد کے خدا سے باز آؤ گے یا نہیں تو وہ پروانہ شمع رسالت مسکرا کر کہتا۔

توڑ دو تم ہڈیاں میری سبھی
دامن احمد نہ چھوڑوں گا کبھی

ارے بلال اپنی جان بچانے کیلئے صرف زبان سے ہاں کہہ دو کہ میرا خدا لات و
عزیٰ و منات ہے لیکن نہیں بلال فرماتے ہیں میری زبان ان الفاظ کو ادا ہی نہیں کر
سکتی۔ نہ امیہ مارتا تھکتا ہے نہ بلال مار کھاتا تھکتا ہے۔

؎ وہ اپنی خُو نہیں بدلے ہم اپنے وضع کیوں بدلیں



ادھر امام الانبیاء کو طائف کے بازاروں میں لہولہان کیا جاتا ہے اور ادھر بلال
حبشی کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا جاتا ہے مارنے والے مار میں مست ہیں اور مار کھانے
والے دیدار یار میں مست ہیں۔ اور محبوب خدا اپنے بلال کو جفائیں سہنے کا صلہ دے
رہے ہیں انا سابق العرب و بلال (سابق) الحبشة. میں عربوں میں پہلے نمبر
پر ہوں اور میرا بلال حبشیوں میں پہلے نمبر پر ہے (جمع الجوامع للسیوطی)

؎ وہ شین کو سین کہنے والے نبی کے عاشق کی شان دیکھو
جو سوئے جنت چلیں گے آقا تو آگے آگے بلال ہوگا

بلال حبشی نے اپنا جسم تو امیہ کے حوالے کر دیا لیکن دل مصطفیٰ کو دے دیا اور
مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے بلال کے دل میں اپنے عشق کا دریا بہا دیا اور حبش کے بلال
کو فتح مکہ کے دن کعبے کی چھت پر چڑھا دیا۔

حُسن ماہ گرچہ بہ ہنگام کمال اچھا ہے
لاکھ شاہوں سے محمد کا بلال اچھا ہے

مکہ فتح ہوا تو بلال حبشی کو حکم ہوا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر نام خدا بلند کرو۔
کافروں میں کھسر پھسر ہونے لگی کسی نے کہا! کاش یہ دن دیکھنے سے پہلے میں مر گیا
ہوتا۔ کسی نے کہا! شکر ہے میرے باپ نے یہ دن نہیں دیکھا۔ اپنے بھی کہنے لگے بہتر
تھا کہ کسی بڑے خاندان قبیلے والے کو اس تاریخی موقع پر کعبہ کی چھت پر چڑھنے کا موقع
دیا جاتا تاکہ سب کے منہ بند ہو جاتے۔ لوگوں نے تو سرگوشیوں میں یہ باتیں کیں
لیکن مصطفیٰ کریم ﷺ نے علی الاعلان فرمایا! سنو! جو امیہ بن خلف کا ظلم برداشت کر
کے تپتی ہوئی ریت پر لوٹ پوٹ ہو کر خدا کا نام بلند کرتا رہا وہی بلال آج کعبہ کی چھت
پر چڑھ کر اللہ اکبر کی صدا بلند کرے گا۔

؎ بدر اچھا ہے فلک پر نہ ہلال اچھا ہے
چشم بینا ہو تو دونوں سے بلال اچھا ہے

Scanned with CamScanner

عجیب بات ہے کہ دس ہزار کا لشکر ہے ان میں صدیق و فاروق، عثمان و علی بھی ہیں جو تقویٰ و پرہیزگاری میں بلال سے کہیں آگے ہیں لیکن کعبہ کی چھت پر چڑھنے کا موقع پھر بھی بلال کو مل رہا ہے اور جب کعبہ کے اندر جانے کا لمحہ آیا تو حضور نے بلال کو ساتھ لیا اور دوسرے غلام ابن اسامہ بن زید کو ساتھ لیا۔

ان کے جو غلام ہو گئے
وہ خلق کے امام ہو گئے

## نام و نسب:

آپ کا نام بلال، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ اور کنیت ابو عبدالکریم، ابو عمرو ابو عبداللہ، ابو حازن ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۰۰۳)

آپ ہجرت سے تنتالیس سال قبل مکہ و یمن کے درمیان مقام سراۃ میں پیدا ہوئے۔

آپ کی والدہ کے بارے میں مشہور ہے کہ دین عیسوی پر تھیں اور اہل حبش میں عالمہ اور زاہدہ مانی جاتی تھیں۔

آپ کا رنگ سیاہ تھا، جسم کمزور اور قد لمبا تھا، آنکھیں سُرخ انگاروں کی طرح چمکدار تھیں سینہ کشادہ، آواز بارعب اور بلند تھی، جسم پر کثرت سے بال تھے لیکن داڑھی مبارک ہلکی تھی، رخساروں پر گوشت بھی کم تھا۔

آپ کا ایک بھائی خالد نامی تھا اس میں اختلاف ہے کہ حقیقی تھا یا مواخاتی۔

آپ کی ایک بہن تھی جس کا نام عسقرہ یا غفرہ تھا جو عمر بن عبداللہ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت بلال کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

جس طرح بالغ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق ہیں، عورتوں میں حضرت خدیجہ، بچوں میں سے حضرت علی۔ اسی طرح غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں حضرت زید اور حضرت بلال دونوں کا نام



آتا ہے اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی امیہ بن خلف (جس کے آپ غلام تھے) نے ظلم و ستم کے پہاڑ گرانا شروع کردیے۔

## حضرت بلال ؓ کی خریداری و آزادی:

مولانا روم فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے دیکھا کہ بلال حبشی ؓ احد احد پکار رہے ہیں اور امیہ ان کو پیٹ رہا ہے اور ساتھ یہ کہہ رہا ہے:

کہ چرا تو نام احمد می کُنی — بندہ بد! منکر دین منی
می زد اندر آفتا بش او بخار — او احد می گفت بہر افتخار

تو احمد (مجتبیٰ محمد مصطفیٰ) کو کیوں یاد کرتا ہے۔ تو کتنا بُرا غلام ہے کہ اپنے آقا کے (یعنی میرے) دین کا منکر ہے۔ وہ سخت دھوپ میں آپکو کانٹوں پہ لٹا کر مار رہا تھا اور حضرت بلال بڑے فخر سے احد احد کا نعرہ پکار رہا تھا۔

حضرت بلال ؓ کو ابوبکر صدیق ؓ نے حضور علیہ السلام کے حکم پر بڑے مہنگے داموں خرید لیا۔ اور فرمایا! اے امیہ! اگر تو لاکھوں روپیہ بھی بلال کی قیمت لگائے گا تو میں اس کو خریدے بغیر نہیں رہوں گا۔ کیونکہ میرے آقا نے اس کو پسند کرلیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ایک خوبصورت غلام اور بڑی بھاری رقم دیکر حضرت بلال کو خرید تے ہیں اور جب حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حضرت بلال کو لاکر کھڑا کیا تو اب مولانا روم کی زبانی ہی سنیئے۔

چوں بدید آں روئے ختہ مصطفیٰ — گفت طبتم فاد خلوھا بابھا
چوں بلال ایں راشنید از مصطفیٰ — خر مغشیا فتادا و برقفا

جب بلال خستہ حال نے حضور علیہ السلام کے چہرہ انور پر نگاہ ڈالی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا مبارک ہو، جنت میں داخل ہو جاؤ۔ حضرت بلال یہ مژدۂ جانفزا سن کر بے ہوش ہو گئے اور زمین پر گر پڑے، جب کافی دیر کے بعد ہوش آیا۔

Scanned with CamScanner

مصطفیٰ اش درکنار خودکشید — کس چہ داند بخششے کو رارسید

ماہئی پرورده در بحز او فتاد — کاروان گم شده از بررشاد

حضور علیہ السلام نے حضرت بلال کو اپنی آغوش نور میں لے لیا کسی کو کیا معلوم کہ اس وقت حضور ﷺ نے بلال پر کیا کیا کرم نوازیاں فرمائیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مچھلی کو پانی مل گیا، کاروان گم شدہ راہ کو منزل مل گئی اور بلال کو محبوب خدا مل گیا۔

؎ مل گئے مصطفیٰ اور کیا چاہیے

حضور علیہ السلام نے حضرت ابوبکر صدیق سے فرمایا! کہ بلال کی خریداری کی آدھی قیمت میں ادا کروں گا، تو ابوبکر صدیق نے عرض کیا۔

گفت ما دو بندگان کوئے تو — کر دمش آزاد ایں برروئے تو

تو مَرا می دار بندہ و یار غاز — ہیچ آزادی نخواھم زینہار

کہ مَرا از بندگی آزادی است — بے تو برمن محنت و بیداردی است

چوں ترا دیدم من انے روح البلاد — مہر ایں خورشید از چشم فتاد

حضور! ہم دونوں آپ ہی کے غلام ہیں۔ میں آپ کے سامنے بلال کو آزاد کرتا ہوں۔ میں آپ مجھے اپنی غلامی میں رکھیے، میں اس غلامی کے مقابلہ میں آزادی ہرگز نہیں چاہتا۔ میں جب آپ کو دیکھتا ہوں تو میری نگاہ میں آسمان کے سورج کی کوئی قیمت نہیں رہتی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسی جذبۂ صادقہ کے سبب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے ابوبکر سیدنا اعتق سیدنا. ہمارے سردار ابوبکر نے ہمارے سردار بلال کو آزاد کیا۔

تہذیب تاریخ دمشق (ج۲ص۲۰۵) پر حضرت بلال حبشی کے اسلام لانے اور ان پر ظلم و ستم کا بازار گرم ہونے اور پھر ان کی آزادی کا واقعہ اس طرح لکھا ہوا ہے۔



## حضرت بلال کا عشق رسالت:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ وہ صحابی رسول اللہ ﷺ ہیں جن کو بالکل آغاز اسلام میں مشرف باسلام ہونے کا امتیاز حاصل ہے۔ ایسے خوفناک ماحول میں جب اسلام لانے کی پاداش میں سخت ترین مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ حضرت بلال کو کفار مکہ سخت سے سخت اذیتیں دیتے تھے۔ ان کو پکڑ کر لے جاتے اور دھوپ میں لٹا دیتے اور پتھر لاکر ان کے پیٹ پر رکھ دیتے اور کہتے تمہارا دین لات وعزیٰ کا دین ہے۔ حضرت بلال کہتے میرا پروردگار اللہ ہے۔ ایسے ایسے مصائب جھیلتے مگر سینے میں عشق مصطفیٰ اس طرح پیوست تھا کہ سارے آلام و مصائب اس کے سامنے ہیچ تھے۔

ایک دن حضرت بلال خانہ کعبہ میں داخل ہوئے قریش کو اس کا علم نہ تھا آپ نے ادھر ادھر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا بس آپ بتوں کے پاس آکر ان پر تھوکنے لگے اور کہنے لگے وہ لوگ ناکام اور خسارہ میں ہیں جنہوں نے تمہاری پرستش کی۔ قریش نے ان کو گرفتار کرنا چاہا! لیکن آپ نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگئے اور اپنے مالک عبداللہ بن جدعان کے گھر میں چھپ گئے۔ قریش کے لوگ عبداللہ کے پاس آئے اور اس کو آواز دی وہ باہر آیا تو اس سے ان لوگوں نے کہا۔ کیا تم بے دین ہوگئے؟ اس نے کہا مجھ جیسے شخص سے بھی ایسی بات کہی جارہی ہے اب تو میں محض اسکے کفارہ میں لات و عزیٰ کے لئے سو ۱۰۰ اونٹنیاں قربان کروں گا۔ قریش کے لوگوں نے کہا تمہارے کالے (بلال) نے یہ یہ کر ڈالا ہے۔ اس نے ان کو بلایا۔ لوگ ان کو تلاش کر کے عبداللہ کے پاس لائے یہ ان کو پہچانتا نہ تھا۔ اس نے خولیہ کو بلا کر پوچھا۔ یہ کون ہے کیا میں نے تم کو یہ حکم نہ دے رکھا تھا کہ مکہ کے غلاموں میں سے کسی کو یہاں نہ رہنے دینا خولیہ نے کہا یہ تمہاری بکریاں چراتا تھا اور اس کے علاوہ کوئی اور ان بکریوں کو پہچانتا نہ تھا اس طرح میں نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ عبداللہ نے ابوجہل اور امیہ بن خلف سے کہا

بلال تمہارے حوالے ہے۔تم لوگ اس کے ساتھ جو چاہو کرو یہ دونوں ان کو بطحا کے تپتے ہوئے حصہ پر کھینچتے ہوئے لاتے ہیں اوران کے دونوں بازوؤں پر چکی رکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں اکفر بمحمد محمد کا انکار کرو۔ بلال کہتے ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ دامن مصطفیٰ چھوڑوں اوراللہ کی توحید کا اعلان کرتے ہیں۔

اس عذاب کا سلسلہ نہ ٹوٹا تھا کہ وہاں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ہو انہوں نے فرمایا اس اسود (کالے) کو کیا کرنا چاہتے ہو، خدا کی قسم! تم اس سے انتقام لے ہی نہیں سکتے۔

امیہ بن خلف نے اپنے آدمیوں سے کہا دیکھو میں ابوبکر کے ساتھ ایک ایسا کھیل کھیلتا ہوں کہ ابھی تک ان کے ساتھ یہ کھیل کھیلا نہ گیا ہوگا۔ پھر وہ ہنس کر بولا ابوبکر تمہارا میرے اوپر قرض ہے تم مجھ سے بلال کو خرید لو آپ نے فرمایا ہاں (کیا لوگے) اس نے کہا تمہارے غلام نسطاس کو حضرت ابوبکر نے فرمایا اگر میں اسے دیدوں تو تم بلال مجھے دے دوگے؟ اس نے کہا: ہاں۔ ابوبکر نے فرمایا: میں نے یہ کرلیا۔ پھر وہ ہنس کر بولا: نہیں واللہ اس کے ساتھ آپ کو اس کی بیوی بھی دینا ہوگی۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: چلو یہی سہی۔ پھر اس نے وہی شرارت کی کہ نہیں نہیں اس کی بیوی کے ساتھ اس کی لڑکی کو بھی دینا ہوگا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: چلو یہی سہی۔ پھر وہ ہنس کر بولا: اتنے میں بھی نہیں ہوسکتا جب تک کہ آپ ان کے ساتھ دوسو دینار نہ دیں۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: تمہیں جھوٹ سے کچھ شرم نہیں۔ اس نے لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہا: اگر آپ یہ دوسو دینار بھی دے دیں تو ضرور اپنی بات پوری کروں گا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: یہ بھی سہی۔

اب جا کر یہ سودا مکمل ہوتا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اتنی بھاری قیمت پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر رضائے الٰہی کے لئے آزاد کر دیتے ہیں۔

(تہذیب تاریخ دمشق ج ۳ ص ۵۰۲)



سقف کعبہ کے موذن جاں نثار دیں بلال
گلشن اسلام سرمایۂ تزئیں بلال

فخر ہے تجھ کو غلامی پر شہ کونین کی — ناز فرما تجھ پہ حق کا جذبۂ تحسیں بلال
غم کے ہنگاموں میں لب پر مسکراہٹ ہی رہی — اللہ اللہ تیری شان جرأت و تمکیں بلال
ہوگئی تیری وفاداری کے ذکر پاک سے — قیمت و ایثار کی روداد سب رنگیں بلال
ہجر سلطان امم میں غمزدوں کے واسطے — نام تیرا بن گیا ہے باعث تسکیں بلال
ہاتھ جب اُٹھے تیرے پیش خدا بہر دعا — خود لب رحمت پہ جھوما نغمۂ آمیں بلال
جس سے تا محشر رہے گی نظم ملت کی بقا — تو مرتب کر گیا وہ عشق کام آئیں بلال
جو تیرے نام مبارک کا وسیلہ ڈھونڈ لے — ہو نہیں سکتا ہے دل اسکا کبھی غمگین بلال
ہے تیرا ہم رنگ کعبہ کا غلاف محترم — عارض پُر نور ہے تیرا سحر آگیں بلال
بے گھری پر جس کی نازاں قصر رضوان کی فضا — تو ہے گلزار نبوت کا وہی شاہیں بلال

قلب بوبکر و عمر، عثمان و حیدر کی قسم
تو ہے انور کیلئے روح حیات دیں بلال

## نکات:

✿ ویسے تو ہر کوئی دعوے دار ہے کہ آمنہ کے لال کو میں جانتا ہوں ابوجہل نے کہا! میں جانتا ہوں محمد عبداللہ کا بیٹا ہے ابولہب بولا! محمد میرا بھتیجا ہے۔ لیکن عرش سے آواز آئی تم غلط کہتے ہو میرے محبوب کو نہ ابوجہل نے پہچانا ہے نہ ابولہب نے جانا ہے اگر مصطفیٰ کو پہچانا ہے تو حبش کے بلال نے پہچانا ہے۔ جس نے گرم ریت پر لیٹ کر جسم میں لوہے کی گرم سلاخیں سہہ کر، کوڑے کھا کر بھی ایک ہی نعرہ بلند کیا ہے۔

ہر جفا ہر ستم گوارا ہے — اتنا کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

جب امیہ حضرت بلال کو مار رہا تھا، تو وہ مارتا مارتا تھک گیا اور بلال مار کھاتا کھاتا

ہنس پڑا۔ صدیق اکبر دیکھ کر حیران ہوئے کہ لوگ مار کھا کر روتے ہیں اور یہ عجیب آدمی ہے مار بھی کھا رہا ہے اور مسکرا بھی رہا ہے پوچھا! دیوانہ تو نہیں ہے؟ کہا! دیوانہ تو نہیں ہوں لیکن شمع محمدی کا پراونہ ضرور ہوں اور مار کھا کر ہنستا اس لیے ہوں کہ لوگ تو مٹی کا پیالہ بھی خریدتے ہیں تو اس کو ٹھونکتے اور بجاتے ہیں، اگر کچا پلا نہ ہو تب خریدتے ہیں اور میرا سودا تو بازار مصطفیٰ میں ہو رہا ہے۔

میں ہوں مٹی کا پیالہ عشق کے بازار میں
آ گیا ہوں میں پسند اس دم نگاہ یار میں

پروانے کا کام شمع پر قربان ہونا ہے بلال کا کام محمد پر نثار ہو جانا ہے۔

✿ من تواضع للہ فقد رفعہ اللہ. جو اللہ کیلئے جھک جاتا ہے پھر اللہ اسکو سر بلند کر دیتا ہے۔ ساری دنیا بلال کو غلام کہتی ہے، بلال فلاں کا غلام، بلال فلاں کا غلام لیکن جب بلال غلامی مصطفیٰ میں آئے تو بلال کو غلام کہنے والے خود بلال کے غلام ہو گئے اور بلال سب کے آقا بن گئے۔

✿ کافر حیران ہو رہے تھے کہ ابوبکر صدیق ایک کالے غلام کو اتنا مہنگا خرید کر لے جا رہا ہے۔ مگر ابوبکر صدیق جانتے تھے کہ یہ اوپر سے کالا ہے لیکن اس کا اندر سورج سے زیادہ روشن ہے اور اس کی ظاہری سیاہی جنت کی حوروں کے رخساروں کا تل بننے والی ہے۔

دل کالے نالوں منہ کالا چنگا جے کوئی اس نوں جانے ہو

✿ مالک نے بھیجا بلال جاؤ بازار سے سودا لے آؤ، بلال بازار گئے تو دیکھا کہ ایک حسین و جمیل شخص پتھر پر کھڑا ہو کر وعظ کر رہا ہے۔ لوگو! عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر، گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ کلکم من ادم و ادم من تراب. تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں، غریب کی مدد کرو مظلوم کی آہ سے بچو بلال حبشی کے دل میں محمد عربی کی باتیں اتر گئیں۔ مجمع منتشر



ہو گیا کسی نے گالی دی، کسی نے کوڑا پھینکا، کسی نے پتھر مارے پتھر مصطفیٰ کو لگ رہے ہیں رو بلال رہے ہیں۔ بلال نے آگے بڑھ کر حضور کے ہاتھوں کو بوسہ دیا گرم گرم آنسو آقا علیہ السلام کے ہاتھوں پہ پڑے تو حضرت بلال نے عرض کیا! میری طرف سے ان چند آنسوؤں کا نذرانہ ہی قبول کر لیجئے۔ کیونکہ

ان آنسوؤں کے سوا میرے پاس کچھ بھی نہیں

غلام گھر آیا مالک نے مارنا شروع کر دیا اتنی دیر کہاں لگائی ہے اور یہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ اَحَدٌ اَحَدٌ. غلام نے کہا جتنا مرضی ہے مار لے، سودا ہو گیا ہے جسم تیرا ہے روح محمد کی ہے۔

دل و جان دونوں فدائے محمد — خدا ہم کو کر خاک پائے محمد
کچھ غم نہیں جان جائے تو جائے — تیری محبت نہ جائے محمد

✿ جو قرآن پڑھے وہ حافظ ہو گا پھر قاری ہو گا پھر زیادہ سے زیادہ عالم اور علامہ یا شیخ القران ہو گا، جس کے دل میں عشق ہو وہ عاشق کہلائے گا، زیادہ ہو گا تو عاشق زار ہو گا اور زیادہ ہو گا تو وہ حضرت بلال ہو گا۔ جس کی نسبت غلامی کیلئے بڑے بڑے دل ترستے ہوئے عرض کرتے ہیں۔

ما کمتریں غلام بلال محمد است

کیونکہ بیٹا ہونے کی نسبت بھی کبھی کام نہیں آتی بلکہ نوح نبی کا بیٹا برباد ہو جاتا ہے اور نسبت غلامی پار لگا دیتی ہے، کعبے کی چھت پہ چڑھا دیتی ہے۔

کوئی معجزہ دیکھ کر ایمان لایا، کوئی نشانی دیکھ کر ایمان لایا مگر بلال حبشی وہ ہے کہ رخ مصطفیٰ دیکھتے ہی ایمان لے آیا اور کلام مصطفیٰ سنتے ہی اسلام لے آیا۔

مشک و عنبر کی آبرو کیا ہے — آب حیواں کی جستجو کیا ہے
کیوں حرم کو غلاف پہناؤں — سنگ اسود کی کیوں قسم کھاؤں
دل بلاؤں سے پائمال ہو کیوں — آرزوئے شب وصال ہو کیوں
دل میں لیلیٰ سما نہیں سکتی — مجھ کو مجنوں بنا نہیں سکتی

حال مشکیں سے کیوں مٹا جاؤں  رام گیسو میں کس لیے آؤں
ذکر پاک بلال کیوں نہ کروں  راہ الفت میں کیوں نہ قدم دھروں

❁ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام جب کسی سے مصافحہ فرماتے تو اس وقت تک ہاتھ نہ چھوڑتے جب تک کہ مصافحہ کرنے والا ہاتھ پیچھے نہیں کرتا، اسکی وجہ یہ تھی کہ حضور جانتے تھے کہ اگر میں نے ہی کسی کا ہاتھ چھوڑ دیا تو اس کا ہاتھ پکڑے گا کون؟ یہی وجہ ہے کہ لوگ امیروں سے یاری لگاتے ہیں، وزیروں سے راہ ورسم بناتے ہیں اور ہمارے آقا اگر چاہتے تو قیصر وکسریٰ سے دوستی لگا سکتے تھے لیکن آپ نے دوستی کی ہے تو سلمان فارسی کے ساتھ، بوذر غفاری کے ساتھ اور بلال حبشی کے ساتھ اور پھر انہی بجھے ہوئے چراغوں کو ایسا روشن کیا کہ پورا جہان ان سے روشن کردیا۔

تیری جنبش سے پیدا سنگ میں تاثیر ہوتی ہے
تیرے پاؤں کے آگے خاک بھی اکسیر ہوتی ہے

❁ وہی بلال حبشی جس کی چیخوں کی آواز جہان سنتا تھا حضور کی نسبتِ غلامی نے اسکو ایسا بنادیا کہ اس کے جوتے کی آواز محبوب خدا نے جنت میں سُنی۔

بلال و بوذر و سلمان و بوتراب ہوئے
رسول پاک کی قربت جنہیں نصیب ہوئی

❁ امریکہ نے کہا! میں نے لوہے کو ہوا میں اڑا دیا، پتھروں کو پانی پہ چلایا دیا مگر مدینے سے آواز آئی کہ میں نے غلام کو فرش سے اٹھایا اور عرش پر پہنچادیا۔

❁ ابوجہل حسین تھا، عقل مند تھا، خاندان قبیلے والا تھا مگر مصطفیٰ نے اس کو بھگا دیا اور بلال کے پلے کچھ نہ تھا تو اس کو سینے سے لگالیا۔ کیونکہ ہم ظاہر کو دیکھتے ہیں، حضور کی نظر باطن پر ہوتی ہے، ہم قال کو دیکھتے ہیں حضور کی نظر حال پر ہوتی ہے ابوجہل سامان والا تو تھا، لیکن ایمان والا نہ تھا، عقل والا تو تھا عشق والا نہ تھا۔ اس کا ظاہر تو سفید تھا مگر دل کالا تھا اور بلال حبشی کا اندر روشن تھا اور اندر روشن ہو تو رنگ کالا بھی ہو تو اس کا کالا رنگ



حوروں کے چہرے کا تل بن جاتا ہے اور اگر عاشقوں میں تقسیم کردیا جائے تو محبت والا دل بن جاتا ہے۔

اک دن پکڑ بلال نوں کافراں نے  تتی ریت دے اُتے لِٹا دِتا
میخاں ٹھوک کے اونہاں نے وچ تلیاں  لک پتھراں نال دبا دتا
چربی بدن بلال دی پگھل آئی  ایسا پتھراں بدن اُڑا دتا
آکھن کتھے محمد تے رب اوھدا  کیوں نہ آکے تینوں چھڑا دتا
توں فیر وی لینا ایں نام اوہدا  کوڑا کافراں اک لگا دتا
جسم بھجدے نال بلال عاشق  اگوں بول کے انج سنا دتا
ماراں پینڈیاں رہن یار دسدا رہے  او چن تے میں چکور ہوواں
میرا عشق اجازت نہیں دیندا  اتوں ہور تے وچوں میں ہور ہوواں

❁ خواجہ اجمیری کا ننانوے لاکھ کو کلمہ پڑھانا، غوث اعظم کا چلے کاٹنا، فرید الدین گنج شکر کا زہد، داتا علی ہجویری کا تبلیغ دین کے لیے مشقت اُٹھانا یہ سب کچھ ایک طرف مگر یار کی خاطر تپتی ہوئی ریت پر لیٹ کر کوڑے کھا کھا کر بلال حبشی کا صدائے احد احد بلند کرنا ایک طرف رکھ دو پھر بھی برابری نہیں ہوسکتی۔

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جوانمرد
جاتا ہے جدھر بندۂ حق تو بھی ادھر جا

❁ حضرت بلال نے ایک دفعہ ابوسفیان کو حالت کفر میں دیکھ کر حضرت سلمان سے کہا! اسکی موٹی گردن پر ہماری تلوار کب چلے گی۔ حضرت ابوبکر نے یہ بات سنی اور کہا! نہ ایسا نہ کہہ سردار قریش ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت ابوبکر سے فرمایا! اے ابوبکر تو نے یہ کہہ کر بلال کا دل دکھایا ہے، اس کو راضی کرو ورنہ میں بھی راضی نہ ہوں گا۔ صدیق اکبر نے حضرت بلال سے معذرت چاہی، حضرت بلال نے حضور کی بارگاہ میں سفارش کی تو مسئلہ حل ہوا۔ (مسلم شریف، خلاصۃ)

محشر میں کسی نے بھی میری بات نہ پوچھی
حامی نظر آیا تو بس اک تو ہی نظر آیا

(یہ تمام نکات علما اہل سنت مثلاً مولانا عبدالغفور ہزاروی، صاحبزادہ فیض الحسن، سید محمد یعقوب شاہ آف پھالیہ علامہ محمود احمد رضوی وغیرہم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کی تقاریر سے لکھے گئے ہیں، ان کو تحقیقی انداز میں پڑھنے کی بجائے تقریری نکات سمجھ کر ہی پڑھا جائے)

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر ''ایمان'' کی بنیاد رکھ

## بلال حبشی اور کلام الٰہی:

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغدوۃ والعشی یریدون وجھه ما علیک من حسابھم من شئ وما من حسابک علیھم من شئی فتطردھم فتکون من الظلمین. (الانعام،۵۲)

اور آپ دور نہ کریں ان کو جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں فقط اسکی رضا کی خاطر، آپ پر ان کے حساب سے کچھ نہیں اور ان پر آپ کے حساب سے کچھ نہیں۔ پھر بھی اگر آپ انہیں (اپنی بارگاہ سے) دور کردیں تو یہ انصاف سے بعید بات ہوگی۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریش نے حضور علیہ السلام سے کہا کہ آپ کی مجلس میں ہر وقت نادار اور مفلس لوگ (صہیب، عمار، بلال وغیرہ) بیٹھے ہوتے ہیں، ان کی موجودگی میں ہمارا آپ کے پاس آنا اور ان کے ساتھ آپ کی مجلس میں بیٹھنا ہمارے لیے باعث ذلت ہے ہاں اگر آپ انکو اٹھا دیں تو پھر ہم آپ کے پاس آیا کریں گے اور آپ کی بات سن کر آپ کی اطاعت کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔

اس موقع پر مندرجہ بالا آیہ مبارکہ نازل ہوئی جس میں اللہ رب العالمین نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ آپ سرداران قریش کی پرواہ نہ کیجئے وہ آئیں یا نہ آئیں لیکن



اپنے غلاموں کو اپنی بارگاہ سے دور نہ کریں کہ جن کی زندگی کا ماحصل ہی آپ کا دیدار اور آپ کا دربار ہے۔

تیرے کرم سے انکی سلامت ہے زندگی تیرا کرم نہ ہو تو قیامت ہے زندگی

## مؤذن اوّل:

نبی اکرم ﷺ اہل اسلام کے امام اوّل ہیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ مؤذن اوّل ہیں کیونکہ جب حضرت عبداللہ بن زید نے حضور علیہ اسلام کی بارگاہ میں اپنا خواب بیان کیا کہ نماز کے بلاوے کیلئے مجھے خواب میں یہ الفاظ سکھائے گئے ہیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: انھا لرؤیا حق ا ن شاء اللہ فقم مع بلال فالق علیه مارایت فلیؤ ذن به فانه اندیٰ وفی روایۃ امد صوتا منک ای اعلی وارفع و قیل احسن واغذ. (سیرت حلبیہ)

ان شاء اللہ یہ خواب حق ہے بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور ان کو یہ کلمات بتاتے جاؤ کیونکہ وہ تم سے بلند آواز والے ہیں یا فرمایا کہ اچھی اور عمدہ آواز والے ہیں۔

جن روایات میں حضرت عبداللہ بن زید کے پہلا مؤذن ہونے کا ذکر ہے ان میں اولیت اضافی مراد ہے کہ وہ حضرت بلال کو کلمات بتاتے گئے اور آپ آذان دیتے گئے۔

چنانچہ سب سے پہلی آذان حضرت بلال نے صبح کے وقت پڑھی جس کو سن کر حضرت عمر خوشی سے بھاگتے ہوئے مسجد میں آئے۔

اذان دے گئی حضرت بلال کی ہستی
نماز پڑھ گیا دنیا میں کربلا کا حسین

## آذان بلال کی نقل اتارنے والا:

ایک مرتبہ سفر میں حضرت بلال نے آذان پڑھی اور کچھ لوگوں نے اس پر پھبتیاں کیں اور نقل اتاری حضور علیہ السلام نے ان کو بلایا اور پوچھا کہ تم میں سے کون تھا جو آذان

Scanned with CamScanner

کی نقل اتار رہا تھا سب نے ابومحذورہ کی طرف اشارہ کیا۔ حضور ﷺ نے سب لوگوں کو بھیج دیا اور ابومحذورہ کو بٹھا لیا اور ابومحذورہ کہتے ہیں کہ اس وقت مجھے حضور ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ قابل کراہت تھے (نعوذ باللہ) لیکن تعمیل حکم کے لیے میں کھڑا ہو گیا تو حضور ﷺ نے مجھے آذان کے کلمات پڑھائے پھر مجھے اپنے قریب بلا کر سونے کی بھری ہوئی ایک تھیلی عطا کی اور اپنا دستِ کرم میری پیشانی پہ پھیرتے ہوئے میرے سینے اور ناف تک لے آئے اور فرمایا بارک اللہ فیک وبارک اللہ علیک اللہ ۔ تجھے برکت دے۔ وذھب ، کلّ شی. چنانچہ معاً مجھے حضور علیہ السلام تمام جہان سے پیارے لگنے لگے۔ پھر میں نے عرض کیا! مجھے مکہ مکرمہ میں مؤذن مقرر کر دیں تو حضور ﷺ نے فرمایا! آج سے تم مکہ کے مؤذن ہو۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب حضرت بلال نے کعبہ کی چھت پہ آذان پڑھی تو اس آذان کا استہزاء کرنے والوں میں ابومحذورہ بھی تھے عجبہ صلی اللہ علیہ وسلم صوتہ فدعا وعلمہ الاذان وامرہ ان یؤذن لاھل مکۃ. حضور ﷺ کو ابومحذورہ کی آواز اچھی لگی اور آپ نے ان کو آذان سکھا کر مکے کا مؤذن بنا دیا۔

بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال کی نقل اتارنے پر ہی ابومحذورہ کو اتنا بڑا اعزاز ملا ہے۔ اور حضور کی بارگاہ میں جب بلال کی نقل اتارنے والا اس قدر مقبول ومحبوب ہے تو خود بلال کی قبولیت کا عالم کیا ہو گا؟

دور تھے بلال مگر ہو گئے قریب — بوجہل تھا قریب مگر دور ہو گیا

## بلال حبشی اور احادیث نبوی:

✿ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا سمعت دف نعلیک بین یدی فی الجنۃ. (اے بلال) میں نے جنت میں اپنے آگے آگے تیرے جوتوں کی آواز سُنی ہے۔ (بخاری کتاب المناقب)



سلطان دو جہاں کی غلامی کیا ہے — یہ راز بلال حبشی سے پوچھو

✿ حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز کے وقت حضرت بلال سے فرمایا: یابلال حدثنی بارجی عمل عملتہ عندک فی الاسلام منفعۃ فانی سمعت اللیلۃ خشف نعلیک بین یدی فی الجنۃ. اے بلال مجھے وہ عمل بتا جس کی تمہیں اسلام میں زیادہ فائدے کی امید ہو، کیونکہ میں نے آج رات جنت میں اپنے آگے آگے تیرے جوتوں کی آہٹ سُنی ہے۔ حضرت بلال حبشی ؓ نے عرض کیا! حضور ایسا عمل یہ ہے کہ: انی اتطھر طھورا تامافی ساعۃ من لیل ولانھار الاصلیت بذلک الطھور ماکتب اللّٰہ لی ان اصلی. میں دن یا رات میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو اس وضو کے ساتھ اللہ جتنی توفیق دیتا ہے نماز (تحیۃ الوضوء) پڑھ لیتا ہوں۔ (مسلم شریف فضائل صحابہ)

✿ ایک صبح کو حضرت بلال حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو سیّد عالم ﷺ کھانا تناول فرما رہے تھے، آپ نے حضرت بلال سے فرمایا! ہمارے ساتھ کھانے میں شامل ہو جاؤ، عرض کیا! میں روزے سے ہوں۔ یہ سُن کر حضور ﷺ نے فرمایا: ہم تو اپنا رزق کھا رہے ہیں اور بلال کا رزق جنت میں محفوظ ہے پھر فرمایا: اے بلال! کیا تو جانتا ہے کہ روزہ دار کی ہڈیاں بھی تسبیح وتہلیل میں مشغول ہوتی ہیں اور روزہ دار کے لیے استغفار کرتی ہیں۔ جب تک کہ اس کے سامنے کچھ کھایا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

✿ حضرت سہل بن سعد ؓ فرماتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: دخلت الجنۃ فاذاحس فنظرت فاذا ھو بلال. میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے کچھ محسوس کیا: پس میں نے دیکھا تو وہ بلال حبشی تھے۔

(اخرج الطبرانی فی الکبیر والصغیر باسناد رجالہ ثقات مجمع الزوائد صفحہ ۲۲۹ جلد ۹۔ والحدیث بلفظہ وسندہ فی الکبیر ۱۶۱/۶ برقم ۵۷۴۵ وفی الصغیر ۲۰۸/۱۔ در السحابہ فی مناقب القرابۃ والصحابہ صفحہ ۳۶۹)

یہی روایت باختلافات الفاظ طبرانی نے معاجم ثلاثہ میں حضرت ابوامامہ سے ان

الفاظ سے نقل فرمائی ہے انی دخلت الجنة قسمعت خشفة بین یدی فقلت یا جبریل ما هذه الخشفة ،قال بلال یمشی امامک . میں جنت میں داخل ہوا تو اپنے آگے آہٹ سی سُنی میں نے پوچھا! اے جبریل یہ کیسی آواز ہے؟ تو اس نے کہا: یہ بلال ہیں جو آپ کے آگے آگے چل رہے ہیں۔

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

(اخرجہ احمد و رجال بعض اسانید ہا ثقات۔ درالسحابہ صفحہ ۳۶۹)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: نعم المؤبلال و هو سید الشهداء والمؤذنون اطول الناس اعناقا یوم القیمة.

بلال کتنا اچھا بندہ ہے اور وہ سید الشہداء ہے (یعنی مؤذنوں کا سردار ہے جو پانچوں وقت اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور علیہ السلام کی رسالت کی یہ اعلان کرکے گواہی دیتے ہیں اشهدان لااله الا الله واشهدان محمد رسول الله ) اور آذان دینے والوں کی گردنیں (شانیں) قیامت کے دن سب سے بلند ہوں گی۔

(اخرجہ احمد باسناد رجالہ رجال الصحیح)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی اکرم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

.یجیء بلال یوم القیمة علی ناقة رحلها من ذهب وز ما مها من در یا قوت ،معه لواء ویتبعه المؤذنون فید خلهم الجنة حتی انه لیدخل من اذّن اربعین صباحا یرید بذلک وجه الله. قیامت کے دن بلال کو ایسی اونٹنی پر سوار کرکے لایا جائے گا جس کا کجاوہ سونے کا ہوگا اور مہار (لگام) موتیوں اور یاقوت کی ہوگی۔ بلال کے پاس ایک جھنڈا ہوگا اور سارے مؤذن بلال کے پیچھے ہوں گے جن کو بلال جنت میں داخلہ دلوائیں گے یہاں تک کہ اگر کسی نے چالیس دن بھی صبح کی آذان اللہ کی رضا کی خاطر پڑھی ہوگی تو اسکو بھی بلال جنت میں داخل کروادیں گے۔

(مجمع الزوائد صفحہ ۳۰۰ جلد ۹)



شوق کا جب وفو رہوتا ہے — ظلمتوں میں بھی نور ہوتا ہے
بارشیں مجھ پہ ہیں نگاہوں کی — جاگ۔ اُٹھیں قسمتیں گناہوں کی
کیوں نہ آنکھوں میں نور آجائے — کیوں نہ دل میں سرور آجائے
کشور حسن وعشق کی حد ہوں — عاشقِ چہرۂ محمد ہوں
وہ بہار حدیقۂ نبوی — وہ فروغ چراغ مصطفوی
نسخۂ عشق کا وہ پہلا باب — سازو حدت پر لرزش مضراب
چاک تھا جس کا بے نیاز رفو — ماسوا سوز جس کا نعرہ ہو
خیل باطل کے وہ ستم سہنا — جوش حق میں اَحَد اَحَد کہنا
راز توحید کا امین تھا جو — خاتم عشق کا نگیں تھا جو
جس کو مست مے الست کہیں — حرف رنداں میں مے پرست کہیں
چاشنی خور دۂ زلال و صال — بندہ پاکباز، ہاں وہ بلال

✿ کثیر بن مرہ حضرمی روایت کرتے ہیں، حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا! صالح علیہ السلام کے لیے قیامت کے دن ان کی اونٹنی لائی جائے گی، جس پر سوار ہو کر وہ میدان محشر میں آئیں گے۔ حضرت معاذ نے عرض کیا: حضور! کیا آپ کے لیے آپ کی اونٹنی عضباء لائی جائے گی جس پر آپ سوار ہوں گے؟ فرمایا: عضباء پر تو میری بیٹی سوار ہو گی۔ جبکہ میں براق پر سوار ہوں گا جو اس دن تمام نبیوں سے الگ صرف مجھے ہی عطا ہوگا۔ ویبعث بلال علی ناقة من نوق الجنة ینادی علی ظهر ها بالاذان. اور بلال کے لیے جنت سے اونٹنی لائی جائے گی جس پر وہ سوار ہوگا اور آذان پڑھتا ہوا جنت میں جائے گا۔ فاذا سمعت الانبیاء واممها اشهدان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله ،قالوا ونحن نشهد علی ذلک.

جب حضرت بلال اشهدان لااله الاالله . اشهد ان محمد رسول الله

کہیں گے تو تمام نبی اور ان کی امتیں کہیں گی ہم بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔

(الوفاء لابن الجوزی صفحہ ۸۱۵)

✿ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی بلند قسمت کا کون اندازہ کرسکتا ہے کہ ساری کائنات کو محبوب خدا کی زبان سے نکلنے والے میٹھے الفاظ سے سکون نصیب ہوتا ہے اور محبوب خدا اپنے دل کو سکون پہنچانے کیلئے حضرت بلال کو فرماتے ہیں ارحنا یا بلال. اے بلال! آذان دیکر ہمیں راحت پہنچاؤ۔

مصطفیٰ گویاں ارحنا یا بلال .

مولانا روم علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال آذان کے بعض الفاظ کو صحیح تلفظ کے ساتھ ادا نہ کرسکتے تھے تو بعض لوگوں نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں غرض کیا کوئی اور موذن رکھ لیا جائے۔ تو حضور علیہ السلام جلال میں آگئے اور فرمایا!

کالے خساں نزد خدا "ھی" بلال
بہتر از صد حی و حی بے قیل و قال

(اے بلال کی عظمت کو نہ سمجھنے والے لوگو! تم جانتے نہیں بلال میرا محبوب ہے محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے) اللہ کے نزدیک بلال کا حَیَّ کو ھَیَّ کہنا بے شک سو مرتبہ حیَّ حیَّ کہنے سے زیادہ بہتر ہے۔

(حضرت بلال کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو رب کی بارگاہ میں اپنی زبان کا رونا رونے لگے کہ مولا یا اپنی آذان بدل دے یا میری زبان بدل دے۔ فرمایا! آذان تو نہیں بدلے گی کہ لا تبدل لکمت اللہ. اور تیری زبان بھی نہیں بدلے گی کہ یہ ایک عاشق رسول کی زبان ہے اور عاشق بدلا نہیں کرتے۔

دنیا نے اپنے آپ کو بدلا گھڑی گھڑی
اک اہل عشق ہیں جہاں تھے وہیں رہے

ہاں جہان ہی بدل دیتے ہیں کہ آج کے بعد کوئی اعتراض ہی نہ کرسکے گا۔ سین



بلال عند اللہ شین . بلال کا سین پڑھنا اللہ کے ہاں شین ہی ہے)

گفت ھا تف بعد از بانگ بلال
خوش شدے بر عرش رب ذوالجلال

جن لوگوں نے اس واقعہ کی تردید کرتے ہوئے حضرت بلال کی زبان میں لکنت کا انکار کیا ہے حَیَّ اور ھَیَ والا واقعہ ان بزرگوں نے خود ہی لکھا ہے۔

(تفصیل کیلئے دیکھئے سیرت سیدنا بلال: علامہ فیض احمد اویسی صفحہ ۴۳ و ۲۲۱ تا ۲۲۳)

زمام وقت بدست آپ کے غلام حضور
بلال اذاں نہ پڑھیں تو سحر ٹھہر جائے

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں:

آذانیں تو حضرت بلال نے اپنی زندگی میں ہزاروں پڑھی ہوں گی لیکن جو آذان فتح مکہ کے دن آپ نے کعبہ کی چھت پہ کھڑے ہو کر پڑھی تھی۔ اسکی عظمت کو حاملین عرش سے پوچھا جائے کیونکہ حضرت بلال کی اس آذان کی آواز وہاں تک ہی نہیں اس سے بھی اوپر تک گئی تھی اور اس کو سن کر نوریوں کے دل بھی وجد کناں تھے۔

(مدارج النبوۃ صفحہ ۴۹۱)

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
زندگی مثل بلال حبشی رکھتے ہیں

(اقبال)

(حضرت بلال حبشی کی آذان پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام محمد رسول اللہ پر انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانا اور قرت عینی بک یارسول اللہ اللھم متعنی بالسمع و الصبر کا نعرہ بلند کرنا اور حضور علیہ السلام کا ایسا کرنے والے کو مژدہ شفاعت سنانا اور جنت کی صفوں میں اس کو تلاش فرمانا متعدد کتابوں میں مذکور ہے۔ تفصیل جاننے کے لئے اعلیٰ حضرت کی کتاب تقبیل الابھامین کا مطالعہ کیجئے یا

مولانا محمد شفیع اوکاڑوی کا آسان ترین رسالہ ''انگوٹھے چومنے کا ثبوت'' ملاحظہ کیجئے اور اپنے عقیدے کو مضبوط سے مضبوط تر کیجئے تا کہ

غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل
یارسول اللہ کی کثرت کیجئے

## داستان ظلم اور آزادئ بلال:

اسلام قبول کرنے کی پاداش میں حضرت بلال ؓ پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے تا کہ آپ ؓ شاید ان مظالم کو برداشت نہ کر سکیں اور اسلام سے پھر جائیں آفرین ہے آپ کی استقامت پر کہ آپ نے ان ظالموں کے ہر ظلم کو بخوشی برداشت کیا۔

الغرض کفار نے بہت سخت تکالیف دیں۔ تپتی ہوئی گرم ریت اور جلتے ہوئے سنگریزوں اور دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتے گئے۔ مشرکین کے لڑکوں نے آپ ؓ کے گلے میں رسیاں ڈال کر بازیچہ اطفال بنایا ابوجہل آپ ؓ کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر پتھر کی چکی رکھ دیتا اور جب سورج کی تپش بے قرار کر دیتی تو کہتا بلال! اب محمد ﷺ کے خدا سے باز آ۔ لیکن اس وقت بھی آپ ؓ کے منہ سے یہی احد احد نکلتا۔ (اسد الغابہ)

مشہور مورخ طالب الہاشمی حضرت بلال ؓ پر مظالم کی داستان ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں امیہ بن خلف کے کانوں میں حضرت بلال ؓ کے قبول اسلام کی بھنک پڑی تو وہ آگ بگولا ہو گیا اس نے حضرت بلال ؓ کو بلا کر پوچھا:

''میں نے سنا ہے کہ تم نے کوئی اور معبود ڈھونڈ لیا ہے سچ سچ بتاؤ کس معبود کی پرستش کرتے ہو؟''

حضرت بلال ؓ نے بے دھڑک جواب دیا:

محمد کے خدا کی۔



امیہ نے آنکھیں لال پیلی کر کے کہا:

محمد کے خدا کی پرستش کا مطلب ہے کہ تو مقدس لات وعزیٰ کا دشمن ہو گیا ہے۔ سیدھی طرح راہ راست پر آ جاؤ ورنہ ذلت کے ساتھ مارے جاؤ گے میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ تم لات وہبل (بتوں کے نام) کے ایک نام لیوا کے غلام ہو کر محمد (ﷺ) کے خدا کی پرستش کرو حضرت بلال ؓ صہبائے توحید کے نشہ میں مست ہو چکے تھے، نتائج وعواقب سے بے پرواہ ہو کر جواب دیا:

میرے جسم پر تمہارا زور چل سکتا ہے لیکن میں اپنا دل اور اپنی جان محمد (ﷺ) اور محمد (ﷺ) کے خدا کے پاس رہن رکھ چکا ہوں اب ذات واحد کی عبادت ہی میری زندگی کا منتہائے مقصود ہے تمہارے خود ساختہ معبودوں کو پوجنا میرے بس کی بات نہیں۔

امیہ بن خلف غیظ وغضب میں دیوانہ ہو گیا ایک بے کس غلام اور یوں اس کے منہ آئے؟ اس نے کڑک کر کہا: اچھا تو پھر اپنی بے دینی کا مزہ چکھ۔ دیکھ لوں گا محمد (ﷺ) اور محمد (ﷺ) کا خدا تمہیں کیسے چھڑاتے ہیں۔ یہ کہہ کر اس ظالم نے حضرت بلال ؓ پر جوروستم کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ مکہ میں حرہ کی زمین گرمی کے سبب مشہور ہے یہ دھوپ میں تانبے کی طرح گرم ہو جاتی ہے۔

امیہ دوپہر کے وقت حضرت بلال ؓ کو گھر سے نکال کر لے جاتا اور حرہ کی جلتی ہوئی چٹانوں پر لٹا کر ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ دیتا تا کہ جنبش نہ کر سکیں پھر کہتا کہ محمد (ﷺ) کی پیروی سے باز آ جا اور لات وعزیٰ کے معبود برحق ہونے کا اقرار کر لے ورنہ اسی طرح پڑا رہے گا اس کے جواب میں شیدائے حق حضرت بلال ؓ کی زبان سے احد احد کی آواز نکلتی تھی امیہ غضب ناک ہو کر ان کو پیٹنا شروع کر دیتا لیکن وہ احد احد ہی کہے چلے جاتے ایک دن تو اس ظالم نے شقاوت کی انتہا کر دی اس نے پوری ایک رات اور ایک دن حضرت بلال کو بھوکا پیاسا رکھا اور تپتی ہوئی ریت پر ان

Scanned with CamScanner

کے رقصِ بسمل کا تماشہ دیکھتا رہا۔

غرض حضرت بلال ؓ مدت مدید تک ایسے ایسے زہرہ گداز مظالم کی چکی میں پستے رہے ان کا حال پڑھ کر جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے آپ ؓ کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو شدید زخمی نہ ہو چکا ہو لیکن کوئی بھی مصیبت، سختی اور اذیت بلال حبشی کے قصر ایمان کے کنگروں کو ذرہ برابر بھی جنبش نہ دے سکی۔ (سیرت ابن ہشام، چالیس جان نثار)

## صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے:

حضرت عمرو بن العاص ؓ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ امیہ نے حضرت بلال ؓ کو سخت تپتی ریت پر لٹا رکھا ہے۔ ایسی گرم ریت کہ جس پر گوشت رکھ دیا جاتا تو وہ جل جاتا۔ مگر حضرت بلال ؓ اس حالت میں بھی کہہ رہے تھے کہ میں لات وعزیٰ کا انکار کرتا ہوں امیہ نے دیکھا کہ میری باتوں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا تو اس نے اپنے غلاموں اور قبیلہ کے لڑکوں کو کہا کہ اس کو اذیتیں دو وہ بد بخت حضرت بلال ؓ کو بری طرح مارتے پیٹتے دن کے وقت ان کے کپڑے اتروا کر لوہے کی زرہ پہناتے اور دھوپ میں ڈال دیتے اور شام کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک کوٹھڑی میں پھینک دیتے اور رات کو انہیں تازیانے رسید کرتے رہتے لیکن حضرت بلال ؓ کی زبان سے احد احد کے سوا کچھ بھی نہ نکلتا۔

حضرت حسن بن ثابت ؓ سے روایت ہے کہ میں زمانۂ جاہلیت میں حج (یا عمرے) کے لیے مکے گیا تو دیکھا کہ لڑکوں نے حضرت بلال ؓ کو ایک رسی سے باندھ رکھا ہے اور وہ ادھر ادھر گھسیٹ رہے ہیں لیکن حضرت بلال ؓ کہتے جا رہے ہیں کہ میں لات وعزیٰ ہبل اساف نائلہ اور بوانہ (بتوں کے نام) سب کا انکار کرتا ہوں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھ کو روایت پہنچی ہے کہ ایک روز امیہ حضرت بلال ؓ کو تکلیف پہنچا رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے احد احد! یہاں تک کہ ورقہ بن نوفل کا ادھر



سے گزر ہوا۔ اور انہوں نے کہا: اے بلال! قسم ہے خدا کی وہ احد ہے پھر امیہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم اسکو قتل کر دو گے تو قسم ہے خدا کی میں اس کی قبر کو زیارت گاہ بناؤں گا جس سے لوگ برکت حاصل کریں گے۔

حضرت بلال ؓ کی یہ تکلیفیں کسی سے نہ دیکھی جاتی تھیں خود رسول اللہ ﷺ کو بے حد دکھ ہوتا تھا، آپ ﷺ سخت فکر مند تھے کہ کس طرح انہیں ان مصیبتوں سے چھٹکارا دلائیں ایک دن حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے فرمایا کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بلال کو آزاد کرا لیتا حضرت ابوبکر صدیق خود چاہتے تھے کہ کسی طرح ان مصیبتوں کا خاتمہ ہو حضرت بلال ؓ کے مالکوں کو بہت کچھ سمجھایا اور کوشش کی کہ ان پر مظالم سے باز آ جائیں مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ بالآخر ارادہ کیا کہ حضرت بلال ؓ کو خرید لیا جائے مگر سوچا کہ شاید وہ مسلمانوں کے ہاتھوں بلال کو نہ بیچیں تو حضرت عباس کو منتخب کیا گو کہ حضرت عباس ؓ اس وقت مسلمان تو نہ ہوئے تھے لیکن مسلمانوں سے ہمدردی رکھتے تھے حضرت عباس ؓ ان سے ملے اور کہا: یہ غلام تمہارے لیے بالکل بے کار ہے بہتر ہے اسے بیچ دو ان لوگوں نہ کہا یہ بڑا نکما ہے اسے لے کر آپ کیا کریں گے۔ لیکن عباس ؓ نے سمجھا بجھا کر راضی کر لیا اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ایک بہترین غلام کے بدلے خرید لیا اس وقت حضرت بلال ؓ کی حالت یہ تھی کہ پتھروں کے نیچے دبے ہوئے تھے خریداری کے بعد یہ پتھر ہٹائے گئے اور آپ ؓ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پاس لائے گئے تو ابوبکر صدیق ؓ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حضرت بلال ؓ کو آزاد کر دیا۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ادھر سے گزر ہوا جہاں حضرت بلال ؓ کو تکلیفیں دی جا رہی تھیں۔ آپ نے حضرت بلال ؓ کو دیکھ کر امیہ سے فرمایا اس مسکین کو تکلیف دینے میں خدا سے کیوں نہیں ڈرتا امیہ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے کہا تم ہی نے اس کو خراب کیا ہے حضرت ابوبکر ؓ نے

Scanned with CamScanner

فرمایا: اگر یہی بات ہے تو یہ مجھے دیدے اور اس کے بدلے فلاں حبشی غلام جو میرا ہے اور نہایت قوی ہیکل اور سخت قلب نیز تیرا ہم مشرب ہے اس کو لے لے امیہ اس بات پر راضی ہو گیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ غلام اس کو دے کر بلال کو آزاد کروالیا۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں سات اوقیہ (تقریباً ۲۳ تولے سونے کے عوض) خرید لیا۔

لبنان کے مشہور ادیب مفکر اور سوانح نگار عباس محمود العقاد لکھتے ہیں کہ بعض نے پانچ اوقیہ بعض نے سات اوقیہ اور بعض نے نو اوقیہ تک لکھا ہے اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت بلال کو خرید چکے تو امیہ نے کہا کہ اگر تم ان کو ایک اوقیہ سونے میں خریدتے تو میں ان کو تمہارے ہاتھ بیچ ڈالتا اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم ان کے سو اوقیہ بھی طلب کرتے تو بھی میں ان کو خریدے بغیر نہ چھوڑتا۔

## خریداریٔ بلال پر امام الانبیاء علیہ السلام کی خوشی:

رسول اللہ ﷺ کو جب اطلاع ہوئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال کو خرید لیا ہے تو آپ ﷺ کو نہایت خوشی ہوئی اور آپ ﷺ نے رقم کی ادائیگی میں خود کو بھی شریک کرنا چاہا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بلال کو اللہ کے لیے آزاد کر چکا ہوں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ سرکار ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا آدھی قیمت ہم سے لے لو تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تڑپ اٹھے عرض کیا۔

گفت مادو بندگان کوئے تو
کردمش آزاد ہم بر روئے تو

کہ حضور میں بھی آپ کا غلام اور بلال بھی، میں نے انہیں آپ ہی کے لیے



خریدا ہے میں نے انہیں آزاد کر دیا بلال رضی اللہ عنہ نے جب چہرہ مصطفےٰ ﷺ دیکھا تو غش کھا کر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے حضور ﷺ نے اپنی چادر سے چہرے کا گرد و غبار صاف کیا اور فرمایا: اوذیت فی اللّٰہ کثیرا۔ اے بلال تجھے اللہ کی راہ میں بہت اذیتیں پہنچیں۔

## آزادی کے بعد:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سرکار ﷺ کی صحبت میں وقت گزارنے کا بہت موقع ملا آپ رضی اللہ عنہ سرکار کے گھر کے معمولی کام کاج کرتے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنا معتمد اور خزانچی بنا لیا اور اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ سرکار ﷺ کے بھی خادم بکار خاص ہو گئے۔

## خدمت سرکار کا اعزاز:

طبقات ابن سعد میں ہے کہ نجاشی حبشہ نے رسول اللہ ﷺ کو تین عصا بھیجے۔ ایک تو آپ نے اپنے لیے رکھ لیا ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور ایک حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا عصا عیدین میں رسول اللہ ﷺ کے آگے لے کر چلتے۔

یہاں تک کہ وہ عیدگاہ میں آتے اسے آپ ﷺ کے آگے گاڑ دیتے اور آپ اسی کو سترہ بنا کر نماز پڑھتے اس کے بعد اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آگے چلتے۔ محمد بن عمر نے کہا وہ اسے آپ ﷺ کے آگے گاڑ دیتے (تاکہ نماز کے لیے سترہ ہو جائے) اور اس زمانے میں عیدگاہ میدان تھا ایک روایت میں ہے کہ نماز عید اور نماز استقاء کے دن رسول ﷺ کے آگے بلال رضی اللہ عنہ عصا لے کر چلتے۔ (طبقات ابن سعد)

آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زمانہ جنگ و امن سفر و حضر میں ہر وقت بحیثیت ایک جان نثار باڈی گارڈ کے رہا کرتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی

Scanned with CamScanner

حضرت بلال ؓ کو اس طرح کا باڈی گارڈ نہ سمجھا جیسا کہ امراء اور سلاطین کے یہاں سمجھا جاتا ہے حضرت بلال ؓ نے خود اپنے ذمے رسول اللہ ﷺ کی معیت اور نگرانی کے فرائض لیے تھے۔ اس لیے کہ ان کو آپ ﷺ کے ہمہ وقتی دیدار اور سچی رفاقت و مصاحبت سے روحانی سرور اور قلبی سکون حاصل ہوتا تھا۔

گرمیوں میں جب رسول اللہ ﷺ سفر پر روانہ ہوتے تو حضرت بلال ؓ سفر کے دوران جب دھوپ سخت ہو جاتی تو حضور ﷺ پر سایہ کرنے کے لیے منقش کپڑے کا بندوبست کیا کرتے تھے حالانکہ رسول اللہ کبھی بھی ان سے اس کی فرمائش نہیں کرتے تھے اور آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کے باعث بحالت جنگ میدان کارزار میں آپ ﷺ کے لیے چمڑے کا ایک خیمہ نصب کر دیتے ہیں جہاں سے آپ ﷺ ہر چیز کا مشاہدہ فرما سکتے تھے اور احکامات جاری کر سکتے تھے اس کے باوجود حضرت بلال ؓ خیمہ رسول اور میدان جنگ کے درمیان آمدورفت رکھتے تھے اور حضور ﷺ کو تمام حالات سے واقف رکھتے تھے۔ (حضرت بلال از عباس محمود العقاد لبنانی)

حضرت بلال ؓ نے ابتداء بعثت ہی سے آپ ﷺ کی خانہ داری کے تمام کاروبار کا انتظام اپنے ذمے لے لیا تھا اور اس کے لیے طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں برداشت کرتے تھے‘ لیکن آپ ﷺ کے شرف خدمت کا چھوڑنا کبھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ حضور ﷺ کا معمول تھا کہ جب کوئی غریب مسلمان خدمت مبارک میں حاضر ہوتا اور اس کے بدن پر کپڑے نہ ہوتے تو حضرت بلال ؓ کو حکم دیتے اور قرض دام لے کر اس کی خوراک ولباس کا انتظام کرتے۔ ایک بار کسی مشرک سے اس غرض کے لیے قرض لیا‘ لیکن ایک دن اس نے دیکھا تو نہایت سخت لہجے میں کہا‘ او حبشی تجھے معلوم ہے کہ اب مہینے میں کتنے دن رہ گئے ہیں صرف چار دن‘ اسی عرصہ میں قرض وصول کر لوں گا“۔ ورنہ جس طرح تو پہلے بکریاں چرایا کرتا تھا اسی طرح بکریاں چرواؤں گا۔ حضرت بلال ؓ کو اس سے سخت رنج ہوا‘ عشاء کے بعد آپ ﷺ کی



خدمت میں آئے اور کہا کہ مشرک نے مجھے یہ کچھ کہا ہے اور وہ مجھے ذلیل کر رہا ہے اجازت فرمائیے تو جب تک قرض ادا نہ ہو جائے مسلمان قبائل میں بھاگ کر پناہ لے لوں؟ گھر واپس آئے تو بھاگنے کا تمام سامان بھی کر لیا‘ لیکن رزاق عالم نے صبح تک خود قرض کے ادا کرنے کا تمام سامان کر دیا۔ (ابوداؤد کتاب الخراج، قبول ہدایا المشرکین)

## رنگتِ بلال ؓ کی عظمت:

شب معراج، حضرت بلال حبشی ؓ کی قسمت کی معراج کا ثبوت پیش کرنے کے لیے دلیل بن گئی۔ سرکار ﷺ جب فرشتوں کے جھرمٹ میں عالم ملکوت کا معائنہ فرماتے ہوئے جنت الفردوس کی طرف تشریف لے گئے تو ایک جگہ سرکار ﷺ نے ایک حور کو رنج وغم میں مبتلا دیکھا اور حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ معلوم کرو کہ یہ حور کیوں روتی ہے۔ آخر اسے کون سا دکھ ستا رہا ہے۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام نے دریافت فرمایا تو اس حور نے عرض کیا کہ میں نے اسی لیے اپنا ایسا حال بنا رکھا تھا کہ سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ کی رحمت بھری نگاہیں مجھ پر پڑیں اور پھر میں اپنا حال عرض کرنے کی سعادت حاصل کر سکوں۔

حسب خواہش حور کو سرکار ﷺ کے دربار پُرانوار میں حاضر ہو کر حال عرض کرنے کی اجازت مل گئی تو اس نے جھک کر سلام کرنے کے بعد اپنی سرگزشت سنائی کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے جنت کی حوروں میں حسن و جمال کی ملکہ بنایا۔ تمام جنتوں میں حسن و جمال میں مجھ جیسی کوئی حور نہیں۔ ہر طرف میرے حسن کا چرچا ہے اگر میں بے نقاب ہو جاؤں تو دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں اور جنت میں دوپہر کا اجالا پھیل جائے۔

یا رسول اللہ ﷺ! ایک دن کا واقعہ ہے کہ اچانک میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ بروز قیامت ہر حور کسی نہ کسی جنتی شخص کے حوالہ کی جائے گی۔ میرا بھی ضرور کوئی

Scanned with CamScanner

جوڑا ہوگا جس کی دائمی رفاقت مجھے نصیب ہوگی یہ خیال آہستہ آہستہ میری سوچوں پر مسلط ہوتا گیا اور بالآخر ایک روز میں نے خالق کائنات کی بارگاہ میں عرض کر ہی دیا کہ اے رب العالمین! تیرا بے حد احسان ہے کہ تو نے مجھے حسن و جمال کی وجہ سے حوروں کی ملکہ بنایا اب میری خواہش بھی پوری کر دے کہ جنت میں میرا جوڑا کون سی ہستی ہو گی؟ وہ کیسا حسین و جمیل ہوگا جس کے سپرد مجھے کیا جائے گا؟ رحمتوں کا دریا جوش میں آیا اور میری یہ التجا قبول ہوئی۔ حکم ہوا: سامنے جو آئینہ رکھا ہے اسے ایک نظر دیکھ لے۔ تیرے جوڑے کی جھلک نظر آ جائے گی۔

یارسول اللہ ﷺ! میں دیوانہ وار آئینے کی طرف بڑھی تا کہ اپنے محبوب مقبول ترین ساتھی کی جھلک دیکھ لوں۔ جونہی نگاہ اٹھائی دل پر ایک بجلی گری اور آرزوؤں کا سارا خرمن جل گیا۔ اس وقت سے آج تک بے چین ہوں اور اسی غم کی وجہ سے رو رہی ہوں کہ ایک بدشکل سیاہ فام کے ساتھ میرا جوڑا بنایا گیا؟ میں کس طرح دائمی زندگی اس کے ہمراہ بسر کر سکوں گی جبکہ صرف اس کا تصور ہی میرے لیے وحشت ناک ہے۔

سرکار ﷺ نے زیرلب مسکراتے ہوئے دریافت فرمایا! اپنے جوڑے کا جو سراپا تو نے آئینہ میں دیکھا تھا اس بارے میں کچھ بیان کر۔

اس نے عرض کیا: سرتاپا مجسم سیاہی' موٹے موٹے ہونٹ' چوڑے دانت' بھدا چہرہ' تنگ و تاریک پیشانی'' چھوٹی آنکھیں' بے ڈھنگا قد۔

جیسے ہی سرکار ﷺ نے حور کا اپنے جوڑے کے حلیے کے بارے میں بیان سماعت فرمایا تو سرکار ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور جلال سے سرخ ہوتی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے فرمایا!

''تو نے جو سراپا بیان کیا ہے وہ تو میرے پیارے بلال (ؓ) کا ہے۔ ایک عاشق سراپا' ایک مومن وفا کیش اور نگار خانۂ ہستی کے ایک گوہر نایاب کو پا کر تو اپنی غم نصیبی کا شکوہ کر رہی ہے کیا تجھے نہیں معلوم کہ بلال (ؓ) میرا عاشق مجسم ہے میں نے



اپنی پلکوں کے سایے میں اسے پناہ دی اور سن لے! میرا بلال (ؓ) ایسی شان والا ہے کہ بروز قیامت اس کے جسم کی سیاہی حوران جنت کے رخساروں پر تل بنا کر تقسیم کر دی جائے گی وہ ایسا عاشق ہے کہ اس نے عشق ہی کی وجہ سے ہر آسائش سے منہ پھیر لیا۔ وہ تو حسن مجرد کا تماشائی ہے۔ اپنے حسن و جمال پر غرور نہ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ جس دن تو ستر ہزار نقاب الٹ الٹ کر بلال (ؓ) کے سامنے آئے تو میرا بلال (ؓ) تجھے ناپسند کر دے۔

سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ کا یہ فرمان عالی شان سن کر حور اضطراب شوق کی وجہ سے چیخ اٹھی۔

دیکھ کے رتبہ بلال حبش دا
ہو گیاں قربان شکلاں والیاں

سرکار! سرکار! ﷺ میری معذرت قبول فرمائی جائے۔ میرا غم والم' شکوہ شکایت جاتے رہے۔ بس مجھے سیاہ فام بلال (ؓ) پسند ہے یہ تو میری خوش نصیبی کی معراج ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا عاشق زار میرے حصے میں آیا۔ جس کی معذرت قبول فرماتے ہوئے اور دعائیں دیتے ہوئے سرکار ﷺ آگے بڑھ گئے۔

(بحوالہ زُلف و زنجیر)

## ایک عجیب واقعہ اور اس کا سبب:

ایک مرتبہ ایک یہودی مجھے ملا اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے وسعت اور ثروت حاصل ہے تو کسی سے قرض نہ لیا کر جب ضرورت ہوا کرے مجھ ہی سے قرض لے لیا کر۔ میں نے کہا: اس سے بہتر کیا ہوگا۔ اس سے قرض لینا شروع کر دیا جب ارشاد عالی ہوتا اس سے قرض لے آیا کرتا اور ارشادِ والا کی تعمیل کر دیتا ایک مرتبہ وضو کر کے اذان کہنے کے لیے کھڑا ہی تھا کہ وہی یہودی ایک جماعت کے ساتھ آیا اور کہنے لگے: او حبشی! میں ادھر متوجہ ہوا تو ایک دم بے تحاشا گالیاں دینے لگا اور بُرا بھلا جو منہ میں آیا کہا

Scanned with CamScanner

اور کہنے لگا کہ مہینہ میں کتنے دن باقی رہ گئے ہیں میں نے کہا قریب ختم کے ہے کہنے لگا چار دن باقی ہیں اگر تم نے میرا سب قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے اپنے قرضہ میں غلام بناؤں گا اور اس طرح بکریاں چراتا پھرے گا۔ جیسا کہ پہلے تھا۔ یہ کہہ کر چلا گیا۔ مجھ پر دن بھر جو گذرنا چاہیے تھا وہی گذرا۔ تمام دن رنج وصدمہ سوار رہا اور عشاء کی نماز کے بعد حضور کی خدمت میں تنہائی میں حاضر ہوا اور سارا قصہ سنایا اور عرض کیا یارسول اللہ! آپ کے پاس اس وقت ادا کرنے کو فوری انتظام ہے اور نہ ہی کھڑے کھڑے میں کوئی انتظام کر سکتا ہوں وہ ذلیل کرے گا اس لیے اگر اجازت ہو تو جب تک قرض اترنے کا انتظام نہ ہو میں کہیں روپوش ہو جاؤں جب آپ کے پاس کہیں سے کچھ آ جائے گا میں حاضر ہو جاؤں گا یہ عرض کر کے میں گھر آیا۔ تلوار لی، ڈھال اٹھائی۔ جوتا اٹھایا یہ ہی سامان سفر تھا اور صبح ہونے کا انتظار کرتا رہا کہ صبح کے قریب کہیں چلا جاؤں گا۔ صبح قریب ہی تھی کہ ایک صاحب دوڑے ہوئے آئے اور کہا کہ حضور کی خدمت میں جلدی چلو۔ میں حاضر خدمت ہوا۔ دیکھا کہ چار اونٹنیاں جن پر سامان لدا ہوا تھا۔ بیٹھی ہیں حضور نے فرمایا خوشی کی بات سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قرضہ کی بیباقی کا انتظام فرما دیا۔ یہ اونٹنیاں بھی تیرے حوالے اور ان کا سب سامان بھی' فدک کے رئیس نے یہ نذرانہ مجھے بھیجا ہے میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خوشی خوشی ان کو لے کر گیا اور سارا قرضہ ادا کر کے واپس آیا۔ حضور اقدس ﷺ اتنی دیر مسجد میں انتظار فرماتے رہے میں نے واپس آ کر عرض کیا کہ حضور اللہ کا شکر ہے حق تعالیٰ نے سارے قرضہ سے آپ کو سبکدوش کر دیا ہے اور اب کوئی چیز بھی قرضہ کے طور پر باقی نہیں رہی۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ سامان میں سے بھی کچھ باقی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں کچھ باقی ہے حضور نے فرمایا کہ اسے بھی تقسیم ہی کر دے تاکہ مجھے راحت ہو جائے میں گھر بھی اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک یہ تقسیم نہ ہو جائے تمام دن گزر جانے کے بعد عشاء کی نماز سے فراغت پر حضور نے دریافت فرمایا کہ وہ بچا ہوا مال تقسیم ہو گیا یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ



موجود ہے ضرورت مند آئے نہیں۔ تو حضور نے مسجد ہی میں آرام فرمایا۔ دوسرے دن عشاء کے بعد پھر حضور ﷺ نے فرمایا: کہو جی کچھ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کو راحت عطا فرمائی کہ وہ سب نمٹ گیا حضور نے اللہ جل جلالہ کی حمد وثنا فرمائی حضور کو یہ ڈر ہوا کہ خدانخواستہ موت آ جائے اور کچھ مال آپ ﷺ کی ملک میں رہے اس کے بعد گھروں میں تشریف لے گئے اور بیویوں سے ملے۔ (الوفا صفحہ ۲۷۸،۲۷۷)

اس عجیب واقعہ کا سبب اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے چنانچہ مؤلف ''مؤذن الرسول'' لکھتے ہیں:

اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ سیدنا بلال کی سریلی آواز یہودی کے قلب پر یوں اثر انداز ہوئی کہ باوجود اسلام کے سخت دشمن ہونے کے اذان کی آواز پر جھوم جاتا۔ اس سے اسے خطرہ لاحق ہوا کہ اس آواز سے تو یہودیت ختم ہو سکتی ہے کہ جب اس پر متعصب ومتشدد ہونے کے باوجود میرا جی بھی اسلام کی طرف کھچ جاتا ہے اس لیے کوئی ایسی صورت ہو کہ حضرت بلال ؓ کو دوبارہ غلامی کے دائرہ میں لایا جائے اس کی آسان صورت یہی تھی کہ اس نے آپ کو قرض دینے پر آمادہ کیا اور سمجھا کہ اس سے قرض ادا نہ ہوگا تو میں اسے غلام بنالوں گا چنانچہ اس کی یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی یہاں تک کہ حضرت بلال ؓ کو بھی خطرہ ہو گیا اسی لیے حضور سرور عالم ﷺ سے روپوش ہونے کی اجازت طلب کر لی۔ لیکن جسے خدا رکھے اسے کون چکھے، اللہ تعالیٰ کو گوارا نہ ہوا کہ محبوب ﷺ کے خزانچی کو کوئی پریشانی آئے اس لیے ایسا سامان بنایا کہ یہودی منہ تکتا رہ گیا۔ (مؤذن الرسول)

✿ سیدنا بلال ؓ کو کئی عہدوں سے نوازا گیا تھا وہ بہت سے امور کو سرانجام دیتے تھے منجملہ ان کے ایک خزانچی کا عہدہ بھی تھا اسی لیے انہیں رسول ﷺ نصیحت کے طور پر گاہے گاہے فرماتے: انفق بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالاً۔

(راوہ الطبرانی الکبیر والنبر ارفی مسندہ)

اے بلال! خرچ کر عرش والے سے نہ ڈر کہ کمی کرے گا۔

حضرت ابن سعد فرماتے ہیں کہ

**دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ بلال و عندہ صبر ممن ثمر فقال ما ھذا یا بلال قال یارسول اللہ ذخرتہ لک ولضیوفک قال اما تخشی ان یفور لھا بخار من جھنم انفق یا بلال۔**

حضور سید عالم ﷺ حضرت بلال ؓ کے ہاں تشریف لائے اور دیکھا کہ ان کے آگے کھجوروں کا ڈھیر لگا پڑا ہے فرمایا: یہ کیا؟ عرض کی: حضور آپ کے اور آپ کے مہمانوں کے لیے میں نے جمع کر رکھا ہے۔ فرمایا: تجھے یہ ڈر نہ ہوا کہ اسے نار جہنم اڑا لے جائے گی۔ اسے خرچ کر دے۔

امام ابن جوزی حضرت بلال ؓ کے متعلق لکھتے ہیں: **وقد کان بلال یخدمہ کثیرا و کان خازنہ علی بیت مالہ۔** حضرت بلال حضور سرور عالم ﷺ کی بکثرت خدمت کرتے اور آپ کے بیت المال کے خزانچی تھے۔

## حضرت بلال ؓ اور غزوات

### غزوۂ بدر:

حضرت سعد بن معاذ ؓ اور امیہ بن خلف کے درمیان زمانہ جاہلیت سے دوستانہ مراسم تھے۔ جب مدینے آتا تو ان کے گھر ٹھہرتا اور جب آپ ؓ مکہ تشریف لے جاتے تو اس کے ہاں قیام فرماتے۔ اسی دوستی کے ناطے حضرت سعد ؓ عمرے کے لیے مکہ تشریف لے گئے اور آپ ؓ نے اس سے فرمایا کہ مجھے ایسے وقت میں طواف کروا دو جب حرم خالی ہو چنانچہ دوپہر کو امیہ بن خلف ان کو طواف کے لیے لے گیا وہاں عین حرم کے دروازے پر ابوجہل نے ان کو روک کر کہا: ”تم ہمارے دین کے مرتدوں کو پناہ دو اور ان کی امداد و اعانت کا دم بھرو اور ہم تمہیں اطمینان سے مکہ میں



طواف کرنے دیں۔ بخدا! اگر تم امیہ بن خلف کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ نہ جا سکتے“۔

حضرت سعد ؓ نے جواب میں فرمایا: ”بخدا تم نے مجھے اس چیز سے روکا تو میں تمہیں اس چیز سے روک دوں گا جو تمہارے لیے اس سے شدید تر ہے یعنی مدینے سے تمہاری رہ گزر۔“

حضرت سعد ؓ نے ابوجہل کو یہ سخت جواب دیا تو امیہ نے ان سے کہا: ”اس (ابوجہل) سے سخت کلامی نہ کرو یہ اس وادی کے لوگوں کا سردار ہے۔“ حضرت سعد ؓ نے فرمایا: ”چھوڑو بھی! میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ مسلمان تمہیں قتل کریں گے“۔

امیہ نے یہ سن کر سخت پریشانی کے عالم میں پوچھا: ”کیا یہ لوگ مجھے مکہ میں قتل کریں گے؟“

حضرت سعد ؓ نے فرمایا: ”میں یہ نہیں جانتا“۔ امیہ بن خلف نے حضرت سعد ؓ کا یہ فرمان اپنی بیوی کو سنایا تو اس نے کہا: ”خدا کی قسم محمد (ﷺ) جھوٹ نہیں بولتے“۔

اس واقعہ کے بعد بھی کفار حسبِ معمول مسلمانوں سے مسلح تصادم کے بہانے تلاش کرنے لگے اور بالآخر ایک تجارتی قافلے کو نقصان پہنچنے کے اندیشہ کی وجہ سے کفار مکہ ایک ہزار لشکر لے کر مکہ سے روانہ ہوئے۔ امیہ بن خلف ساتھ نکلنے کو تیار نہ تھا لیکن ابوجہل نے اصرار کر کے اسے ساتھ لیا۔ سرکار ﷺ بھی تین سو تیرہ مجاہدین کا ایک قافلہ لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے اور بدر کے مقام پر قیام فرمایا۔ دونوں طرف سے صف بندی ہوئی۔ ابوجہل اس منظر کو کھڑا دیکھ رہا تھا۔ ابوالبختری نے ابوجہل سے پوچھا: ”اس کے بارے میں تیری رائے کیا ہے؟“

ابوجہل نے کہا: ”بخدا یہ شخص (سرکار ﷺ) جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے“۔

اس سے پوچھا: ”پھر اس سے کیوں لڑتا ہے“؟

Scanned with CamScanner

ابوجہل بولا!''خدا کی قسم!عمر بن ہشام (ابوجہل) کا گھٹنا بلال (ؓ) کے گھٹنے نہیں چھو سکتا (یعنی میں بلال کے برابر نہیں بیٹھ سکتا)۔ میں مرتے دم تک لڑوں گا''۔

معرکہ کارزار گرم ہوا، خاندان، قبائل، نسل و برادری کے تعلقات پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب آ گئی۔حق کے پرستاروں نے قومیت کے بُت چکنا چور کر دیے۔

حضرت ابوعبیدہ ؓ نے اپنے باپ عبداللہ بن جراح کو قتل کیا۔

حضرت مصعب بن عمیر ؓ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا۔

حضرت عمر ؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا۔

حضرت ابوبکر ؓ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن سے لڑنے کیلئے تیار ہو گئے۔

حضرت حذیفہ ؓ اپنے باپ عتبہ کے مقابلے کو نکلے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت حمزہ ؓ اور حضرت عبیدہ بن الحارث ؓ نے عتبہ، شبیہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا جو ان کے قریبی رشتہ دار تھے۔

حضرت مصعب بن عمیر ؓ کے سگے بھائی ابوعزیز بن عمیر کو ایک انصاری مجاہد پکڑ کر باندھ رہے تھے۔حضرت مصعب ؓ نے دیکھا تو پکار کر فرمایا:''ذرا مضبوط باندھنا، اس کی ماں بڑی مالدار ہے، اس کی رہائی کے لیے تمہیں بہت سا فدیہ دے گی''۔

ابوعزیز نے کہا:''تم بھائی ہو کر یہ بات کہہ رہے ہو؟'' حضرت مصعب ؓ نے جواب دیا:''اس وقت تم میرے بھائی نہیں ہو بلکہ یہ انصاری میرا بھائی ہے جو تمہیں باندھ رہا ہے''۔

امیہ بن خلف کو اپنے قتل ہونے کا خوف پریشان کر رہا تھا وہ اپنی جان بچانے کی غرض سے ایک پہاڑ کی جانب بھاگا تو حضرت بلال ؓ نے دیکھ لیا اور پکار کر فرمایا: ''اے گروہ انصار! دیکھو دشمن خدا بھاگ رہا ہے''۔انصار اس کی طرف دوڑ کر گئے اور اسے گرفتار کر کے لائے۔امیہ بن خلف گرفتار ہونے کے بعد حضرت بلال ؓ کے



ہاتھ سے مارا گیا۔امیہ بن خلف قتل ہوا تو حضرت ابوبکر ؓ نے حضرت بلال ؓ کو اس طرح مبارک باد دی۔

مبارک ہو اے بلال (ؓ)! اللہ تعالیٰ تمہیں خیر و برکت سے نوازے تم نے دشمن خدا (امیہ بن خلف) سے اپنا انتقام لے لیا''۔ (اسد الغابہ، استیعاب)

غزوۂ بدر میں حضرت بلال ؓ، سرکار ﷺ کے ہم رکاب تھے واقدی نے قتل امیہ بن خلف کے بارے میں مختلف روایات درج کی ہیں۔جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ جو کسی زمانہ میں امیہ بن خلف کے دوست تھے اس سے جب میدان جنگ میں ملے تو اسے اور اس کے بیٹے علی کو آگے لگا لیا اتنے میں بلال ؓ کی نظر ان دونوں پر پڑی۔اس وقت حضرت بلال ؓ آٹا گوندھ رہے تھے۔ آپ ؓ نے آٹا گوندھنا چھوڑ دیا اور اپنے ہاتھ زور زور سے مل کر چھڑانے لگے اور پکارتے جاتے تھے: اے گروہِ انصار! امیہ بن خلف سرغنہ اہل کفر ہے اگر یہ بچ گیا تو میں نہ بچوں گا۔یہ سن کر مسلمان امیہ کی طرف تیزی سے دوڑے۔حضرت خبیب بن سیاف ؓ نے آگے بڑھ کر امیہ کا مقابلہ کیا اور اس کو قتل کر دیا لیکن خود سخت زخمی ہوئے۔

دوسری روایت میں درج ہے کہ حضرت رفاعہ بن رافعہ ؓ نے سخت مقابلہ کے بعد امیہ بن خلف کو قتل کیا۔

تیسری روایت کے مطابق حضرت معمر بن خبیب ؓ نے اس کو قتل کیا اور حضرت خباب ؓ نے اس کے بیٹے علی کو۔

ایک روایت میں اس واقعہ کو کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضرت بلال ؓ نے امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کو واقعہ بدر کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کے ساتھ جو ان کو قید کر کے اپنے ساتھ لیے جا رہے تھے دیکھا تو چیخ کر فرمایا۔امیہ کفر کا سرچشمہ ہے اگر وہ چھوٹ بھی گیا تو بھی بچ نہیں سکے گا۔غرضیکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کی حمایت و مدافعت اس کے کچھ کام نہ آئی۔حضرت بلال ؓ اس کے

Scanned with CamScanner

قتل کے درپے تھے اور پکار پکار کر مسلمانوں کو اکٹھا کر لیا۔ اتنے میں کسی نے امیہ کے بیٹے پر ایک شدید ضرب کا وار کیا جس سے وہ پچھاڑ کھا کر زمین پر گر پڑا۔

اس منظر کو دیکھ کر امیہ نے سخت خوفزدہ ہو کر زبردست چیخ ماری۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے فرمایا: ''امیہ اپنی جان بچا کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ جاؤ ورنہ بچ نہ پاؤ گے''۔ مجاہدین شدّتِ جذبات کے ساتھ باپ بیٹے پر ٹوٹ پڑے اور دونوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد سب نے حضرت بلال ؓ کو مبارک باد دی۔

الغرض غزوہ بدر میں مسلمانوں کو نصرتِ خداوندی کی وجہ سے زبردست فتح نصیب ہوئی اور بہت سے عربوں کے متکبر سردار جو مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے جہنم رسید ہوئے۔

## غزوۂ احد:

حضرت بلال ؓ سرکارِ دو عالم نورِ مجسم ﷺ کے عاشق و غلام تھے اس لیے ہر وقت سفر و حضر میں سرکار ﷺ کی خدمت میں حاضر رہنا ان کی خواہش و آرزو تھی۔ آپ ؓ اکثر سرکار ﷺ سے آگے آگے ایک نیزہ تھامے چلا کرتے۔ جہاں کہیں نماز کا وقت ہوتا اذان و تکبیر کہنے کی سعادت اُنہی کو حاصل ہوتی۔ چنانچہ غزوۂ احد میں سرکار ﷺ جب مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے اور مقام شیخین پر قیام فرمایا تو اس موقع پر حضرت بلال ؓ نے وہاں مغرب اور عشاء کی اذان کہی۔ غزوۂ بدر کے دوران آپ ﷺ کے ان جانثاروں میں موجود تھے جنھوں نے سرکار ﷺ کے گرد حلقہ بنا لیا اور کفار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

اس واقعہ کو ایک روایت میں حضرت بلال ؓ کی زبانی کچھ اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ حضرت بلال ؓ فرماتے ہیں:

''غزوۂ احد میں میرے آقا ﷺ ایک پتھر کی وجہ سے زخمی ہو کر زمین پر تشریف



لے آئے۔ ابن قمیہ جو مکہ کا ماہر شمشیر زن تھا سرکار ﷺ تک پہنچ گیا۔ یہ ایک آسان کوشش ضرب کا معاملہ تھا لیکن یکا یک خون کے جوش مارنے سے ابن قمیہ جو ٹھنڈے خون اور جذبات سے عاری آدمی تھا نفرت میں پھنس کر رہ گیا۔ اس نے تلوار ضرورت سے زیادہ بلند کر لی اور جلد ہی خود نیچے آ گیا۔ صحیح نشانہ لگانے کی تمام شہرت کے باوجود وہ ناکام رہا۔ میں نے خود کو پوری قوت کے ساتھ ابن قمیہ پر پھینکا، میری تلوار اور میرا جسم زمین سے رگڑے گئے۔ پھر ہم سب سرکار ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ ہم کل بارہ آدمی تھے اور ہماری تلواریں خار پشت کانٹوں کی طرح اٹھی ہوئی ہیں''۔

## بنی قریظہ

جب غزوۂ خندق سے مخالفین اسلام ذلیل و خوار ہو کر لوٹے تو حضرت ابن عباس ؓ کی روایت کے مطابق سرکار ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور غسل کر کے نماز ظہر ادا فرمانے کے بعد خوشبو طلب فرمائی کہ ایک چمک دار سفید عمامے والا اونٹ سوار آیا اور اس نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو فتح دے۔ آپ ﷺ نے ہتھیار اتار دیئے جلد اٹھیے اور اپنے ہتھیار پہنیے اور بنی قریظہ کی طرف توجہ فرمائیے۔ خدا کی قسم! میں جا کر ان کے قلعہ کو اس طرح کوٹتا ہوں اور توڑتا ہوں جیسے کہ انڈے کو پتھر مارتے ہیں۔ پس سرکارِ دو عالم نورِ مجسم ﷺ نے اسی وقت بلال ؓ کو طلب فرمایا۔ آپ ؓ نے حکم کے مطابق مدینہ شریف میں اعلان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کے شہسوارو! سوار ہو جاؤ، ہر سننے والے فرمانبردار کو دوسری نماز بنی قریظہ میں گزارنی چاہیے۔

اس غزوہ میں حضرت بلال ؓ کے بھائی حضرت خالد ؓ بھی نیزہ بدست ساتھ تھے۔ مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا جب مسلمان مجاہدین بنی قریظہ کے پاس پہنچے۔ بعض صحابہ رضوان اللہ اجمعین نے وقت کی رعایت کرتے ہوئے عصر کی

Scanned with CamScanner

نماز ادا فرمائی اور بعض نے بنی قریظہ میں جا کر ادا فرمائی۔ جب سرکار ﷺ کو علم ہوا تو دونوں میں سے کسی پر بھی ملامت یا ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا۔ (بحوالہ مدارج النبوۃ)

## غزوۂ خیبر:

جب سرکار مدینہ سرور قلب وسینہ ﷺ نے خیبر کے قلعہ قموص کو فتح فرمایا تو آپ ﷺ کے سامنے قلعہ کے حاکم کی بیٹی صفیہ اور ان کے ایک کمسن رشتہ دار کو حاضر کیا گیا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو حضرت بلال ؓ کی نگرانی میں خیمہ گاہ کی طرف بھیج دیا۔ جب حضرت بلال ؓ ان دونوں کو لے کر خیبر کے مقتولین کے پاس سے گزرے تو چھوٹی لڑکی اس منظر کو دیکھ کر بے تحاشا روئی۔ سرکار ﷺ کو حضرت بلال ؓ کے اس عمل پر سخت رنج ہوا اور جس وقت حضرت بلال ؓ صفیہ ؓ کو خیمہ میں پہنچا کر واپس تشریف لائے تو رحمۃ للعالمین ﷺ نے آپ ؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے بلال! (ؓ) کیا تم نے اپنے دل سے رحم کو نکال ڈالا ہے؟ کیا تمہیں اس کمسن بچی پر ترس نہ آیا؟ تم اس کو مقتولین کی طرف سے کیوں لے گئے؟''

اس پر بلال ؓ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! ﷺ میں چاہتا تھا کہ صفیہ کو وہ حالت دکھادوں جو اس کو شاق تھی۔ یارسول اللہ ﷺ! آپ مجھے اس بار معاف فرمادیں آئندہ ایسا نہ ہوگا۔''

## قصۂ لیلۃ التعریس:

فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے واپسی کا حکم فرمایا۔ راستے میں مجاہدین اسلام نے وادئ قریٰ میں قیام فرمایا۔ رات کا وقت تھا سرکار ﷺ نے فرمایا: ''کون ایسا شخص ہے جو آج کی رات پہرہ دے اور صبح کی نماز کے لیے بروقت جگا دے کیونکہ رات تھوڑی رہ گئی ہے شاید ہمیں گہری نیند آجائے اور صبح کی نماز قضا ہو جائے''۔ حضرت بلال ؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں جاگتا رہوں گا۔ سرور کائنات ﷺ اور



دیگر مجاہدین آرام فرمانے لگے اور نیند آگئی جبکہ حضرت بلال ؓ نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئے اس کے بعد مشرق کی طرف منہ کر کے صبح کے انتظار میں لاٹھی کے سہارے بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ آپ ؓ کو بھی اسی حالت میں نیند آگئی۔ سورج چڑھ گیا اور اس کی تیز تیز کرنوں نے سرکار ﷺ کے قدمین شریفین کے بوسے لینے شروع کر دیے۔ جس کی وجہ سے مدنی آقا ﷺ بیدار ہوئے۔ سرکار ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو یاد فرمایا: (پکارا) کہ ''اے بلال (ؓ)! یہ تم نے کیا کیا''۔ حضرت بلال ؓ فوراً بیدار ہوئے اور عرض کیا ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم جس نے حضور پرنور کو سلایا اسی نے مجھ کو بھی سلا دیا''۔ سرکار ﷺ نے فرمایا: ''تو سچ کہتا ہے'' پھر آپ ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جگایا اور اس وادی سے کچھ دور جا کر وضو فرمایا پھر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی وضو فرمایا۔ اس کے بعد حضرت بلال ؓ نے تکبیر کہی اور سرکار ﷺ نے باجماعت نماز کی ادائیگی کے بعد فرمایا: ''جب تم نماز کو بھول جاؤ تو پھر جس وقت یاد آجائے اسی وقت اس کو پڑھ لو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ''۔ (بحوالہ مدارج النبوۃ)

## حضرت بلال ؓ اور غزوۂ تبوک:

غزوۂ تبوک میں حضرت عبداللہ ؓ ذوالبجادین بھی شریک تھے۔ آپ ؓ سرکار ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! دعا فرمائیے کہ میں راہ خدا میں شہید ہو جاؤں''۔ سرکار دوعالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا جاؤ کسی درخت کا چھلکا لے آؤ۔ حضرت عبداللہ ؓ گئے اور درخت سمرہ کا چھلکا لے آئے سرکار ﷺ نے اس چھلکے کو آپ ؓ کے بازو پر باندھا اور فرمایا: ''یا اللہ (ﷻ)! میں نے اس کے خون کو کافروں پر حرام کر دیا''۔

حضرت عبداللہ ؓ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میری یہ غرض

Scanned with CamScanner

نہیں تھی"۔

سرکار ﷺ نے فرمایا: "جب تو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں غزوہ کی نیت سے نکلا ہے اور اس کی راہ میں تجھے بخار آ جائے اور اس بخار سے تو فوت ہو جائے تو تو شہید ہو گا اور شہداء میں شمار ہو گا۔" جب حضرت عبداللہ ؓ حضور پر نور ﷺ کے ہمراہ تبوک کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگوں نے وہاں پہنچ کر آرام کیا۔ آپ ؓ کو بخار ہو گیا اور چند دنوں بعد وفات پائی اور انہیں رات کے وقت دفن کیا گیا۔ حضرت بلال ؓ نے ہاتھ میں چراغ پکڑا ہوا تھا سرکار ﷺ قبر پر تشریف لائے اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے آپ ؓ کو قبر میں اتارا سرکار ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ (عزوجل)! اس نے رات میرے ساتھ گزاری میں اس سے خوش ہوں، تو بھی اس سے خوش ہو جا۔"

(بحوالہ مدارج النبوت)

## غزوۂ تبوک اور کھانے میں برکت:

بنی سعد بن ہذیم کے ایک شخص کا کہنا ہے کہ میں غزوۂ تبوک میں سرکار ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ ان میں ساتویں تھے۔ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں سلام کیا۔ تو آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ میں نے عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَ اَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰه۔" سرکار ﷺ نے فرمایا: "افلح وجھک"۔ تیرا چہرہ کامیاب ہوا۔ اس کے بعد فرمایا: "اے بلال (ؓ) اس کے لیے کھانا لاؤ۔" حضرت بلال ؓ نے چمڑے کا دستر خوان بچھا دیا اور قدرے خرما، روغن ملا لائے اور اس دستر خوان پر رکھ دیا۔ حضور پر نور ﷺ نے فرمایا: "کھاؤ"۔ ہم نے اس قدر کھایا کہ سیر ہو گئے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اگر میں تنہا اس طعام کو کھاتا تو میرا پیٹ نہ بھرتا (کھانا اتنا کم تھا)۔ کیا یہ بات ہے کہ اب ہم تمام کا پیٹ بھر گیا۔ فرمایا "الکافر یاکل فی سبعۃ امعاء و المؤمن یاکل فی معاء



واحد (او کما قال)"۔ کافر سات انتڑیوں میں کھانا بھرتا ہے اور مومن ایک انتڑی بھر کر سیر ہو جاتا ہے۔

اگلے روز بوقت چاشت میں پھر گیا تا کہ میں کوئی ایسی چیز دیکھوں جو میرے یقین کی زیادتی کا سبب بنے۔ میں نے دیکھا کہ دس اشخاص سرکار ﷺ کے پاس بیٹھے ہیں فرمایا: "اے بلال (ؓ) ہمیں کھانا دو۔" حضرت بلال ؓ نے ایک مٹھی کھجوریں تھیلے میں سے باہر نکالیں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا: اخرج ولا تخف من ذی العرش اقلالا"۔ نکالتا جا اور عرش والے سے مفلسی کا ڈر نہ رکھ۔ حضرت بلال ؓ نے تھیلا لا کر تمام کھجوریں دستر خوان پر ڈال دیں۔ سرکار ﷺ نے ان کھجوروں پر دست مبارک رکھ کر فرمایا "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کھائیں مجھے کھجوروں کی بڑی رغبت تھی۔ میں نے اس قدر کھائیں کہ کوئی گنجائش باقی نہ رہی اور جب میں نے دستر خوان کی طرف دیکھا تو اس پر اسی مقدار میں کھجوریں موجود تھیں گویا کہ ان میں سے ایک کھجور بھی نہیں کھائی گئی۔ تین روز تک اسی طرح میں سرکار ﷺ کی محفل کا مشاہدہ کرتا رہا۔ (بحوالہ مدارج النبوۃ)

## فتح مکہ:

جب کفار نے معاہدہ حدیبیہ توڑ دیا تو سرکار ﷺ دس ہزار مسلمانوں کا ایک عظیم الشان لشکر لے کر مدینہ شریف سے روانہ ہوئے اور گیارہ رمضان المبارک کی رات کوہِ صفا کی اوٹ میں قیام فرمایا۔ اگلی صبح یعنی گیارہ رمضان المبارک ۸ھ کو مسلمانوں مجاہدین کا لشکر مقام پڑاؤ سے روانہ ہوا اور چاروں طرف سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔

اس اچانک یلغار سے مشرکین حیران و پریشان رہ گئے۔ لیکن پھر بھی ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے ایک مسلح جماعت کے ساتھ مسلمانوں کو روکنا چاہا۔ مگر اس مدنی انقلاب کا سامنا کرنا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ حضرت خالد بن ولید ؓ دیوانہ وار حملہ

Scanned with CamScanner

آوروں کی صفوں پر پل پڑے۔ قریش کو منہ کی کھانا پڑی اور وہ اپنی تیرہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے جبکہ تین مسلمان بھی اس جھڑپ میں شہید ہوئے۔

سرکار ﷺ کا یہ حکم تھا کہ جو شخص مقابلے پر تلوار نہ اٹھائے اسے مت چھیڑا جائے۔ جو گھر میں بیٹھ رہے اس کے ساتھ جنگ نہ کی جائے۔ جو بھاگ نکلے اس کے تعاقب کی ضرورت نہیں جو شخص حرمِ کعبہ میں داخل ہو جائے اس کو بھی پناہ ہے اور جو ابو سفیان کے مکان میں داخل ہو جائے اس کو بھی امن ہے اس لیے مسلمان مجاہدین نے بڑے صبر و تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس معرکہ عظیم کو سر کیا۔

اس موقع پر سرکارِ دو عالم نور مجسم ﷺ ناقہ پر سوار، سیاہ عمامہ شریف باندھے، سُورۂ فتح کی تلاوت فرما رہے تھے۔

حرمِ کعبہ کے قریب پہنچ کر سرکار ﷺ نے کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ سے چابیاں لے لیں اور حضرت بلال ؓ کو عنایت فرماتے ہوئے دروازہ کھولنے کا حکم فرمایا۔

حضرت بلال حبشی ؓ نے فوراً حکم کی تعمیل فرماتے ہوئے دروازہ کھولا تو سرکار ﷺ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت اسامہ بن زید ؓ اور حضرت بلال ؓ کے ہمراہ کعبہ میں داخل ہوئے اور وہاں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بتوں کو باری باری گرانا شروع فرمایا۔ سرکار ﷺ چھڑی کی نوک سے ٹھوکا دیتے اور فرماتے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا. ”حق آیا اور باطل گیا بے شک باطل کو آخر مٹنا ہی تھا۔“

کعبہ مکرمہ کو بتوں سے پاک فرمانے کے بعد سرکار ﷺ باہر تشریف لائے۔

## حضرت بلال ؓ کعبہ کی چھت پہ:

پھر سرکار ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو بامِ کعبہ پر چڑھ کر اذان پڑھنے کا حکم



فرمایا۔ عاشقِ زار نے حکم کی فوری تعمیل کی۔ اس وقت لشکرِ اسلام میں دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود تھے لیکن یہ اعزاز بھی صرف حضرت بلال ؓ کی قسمت میں تھا۔ وہ حرم جو صدیوں سے صنم خانہ بنا ہوا تھا ایک عاشق رسول ﷺ کی صدائے توحید سے گونج اٹھا۔ یہ بھی عجیب منظر تھا کہ بے شمار عرب قبائل کے سردار مسلمان اور کفار ایک آزاد کردہ غلام (جس کی گردن میں غلامیٔ مصطفیٰ کا طوق تھا) کو کعبہ کی چھت پر ترانۂ توحید سناتے دیکھ رہے تھے۔

ایک کافر عتاب بن اسید نے عصبیت کی آگ میں جل کر کہا شکر ہے میرا باپ اسید آج زندہ نہیں ورنہ اس حبشی غلام کی آواز سننے کی تاب نہ لا سکتا اور کوئی بات ضرور کہہ دیتا جو نبی پاک (ﷺ) کو ناگوار ہوتی۔ ایک کافر نے کہا: کیا رسول اللہ (ﷺ) کو اس سیاہ فام حبشی غلام کے سوا کوئی اور اذان کہنے والا نہیں ملا۔ ان تمام باتوں کا جواب اس خطبہ میں تھا جو سرکار ﷺ نے اس موقع پر دیا اور جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ایک روای نے اس واقعہ کو حضرت بلال ؓ کی زبانی کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

”مجھے میرے محبوب و مطلوب آقا ﷺ نے کعبہ کی چھت پر چڑھنے کا حکم دیا نجانے کس طرح میرے اندر بے انتہا توانائیاں جمع ہو گئیں۔ جیسا کہ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ شریف میں میری پہلی اذان نے مسجد نبوی کی تکمیل کی تھی اور اب میری اذان طہارت کعبہ کے عمل کو مکمل کرنے والی تھی۔ میں دراصل بتوں کے خلاف چڑھ رہا تھا بازوؤں کے سہارے لٹکتے ہوئے ہموار، دیواروں پر پاؤں جماتے ہوئے اوپر پہنچا۔ نیچے مکمل خاموشی تھی پھر میں نے اذان دی۔ اس کے بعد اپنے آقا ﷺ کی طرف دیکھا سرکار ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار حسب معمول مطمئن اور پُر وقار نظر آ رہے تھے۔ قریب ہی دوسرے صحابہ و صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود سب ہی بے حد مسرور دکھائی دے رہے تھے“۔ (حضرت بلال، سید عامر گیلانی)

## نکتۂ محبت:

انسان کعبہ کے نیچے ہو تو کعبہ کی طرف منہ کر کے آذان پڑھنے کا حکم ہے لیکن حضرتِ بلال ؓ تو کعبہ کی چھت پہ کھڑے تھے یقیناً خیال آیا ہوگا کہ کدھر منہ کر کے آذان پڑھوں۔ پھر دل کے مفتیِ عشق نے فتویٰ دیا ہوگا کہ حیران کیوں ہوتے ہو منہ کعبہ کے کعبہ، اپنے آقا کی طرف کر لو اور کہو اللہ اکبر۔

دیکھنے والے کہا کرتے ہیں اللہ اللہ     یاد آتا ہے خدا دیکھ کے صورت تیری

## ازدواجی زندگی:

حضرت بلال ؓ نے اگرچہ ایک سے زائد شادیاں کیں لیکن انہوں نے اپنا کوئی وارث و جانشین نہیں چھوڑا۔

آپ کی بعض بیویاں عرب کے نہایت شریف اور معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔

معروف سوانح نگار جناب طالب الہاشمی لکھتے ہیں:

''حضرت بلال ؓ کی یہ حالت تھی کہ شادی کی مطلق استطاعت نہ تھی زمین، مکان، مال، کوئی شے بھی تو ان کے پاس نہ تھی اور پھر حسن ظاہری سے بھی محروم تھے سیاہ رنگت موٹے موٹے ہونٹ اور لاغر جسم سب سے بڑھ کر یہ کہ غریب الدیار شخص تھے ان کا حبشی نژاد باپ مکہ کے خاندان بنوجمح کا غلام تھا اور غلام باپ کی طرح بیٹے نے بھی ہجرت سے پہلے سالہا سال مشرکین قریش کی غلامی میں گزارے تھے مہاجرین و انصار میں کسی سے ان کا دور کا رشتہ بھی نہ تھا اگر ان میں کوئی خوبی تھی تو وہ صرف یہ تھی کہ شمع رسالت کے پروانوں میں شامل تھے اور سفر ہو یا حضر ہمیشہ خیر البشر ﷺ کی خدمت میں رہتے تھے ان کی توقع نہیں تھی کہ ان جیسے مفلس اور غریب الوطن حبشی زادہ کو شرفائے عرب میں سے کون اپنی لڑکی کا رشتہ دینے پر آمادہ ہوگا لیکن ان کی حیرت کی



انتہا نہ رہی کہ جونہی انہوں نے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تمام مہاجرین اور انصار نے جو شرفائے عرب کا خلاصہ تھے ان کے سامنے دیدہ دل فرش راہ کر دیئے ہر ایک نے بصد خلوص آگے بڑھ کر کہا آپ کو اپنا خویش بنانے سے بڑھ کر ہمارے لیے کون سی عزت ہو سکتی ہے یہاں تک کہ اس عاشقِ رسول ﷺ کو رشتہ کا انتخاب کرنا مشکل ہو گیا۔

طبقات ابن سعد میں ہے:

ابوالبکیر کے لڑکے حضور ﷺ کے پاس آئے اور ان لوگوں نے عرض کی فلاں شخص سے ہماری بیٹی کا نکاح کر دیجئے فرمایا تم لوگ بلال ؓ سے کہاں جاتے ہو۔ وہ لوگ دوسری مرتبہ آئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہماری بہن کا فلاں شخص سے نکاح کر دیجئے فرمایا کہ تم بلال ؓ سے کہاں جاتے ہو؟ تم لوگ ایسے شخص سے کہاں جاتے جو اہل جنت میں سے ہے پھر ان لوگوں نے ان سے نکاح کر دیا۔

قتادہ کی ایک روایت ہے کہ حضرت بلال ؓ نے بنی زہرہ کی عربی لڑکی سے نکاح کیا۔

کچھ روایات کے مطابق حضرت بلال ؓ اپنے اسلامی بھائی اور دوست حضرت ابورویحہ انصاری کے ہمراہ ملک شام میں ایک قبیلہ بنی خولان میں پہنچے اور ان لوگوں سے کہا کہ ہم دونوں اپنے نکاح کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ ہم کافر تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی دولت سے نوازا۔ ہم غلام تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزادی عنایت فرمائی ہے۔ ہم تنگ دست تھے اللہ تعالیٰ نے مال نصیب فرمایا۔ اب اگر تم ہم سے نکاح کر دو گے تو ہم سب کے لیے بہتر ہوگا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت بلال ؓ نے شام کے شہر دمشق کے ایک قبیلے خولان میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ یہیں انہیں زرعی زمین بھی مل گئی اور پھر حضرت ابورویحہ ؓ بھی اسلامی بھائی حضرت بلال ؓ کے ساتھ جا کر رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد ہی حضرت ابودرداء ؓ بھی اپنے اہل خانہ سمیت یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ حضرت

Scanned with CamScanner

بلال ؓ نے ان کے ہاں اپنے اور اپنے اسلامی بھائی حضرت ابورویحہ ؓ کی شادی کا پیغام بھیجا اور انہوں نے اپنی دولڑکیاں دونوں بھائیوں کو نکاح میں دے دیں اور دونوں اسلامی بھائی خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کرنے لگے۔

## وصال نبوی اور بلال حبشی ؓ:

مرض الموت کے دوران سرکارِ دوعالم نور مجسم ﷺ حجرۂ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) میں آرام فرماتے۔ انصار کو جب علم ہوا تو ان کے اضطراب کی کیفیت بڑھنے لگی۔ اسی عالم میں وہ مسجد نبوی شریف کے گرد چکر لگانے لگے حضرت عباس اور ان کے صاحبزادے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے حجرۂ مبارکہ میں حاضر ہوئے اور پھر سرکار ﷺ کی حالت کے بارے میں انصار کو مطلع کیا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت فضل بن عباس ؓ فرماتے ہیں، کہ شدت مرض کے وقت حضور پرنور ﷺ نے سرانور پر عصابہ (کپڑا) باندھا ہوا تھا میں نے دست مبارک کو تھام رکھا تھا کہ سرکار ﷺ اسی حالت میں حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لائے اور منبر شریف پر جلوہ افروز ہوئے پھر بلال ؓ کو حکم دیا کو لوگوں کو جمع کریں مجھے ان کو وصیت کرنی ہے فرمایا: ''اے بلال (ؓ)! مدینہ کے بازاروں میں گھوم کر ندا کرو''۔ لوگوں نے جب حضرت بلال ؓ کی آواز سنی تو فوراً گھروں اور دکانوں کے دروازے کو کھلا چھوڑ کر سرکار شافع روز شمار ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے بھاگے۔ بڑے چھوٹے، عورت مرد بھی مسجد میں جمع ہو گئے یہاں تک کہ مسجد میں مزید گنجائش نہ رہی۔ پھر سرکار ﷺ نے آخری خطبہ ارشاد فرمایا:

منقول ہے کہ ایام مرض میں بھی نماز کا وقت آتا تو حضرت بلال ؓ اپنے آقا ﷺ کو وقت جماعت کی حسب معمول اطلاع دیتے تو سرور کائنات ﷺ باہر تشریف لاتے اور لوگوں کے ساتھ نماز ادا فرماتے۔ مرض کے آخر میں اس کی شدت اور



صعوبت کی بناء پر حجرہ مبارکہ سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے تھے اس لیے لوگوں کے ساتھ نماز کی ادائیگی بھی ممکن نہ رہی۔

ایک روایت ہے آخر مرض میں سرکار ﷺ کی باجماعت سترہ نمازیں رہ گئیں اور بعض کہتے ہیں کہ جماعت سے فوت ہونے والی ان نمازوں کی ابتداء عشاء کی نماز سے ہوئی کہ حضرت بلال ؓ نے حضور پرنور ﷺ کے حجرہ ہمایوں کے دروازہ پر آ کر فریاد کی کہ الصلوٰۃ یارسول اللہ (ﷺ)! لیکن آہ! آقا ﷺ کا مزاج مبارک بہت ناساز تھا۔ نقاہت طاری تھی اور بیماری کی وجہ سے آپ ﷺ بار بار بے ہوش ہو رہے تھے۔ رسالت مآب ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو حکم فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو حکم پہنچادیں کہ وہ جماعت کرائیں حضرت بلال روتے ہوئے لوٹے اور سر پر ہاتھ رکھ کر فرماتے تھے۔ واغو ثاہ یا انقطاع رجاہ و انکسار طیرا۔ کاش مجھے میری ماں نہ جنتی، اگر جن لیا تھا تو میں آج کے دن سے پہلے ہی مر جاتا اور حضور علیہ السلام کے وصال کے صدمے کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتا۔

حضور علیہ السلام کا وصال پر ملال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے کتنا بڑا صدمہ تھا اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت بلال ؓ سے یہ صدمہ برداشت نہ ہو سکتا تھا اس لیے آپ ﷺ کے وصال مبارک کے چند دن بعد تک آذان دیتے رہے لیکن اس کے بعد حضرت بلال ؓ نے اذان دینے سے انکار کر دیا اور اپنے اس انکار پر مصر بھی رہے اسی کی وجہ یہ تھی جب وہ اذان کے دوران اشھدان محمداً رسول اللہ کہتے تھے تو بے ساختہ رونے لگتے تھے۔ اور آپ کے ساتھ سننے والے بھی رونے لگتے تھے انہیں اس مقام پر کھڑا ہو کر جہاں ان کو رسول خدا ﷺ کی صحبت کا شرف اور چہرہ انور کو دیکھتے رہنے کا فخر حاصل رہتا تھا اب اذان دینا گوارا نہ تھا چنانچہ مکہ اور مدینہ سے بے انتہا محبت ہونے کے باوجود وہاں سے چلے جانے پر مجبور ہو گئے۔

موسیٰ بن محمد ابراہیم التیمی نے اپنے والد سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ کی

وفات ہوئی تو بلال ؓ نے اس وقت اذان کہی کہ آنحضرت ﷺ ابھی دفن بھی نہ ہوئے تھے۔ جب انہوں نے اشھدان محمدا رسول اللہ کہا تو مسجد میں لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی تو بلال ؓ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پاس آئے اور کہا اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ مومن کا سب سے افضل عمل اللہ کی راہ میں جہاد ہے ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا: بلال کیا چاہتے ہو تو حضرت بلال ؓ نے عرض کی میں چاہتا ہوں کہ مجھے میری موت تک خدا کے راستے میں باندھ دیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے کہا کہ بلال میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور اپنی حرمت وحق یاد دلاتا ہوں کہ میں بوڑھا اور ضعیف ہوگیا ہوں میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ بلال مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ تمہاری جدائی کا صدمہ برداشت نہیں کرسکتا۔ تو حضرت بلال ؓ نے ابوبکر صدیق ؓ کی وفات تک ان کے ساتھ قیام کیا جب ابوبکر صدیق ؓ کی وفات ہوگئی تو حضرت بلال حضرت عمر فاروق کے پاس آئے اور ان سے بھی اسی طرح کہا جس طرح حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے کہا تھا حضرت عمر ؓ نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے دیا تھا مگر حضرت بلال ؓ نے انکار کردیا حضرت عمر ؓ نے کہا: اے بلال! تمہاری رائے میں اذان کس کے سپرد کروں۔ تو انہوں نے کہا: سعد کو، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے اذان کہی ہے۔ حضرت عمر نے حضرت سعد کو بلایا اور اذان ان کے سپرد کردی اور ان کے بعد ان کی اولاد کے۔ (طبقات ابن سعد)

اس طرح حضرت بلال ؓ شام کے لشکر کے ساتھ روانہ ہوکر شام چلے گئے۔

ارباب سیر نے لکھا ہے کہ جس وقت فاروقی عہد خلافت کے دوران حضرت عمر ؓ ملک شام میں تشریف لے گئے تو حضرت بلال ؓ اس وقت وہاں پر تھے اس وقت انہوں نے ان کی خاطر اذان کہی اس پر حضرت عمر ؓ اور ان کے ساتھ والے



سب رونے لگے اور کہا جاتا ہے کہ اس دن جتنا روئے تھے اس سے بڑھ کر شدید روتے ہوئے کبھی کسی کو نہیں دیکھا گیا۔ (مدارج النبوت)

جاہ جلال دو نہ ہی مال و منال دو　　سوز بلال بس میری جھولی میں ڈال دو
دنیا کے سارے غم میرے دل سے نکال دو　　غم اپنا یا نبی مجھے بھر بلال دو
خلق عظیم سے بھی مجھے حصہ عطا کرو　　بے جا ہنسی کی خصلت بد کو نکال دو
رہ رہ کے یاد آتے ہیں میرے یہ سوال دو　　سوز اویس دو مجھے سوز بلال دو

## بار دیگر مدینہ میں آذان بلال:

ایک بار جب حضرت بلال ؓ مدینہ تشریف لائے تو اذان دینا شروع کی۔ لیکن یہ اپنی اذان کو مکمل نہ کرسکے تھے اور یہ واقعہ یوں ہوا کہ شام میں چلے جانے کے بعد چھ ماہ کا عرصہ گزرا تو حضرت بلال ؓ کو خواب کے دوران رسول ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ اس قدر بے رغبتی کرتے ہو کہ تم ہماری زیارت کے واسطے بھی نہیں آتے ہو۔ پس حضرت بلال اسی وقت بلا توقف مدینہ شریف کی طرف چل پڑے مدینہ شریف کے نزدیک آ کر انہوں نے کسی سے جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا حال دریافت کیا۔ بتایا گیا حسن و حسین رضی اللہ عنہما دونوں ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت بلال ؓ مدینہ شریف میں آئے۔ لوگوں میں سے کوئی یہ جرات نہیں کرتا تھا کہ وہ حضرت بلال کو کہے کہ وہ اذان کہیں پس لوگ امام حسین کی خدمت میں عرض گزار ہوئے کہ بلال ؓ سے اذان کہلوائیں کیونکہ وہ آپ کا کہا ہرگز رد نہیں کرسکتے۔ پس امام حسین ؓ کے ارشاد کے مطابق حضرت بلال ؓ اذان کہنے کے لیے اس جگہ پر آ کھڑے ہوئے جس پر وہ نبی کریم ﷺ زمانہ میں کھڑے ہوکر اذان کہتے تھے۔

حضرت بلال ؓ نے اللہ اکبر کی آواز بلند کی۔ لوگوں کو وہی یاد تازہ ہوئی جب

Scanned with CamScanner

رسول اللہ ﷺ حیات ظاہری میں موجود ہوتے تھے لوگوں نے رونا شروع کر دیا اور جس وقت اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ کی آواز بلند کی گئی۔ تو گریہ وشور حد سے زیادہ ہو گیا اس کے بعد جب کہا گیا: اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ. تو سارے شہر میں زلزلے کی مانند حال ہو گیا اور کہرام اور رونے کا شور اس قدر مچا جیسے آج ہی رسول اللہ ﷺ کے وصال شریف کا دن ہو۔ اس کے بعد حضرت بلال ؓ میں طاقت نہ تھی کہ وہ اذان کہہ سکیں اور نہ لوگ ہی برداشت کی سکت رکھتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(مدارج النبوت)

سوز بلال بخش دے عشق بلال بخش دے
ہر روح سے نکلے یہ صدا یا مصطفیٰ صلی علیٰ

## سابقہ واقعہ بانداز دگر:

حضرت بلال ؓ کو حضور ﷺ سے بڑی محبت تھی۔ حضور ﷺ کا جب وصال ہو گیا تو آپ مدینہ کی گلیوں میں یہ کہتے تھے کہ لوگو! تم نے کہیں رسول اللہ کو دیکھا ہے تو مجھے بھی دکھاؤ اور مجھے آپ کا پتہ بتاؤ۔ پھر آپ اس غم میں مدینے کو چھوڑ کر ملک شام کے شہر حلب میں چلے گئے۔ ایک سال کے بعد آپ نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا حضور ﷺ نے آپ سے فرمایا کہ اے بلال! تم نے ہم سے ملنا کیوں چھوڑا کیا تمہارا دل ہم سے ملنے کو نہیں چاہتا؟ حضرت بلال ؓ یہ خواب دیکھ کر لبیک یا سیدی اے آقا غلام حاضر ہے کہتے ہوئے اسی وقت رات ہی کو اونٹنی پر سوار ہو کر مدینے چل پڑے رات دن برابر چل کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے حضرت بلال ؓ پہلے مسجد نبوی میں پہنچے اور حضور ﷺ کو ڈھونڈا مگر حضور ﷺ کو نہ دیکھا پھر حجروں میں تلاش کیا جب وہاں نہ ملے تب مزار انور پر حاضر ہوئے اور رو رو کر عرض کیا یا رسول اللہ حلب سے غلام کو یہ فرما کر بلایا کہ ہم سے مل جاؤ اور جب بلال زیارت کے لیے حاضر ہوا تب حضور ﷺ پردہ میں چھپ گئے یہ کہہ کر آپ بے ہوش ہو کر قبر انور کے پاس گر گئے بہت دیر بعد جب آپ کو ہوش آیا تو



لوگ قبر انور سے اٹھا کر باہر لائے اس عرصہ میں بلال ؓ کے آنے کا سارا مدینے میں غل ہوا کہ آج رسول اللہ ﷺ کے موذن بلال ؓ آئے ہیں سب نے مل کر بلال ؓ سے درخواست کی کہ اللہ کے لیے ایک دفعہ وہ اذان سنا دو۔ جو رسول اللہ ﷺ کو سناتے تھے۔ بلال ؓ فرمانے لگے: دوستو! میری طاقت سے باہر ہے کیونکہ حضور ﷺ کی اس دینوی زندگی میں اذان دیتا تھا تو جس وقت اشھد ان محمداً رسول اللہ کہتا تھا رسول اللہ علیہ وسلم کو سامنے آنکھوں سے دیکھ لیتا تھا اب بتاؤ کہ کیسے دیکھوں گا؟ مجھے اس خدمت سے معاف رکھو۔ ہر چند لوگوں نے اصرار کیا مگر حضرت بلال ؓ نے انکار ہی کیا۔ بعض صحابہ کی یہ رائے ہوئی کہ بلال ؓ کسی کا کہنا نہیں مانیں گے تم کسی کو بھیج کر حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلا لو وہ آکر بلال ؓ سے اذان کی فرمائش کریں گے تو بلال ؓ ضرور مان جائیں گے۔ کیونکہ حضور ﷺ کے اہل بیت سے بلال ؓ کو عشق ہے یہ سن کر ایک صاحب جا کر حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلا لائے۔ حضرت حسین ؓ نے آکر بلال رضی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اے بلال! آج ہمیں بھی وہی اذان سنا دو جو ہمارے نانا جان کو سنایا کرتے تھے حضرت بلال رضی اللہ عالیٰ عنہ نے امام حسین ؓ کو گود میں اٹھا کر کہا۔ تم میرے محبوب کے جگر کے ٹکڑے ہو، نبی کے باغ کے پھول ہو جو کچھ تم کہو گے میں منظور کروں گا۔ تمہیں رنجیدہ نہ کروں گا کہ اس طرح حضور کو مزار پُر انوار میں رنج پہنچے گا اور پھر فرمایا حسین ؓ مجھے لے چلو جہاں کہو گے اذان کہہ دوں گا۔ حضرت حسین ؓ نے حضرت بلال ؓ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو مسجد کی چھت پر کھڑا کر دیا۔ بلال ؓ نے اذان کہنا شروع کی۔ اللہ اکبر! مدینہ میں یہ وقت بہت عجب اور صدمہ کا تھا۔ حضور ﷺ کو وصال فرمائے ہوئے ایک زمانہ ہوا تھا۔ آج مہینوں کے بعد اذان بلال ؓ سن کر حضور ﷺ کی دینوی حیات مبارک کا سماں بندھ گیا۔

جب کائنات گم تھی اذان بلال میں
روح بلال گم تھی نبی کے خیال میں

بلال ؓ کی اذان سن کر مدینہ منورہ کے بازار اور گلی کوچوں میں سے لوگ آ کر مسجد میں جمع ہوئے ہر ایک شخص گھر سے نکل آیا پردہ والی عورتیں باہر آ گئیں اپنے بچوں کو ساتھ لائیں جس وقت حضرت بلال ؓ نے اشھدان محمداً رسول اللّٰہ منہ سے نکالا ہزار چیخیں ایک دم نکلیں اس وقت رونے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا عورتیں روتی رہیں بچے اپنی ماؤں سے پوچھتے تھے کہ تم بتاؤ بلال ؓ موذن رسول اللہ ﷺ آ گئے مگر رسول اللہ ﷺ مدینہ کب تشریف لائیں گے حضرت بلال ؓ نے جب اشھدان محمداً رسول اللّٰہ کہا اور حضور ﷺ کو آنکھوں سے نہ دیکھا تو غم ہجر میں بے ہوش ہو کر گر گئے اور بہت دیر کے بعد ہوش میں آ کر اٹھے اور روتے ہوئے ملک شام چلے گئے۔

(مدارج النبوت، سچی حکایات)

گرمی مہر کی پروردہ ہلالی دنیا
عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا

## حضرت بلال ؓ صحابہ کرام کی نظر میں:

تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت بلال ؓ کا حد درجہ احترام کرتے خصوصاً امیر المومنین سیدنا عمر فاروق ؓ جب حضرت بلال ؓ کا ذکر کرتے تو بڑی محبت اور تعظیم سے نام لیتے اور ہمارے سردار کہہ کر بلاتے۔ بخاری شریف میں ہے حضرت عمر ؓ فرمایا کرتے تھے کہ سیدنا (ہمارے سردار) ابوبکر ؓ نے سیدنا (ہمارے سردار) حضرت بلال ؓ کو آزاد کیا یہ بھی فرمایا کرتے کہ بلال ہمارے سردار ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہیں ایک دن حضرت عمر فاروق ؓ مسند خلافت پر جلوہ افروز تھے تو حضرت خباب ؓ (جن کو کفار نے بہت اذیتیں پہنچائیں تھیں) تشریف لائے تو سیدنا عمر فاروق ؓ نے ان کو اپنی مسند پر بٹھالیا اور فرمایا تمام صحابہ میں آپ یا حضرت بلال ؓ اس کے حقدار ہیں کہ تمہیں اس مسند پر بٹھایا جائے۔



## وصال باکمال:

حضرت بلال ؓ دمشق کے قرب و جوار میں حکومت سے تھوڑی سی زرعی آراضی لے کر آباد ہو گئے اور وہیں پر کاشت کاری کرنے لگے اور اس کی پیداوار پر گزر بسر کرنے لگے اور دمشق میں ہی آپ کی وفات ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت بلال ؓ کی وفات عمواس کے طاعون میں ہجرت کے بیسویں یا اکیسویں سال ہوئی۔ موت کے وقت آپ کی رفیقہ حیات آپ ؓ کے قریب ہی موجود تھیں جو بچوں کی طرح چیخ چیخ کر رو رہی تھیں شفا شریف میں قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب آپ کی بیوی۔ ''ہائے کیسا غم'' کے الفاظ کے ساتھ روتی تو حضرت بلال ؓ جواباً فرماتے کتنی خوشی کی بات ہے کل میں اپنے پیارے محبوب ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے جاملوں گا۔

اے بلال حبشی تیرا جواب نہیں تجھ کو کملی والے نے نظر سے پلائی ہے
کوئی غوث ہے کوئی خواجہ کوئی داتا ہے انکے عشق نے عظمت کس قدر بڑھائی ہے

آپ کا سنِ وصال ۲۰ھ ہے اور کل عمر آپ کی تریسٹھ سال ہے۔ اس سے حضرت بلال کی ذات نبوی میں فنائیت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اختیاری امور میں بھی حضرت بلال کو اپنے محبوب کے ساتھ موافقت عطا فرمادی کہ اس کشتۂ عشق رسول کی طبعی عمر بھی حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات کی آئینہ دار ہوگئی۔ اور بلال حبشی اپنے آقا کے عشق میں فنا ہو کر دنیا میں دوام پا گیا۔

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے کہ پورس و دارا اور سکندر رومی جیسوں کا حال تو یہ ہے کہ

آج ایشا میں انکو کوئی جانتا نہیں
تاریخ داں بھی ''انہیں'' پہچانتا نہیں
لیکن بلال، وہ حبشی زادۂ حقیر فطرت تھی جسکی نور نبوت سے مستنیر

جس کا امیں ازل سے ہوا سینۂ بلال　　محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر
ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط　　کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر
ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز　　صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوش چرخ پیر
اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے؟
رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

(بانگ درا، صفحہ ۲۴۱)

## قبر مبارک

حضرت بلال حبشی ؓ کی قبر انور دمشق میں باب الصغیر نامی قبرستان میں مرجع خلائق ہے۔(اسد الغابہ)

آپ کے پہلو میں حضرت عبداللہ بن جعفر طیار ؓ کا مزار ہے۔ اسی چار دیواری کے بالکل ساتھ حضرت بی بی سکینہ بنت امام حسین کا مزار پاک ہے علاوہ ازیں دیگر صحابہ وصحابیات کی قبریں بھی اسی قبرستان میں ہیں۔

## برکات مزار

کتاب الزیارات برائے شام میں لکھا ہے کہ آپ کی قبر انور دعاؤں کی قبولیت کا مرکز ہے اور شیخ ابن عربی علیہ رحمتہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے مزار مبارک پر محبوب خدا علیہ السلام کو کئی مرتبہ آتے دیکھا ہے۔ (جبل قاسیون ورجال اربعون)

اسکی دلیل اس واقعہ کو بھی بنایا جا سکتا ہے جو حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمتہ نے کشف المحجوب شریف میں لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ ملک شام میں موذن رسول ﷺ حضرت بلال حبشی ؓ کے مزار پر انوار کے سرہانے سویا ہوا تھا کہ حضور علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی اور میں دیکھتا ہوں کہ مکہ شریف میں ہوں اور سرکار ابد قرار علیہ الصلوٰۃ والسلام باب بنی شیبہ کی طرف سے تشریف لا رہے ہیں اور آپ کے پہلوئے اقدس میں ایک بوڑھا شخص ہے۔ جس کو آپ پیار فرما رہے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر



قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ یہ کون خوش نصیب بزرگ ہے جس کے ساتھ حضور علیہ السلام اس قدر شفقت فرما رہے ہیں۔ میرے اس تعجب کو حضور علیہ السلام نے نور نبوت سے جان لیا اور فرمایا اے علی! یہ تیرا اور تیرے شہر والوں کا امام (ابو حنیفہ) ہے۔ داتا صاحب فرماتے ہیں: میں نے اس سے استدلال کیا کہ باقی سارے امام صرف اپنے اجتہاد کے زور پر استدلال فرماتے ہیں اور ہمارے امام کو اجتہاد کی نعمت کے ساتھ حضور علیہ السلام کی مکمل راہنمائی بھی حاصل ہے اس لیے آپ کی فقہ میں خطائے اجتہادی کا امکان بھی دوسروں سے کم ہے (خلاصۃ)

## حضرت بلال کو حضور علیہ السلام کی نصیحت ووصیت

حضور علیہ السلام نے حضرت بلال حبشی ؓ کو بالخصوص ایک نصیحت فرمائی اور ایک وصیت۔ جس پر حضرت بلال سختی سے عمل کرتے رہے۔

نصیحت یہ تھی انفق بلال و لاتخش من ذر العرش اقلالا۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر والبزار فی مسندہ والبیہقی)

اے بلال! جو آئے خرچ کر دو اور عرش والے سے تنگدستی کا ڈر نہ رکھو۔

اور وصیت یہ تھی کہ اے بلال فقیر و مسکین کی طرح دنیا سے رخصت ہونا اور مالدار کی حیثیت سے دنیا سے جانے کی آرزو بھی نہ کرنا۔ چنانچہ سیرت بلال حبشی کا مطالعہ کرنے والے حضرت بلال کی زندگی میں ہر جگہ حضور علیہ السلام کی اس نصیحت و وصیت کی جھلک نمایاں دیکھتے ہیں۔

اتنی عظمتوں کے مالک ہو کر بھی حضرت بلال کی کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ جب صحابہ کرام سے اپنی عظمت و شان و شوکت کا کوئی جملہ سنتے تو فرماتے ''بھائیو میں تو ایسا شخص ہوں جو کل تک غلام تھا۔''

جب تک بکے نہ تھے کوئی پوچھتا نہ تھا
تو نے خرید کر مجھے انمول کر دیا

Scanned with CamScanner

تیری دوستی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا
تیرے عشق نے بنایا میری زندگی فسانہ

کون کہتا ہے کہ جنت کا جمال اچھا ہے
سب خیالوں سے مدینے کا خیال اچھا ہے
میں نے مانگی تو مانگی ہے مدینے کی دعا
سب سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے
جب سے نسبت ہے ملی سرور عالم کی تجھے
گنبد خضرا تیرا حسن و جمال اچھا ہے

میرے لجپال کے دیوانے ہیں لاکھوں لیکن
پوچھیے سچ تو محمد کا بلال اچھا ہے

اور

بن کے مصطفےٰ ﷺ کا پایا ہے کیا کمال
کوئی نہیں مثال تری حضرت بلال
دیتے ہیں بلال اذاں تو ہوتی سحر عیاں
رب کو بھی اس سے پیار تھا کس درجہ بے مثال
وہ نسبتیں ملی ہیں ارادت کی خوب تر
عشق نبی ﷺ میں ڈوب کے پایا عجب جمال
وہ خوش خصال مولا ﷺ کا خادم تھا خوش خصال
دونوں جہاں میں نہیں جس کی کوئی مثال
تعریف کیا امیرؔ ہو حضرت بلال کی
آقا تھے بے مثال تو خادم بھی با کمال

--------✿--------



## نمبر۳:

# حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

**نام:** جندب۔

**کنیت:** ابوذر۔

**لقب:** شیخ الامۃ۔

**باپ کا نام:** جنادہ بن کعب بن سفیان بن حرام بن غفار۔

**والدہ کا نام:** رملہ بنت ربیعہ۔ مورث اعلیٰ غفار بن ملیل جو کنانی النسل عربی تھا، اسی کے نام پر قبیلہ بنو غفار تھا جو مقام بدر یہ پر آباد تھا۔ (حافظ ابن حجر، محمد الواقدی)

آپ کے قبیلہ کے لوگ راہ زن تھے اور شاہراہ شام و فلسطین (جو مکہ مکرمہ سے شام و فلسطین کو جاتا تھا) پر آنے جانے والے قافلوں اور کاروانوں کو لوٹتے تھے۔

## ابتدائی کارنامے:

انسان جس قوم قبیلے میں پیدا ہوتا ہے اسی کی عادات واطور عموماً اپناتا ہے حضرت ابوذر نے بھی جوان ہو کر راہزنی کا پیشہ اختیار کیا۔ فطرتاً بڑے جری اور بہادر تھے۔ راتوں کو اکیلے ہی قبیلوں پر جا پڑتے اور عرب کے بہادروں کو تہ تیغ کرتے ہوئے ان کے اونٹوں اور مویشیوں کے ریوڑوں کے ریوڑ ہانک کر لے آتے ایسے لگتا جیسے کوئی بپھرا ہوا شیر ہے اور بکریوں کے گلے پر حملہ آور ہو گیا ہے آپ کی اس بہادری پر قوم کے بڑے لوگ آپ پر فخر کرتے اور آپ کو ”ضیغم بنو غفار“ کے نام سے پکارتے۔ ایک انگریز اے جے کیمرون اپنی کتاب ”ابوذر الغفاری میں آپ کی اس شجاعت کو اس طرح لکھتا ہے۔

'ابوذر نے کئی قافلے لوٹے۔ بے شمار بچوں اور عورتوں کو قتل کیا خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک بڑے دردناک واقعہ نے ابوذر کی کایا پلٹ دی کیونکہ اندھیرا چاہے کتنا ہی گھنا ہو، اجالے کی ایک ہی کرن میں اس کو اجالنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

وہ واقعہ جس نے ابوذر کی کایا کو پلٹ کر رکھ دیا یہ تھا کہ انہوں نے شام و فلسطین سے آنے والے ایک قافلے پر حملہ کیا، بہت سے مردوں، عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کیا۔ قافلے کی چیخ و پکار سے ریگستان کا ذرہ ذرہ قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا آپ اس منظر کو دیکھ کر بڑے متاثر ہوئے فطرت سلیم غالب آئی اور ان ظالمانہ حرکات سے توبہ کی توفیق مل گئی۔ اپنی عاقبت کی بدانجامی کا خوف شدید سے شدید تر ہوتا گیا اور بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی بجائے خدا کی بارگاہ کی طرف رجوع کیا۔

آپ کا اپنا فرمان ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہونے سے تین سال پہلے ہی نماز پڑھنی شروع کر دی تھی۔ (طبقات ابن سعد)

جب پوچھا گیا کہ آپ کس طرح نماز پڑھتے تھے تو فرمایا اللہ کے لیے نماز پڑھتا تھا حیث یوجھنی اللہ۔ جدھر بھی متوجہ کر دیتا۔

خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ ساری ساری رات عبادت میں گذار دیتے اور صبح زمین پر ایسے گرے ہوتے کہ گویا کپڑا پڑا ہوا ہے۔ اسی حالت میں دھوپ نکل آتی۔

## قوم کا حال:

ایک دفعہ شدید قحط پڑا اور بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہریالی کا نام ونشان بھی ختم ہو گیا، جانور دبلے پتلے ہو گئے، اناج کے ذخیرے ختم ہو گئے۔ قبیلہ کے سرداروں نے مشورہ کیا اور نتیجہ یہ نکالا کہ ہمارا معبود منات (بت) ہم سے ناراض ہو گیا ہے۔

چنانچہ اسکی خوشنودی کے لیے اونٹ ذبح کیے گئے اور رو رو کر بارش کیلئے دعائیں مانگی گئیں اور پورا قبیلہ مقام قدید (جہاں منات نصب تھا) کی طرف چل پڑا، اس



قافلے میں ابوذر کا بھائی انیس بھی شامل تھا اس نے جب دیکھا کہ ابوذر قافلے میں نہیں تو واپس آیا اور کہنے لگا: تم منات کے حج کو کیوں نہیں جاتے؟ ابوذر نے کہا: میں نہیں جانا چاہتا۔ کیونکہ پتھر یا پیتل کا بت کچھ نہیں کر سکتا، انیس نے کہا! توبہ کرو تم کیا کہہ رہے ہو؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ منات تم پر عذاب اتار دے، ابوذر نے کہا: جو دیکھتا، سنتا نہیں وہ بے جان میزی کیا جان لے گا۔ آخر کار کسی نہ کسی طرح انیس نے ابوذر کو تیار کر لیا اور ساتھ لے گیا۔ راستے میں پابندی لگا دی کہ خبردار اپنے خیالات لوگوں کے سامنے بیان نہ کرنا اور پھر منات کے مناقب بیان کرنے شروع کر دیے آخر کار قافلہ ''قدید'' پہنچا اور جو کچھ انہوں نے کرنا تھا کیا ابوذر خاموشی سے دیکھتے رہے اور اپنی قوم کی حماقت پر افسوس کرتے رہے۔

رات ہو گئی آگ جلا کر لوگ اردگرد بیٹھ گئے اور قصہ گو داستانیں سنانے لگے۔ ابوذر بھی ایک معمر لوگوں کے حلقے میں بیٹھ گئے۔ کوئی منات کے قصیدے پڑھ رہا ہے تو کوئی لات وعزیٰ کو خدا کی بیٹیاں قرار دے کر شفاعت کا تذکرہ کر رہا ہے۔ ابوذر کافی دیر تک انکی بتوں کے بارے میں مدح سرائی اور خدائے واحد کے بارے انکی ہرزہ سرائی سنتے رہے رات کافی گزر گئی ساری قوم سو گئی تو ابوذر منات کے پاس آ کر حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کی مذمت کرتے ہوئے اپنا غصہ نکالنے کے لئے ایک پتھر اُٹھا کر اسکو دے مارا اور خود آ کر سو گئے۔ صبح ہوئی تو سارا قبیلہ الوداعی عبادت کر کے روانہ ہوا۔ ابوذر کچھ سوچ رہے تھے، بھائی انیس نے پوچھا: کس سوچ میں گم ہو؟ فرمایا: میں سوچ رہا ہوں کہ اتنے بڑے بڑے پہاڑ کس نے قائم کئے۔ اتنی بڑی زمین کس نے بچھائی ہے۔ گھر پہنچے ابوذر اپنی خیالوں میں مستغرق تھے کہ شام ہو گئی۔ ابوذر عبادت میں کھڑے ہو گئے۔ انیس نے پوچھا منات کی عبادت کر رہے ہو ناں؟

فرمایا: نہیں اس کی جو وحدہ لاشریک ہے۔ انیس نے کہا: کیا ایسے کی جو نظر نہیں آتا؟ فرمایا! ہاں مگر اپنی نشانیوں سے ظاہر ہے۔ کافی گفت وشنید کے بعد ابوذر نے

Scanned with CamScanner

بھائی کولا جواب کر دیا اور انیس کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا جو خاموش ہو کر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ (ابن سعد)

نہ بارش ہوئی نہ قحط ختم ہوا ابوذر کی والدہ اپنے دونوں بیٹوں کو لیکر اپنے بھائی کے پاس چلی گئی جہاں خوشحالی کا دور دورہ تھا شر پسند لوگوں کو بہن کا بھائی کے گھر رہنا پسند نہ آیا، ابوذر کے ماموں شکار سے واپس آئے تو ان کے کان میں یہ بات ڈالی گئی کہ جب آپ گھر میں نہیں ہوتے تو انیس گھر والوں پہ افسری کرتا ہے تاہم انیس کے خلاف شکایت سے اس کے ماموں متاثر تو نہ ہوئے لیکن ایک دن پوچھا: ضرور کہ کیا تم ایسا کرتے ہو؟ حضرت ابوذر یہ بات سُن کر غصّے میں آ گئے ایک تو اس لیے کہ فطری طور پر سخت مزاج تھے اور دوسرا اس لیے بھی کہ غربت و افلاس میں انسان کا دل چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ آپ نے سوچا کہ اگر اسی طرح ہمارے بارے میں ماموں کے کان بھرے جاتے رہے تو کہیں ایسا نہ ہو ایک دن ہمیں یہاں سے بے عزت ہو کر نکلنا پڑے چنانچہ آپ نے ماموں سے کہا! آپ نے گذشتہ تمام احسانات کی نہروں کو گدلا کر دیا ہے لہٰذا اسکے بعد ہمارا آپ کے ساتھ رہنا ممکن نہیں۔

ماموں کو اندازہ نہیں تھا کہ صرف اتنی سی بات پہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی، ماموں نے بہت سمجھایا لیکن ابوذر اپنی والدہ اور بھائی کو لے کر وہاں سے چل پڑے۔ ابوذر کہتے ہیں جب ہم نکل رہے تھے تو ''ہمارے ماموں اپنا منہ کپڑے سے ڈھانپ کر رو رہے تھے۔ (سیرت ابوذر غفاری بحوالہ بخاری و مسلم)

## ابوذر اسلام کی دہلیز پر:

ابوذر نے ایک جگہ پڑاؤ کیا تو اس شخص کا وہاں سے گزر ہوا باتوں میں اسے معلوم ہوا کہ ابوذر بھی ایک خدا کا ماننے والا ہے، اس نے کہا! یہ جس طرح کی باتیں تم کر رہے ہو مکہ میں ایک شخص (محمد نامی) ہے وہ بھی اس نظریے کا مدعی ہے



اور یہ بھی کہتا ہے کہ وہ پیغمبر ہے اور اس پر وحی آتی اس نے تو بر سبیل تذکرہ بات کی لیکن ابوذر کا دل خوشی سے اچھل پڑا جیسے کوئی بہت بڑی نعمت مل گئی ہو آپ نے بڑی بے چینی سے پوچھنا شروع کر دیا کہ وہ کس قبیلے و خاندان کا ہے اس کا اصل وطن کونسا ہے۔ راہ گیر نے سارا کچھ بتا دیا۔

ابوذر کے دل میں ایک ہلچل مچ گئی اور وہ یہی چاہ رہے تھے کہ پَر لگ جائیں اور میں اڑ کر بارگاہ رسالت میں پہنچ جاؤں۔

آپ کے بھائی چونکہ شاعر بھی تھے کسی مشاعرے میں ان کا مکہ جانا ہوا تو ابوذر نے کہا: ایک کام میرا بھی کرتے آنا کہ جو شخص اپنے آپ کو نبی کہتا ہے اس کے بارے میں معلومات لیتے آنا۔ انیس مکہ روانہ ہو گیا، ابوذر کے دل و جگر میں انتظار کا شعلہ بھڑکنے لگا۔ الانتظار اشد من الموت. اس بے قراری کے انتظار کو آپ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی بیان کیا کرتے تھے کہ فراث علی، انیس نے بہت دیر لگا دی۔ (طبقات ابن)

آخر انیس واپس آیا تو ابوذر نے پہلا سوال ہی یہ کیا: اتنی دیر کیوں لگائی اور اس شخص کے بارے میں کیا معلوم ہوا؟ انیس نے کہا: اسی شخص سے ملنے میں دیر ہوئی ہے اور وہ ویسا ہی ہے جیسا تجھے بتایا گیا ہے۔ اچھی باتوں کی تعلیم دیتا ہے اور اپنے آپ کو رسول گمان کرتا ہے۔

ابوذر نے پوچھا: مکے والوں کا ان سے سلوک کیسا ہے؟ کوئی شاعر کہتا ہے کوئی کاہن۔ انیس نے جواب دیا۔

آپ نے پوچھا: مگر تمہاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟

انیس نے جواب دیا! میں شعر و شعراء کے بارے میں خوب جانتا ہوں اور سینکڑوں کاہنوں سے بھی مل چکا ہوں۔ قسم بخدا! وہ نہ شاعر ہے نہ کاہن ہے، وہ جو کہتا ہے سچ ہی کہتا ہے۔

حضرت ابوذر اپنے بھائی کی اس حق گوئی کو قبول اسلام کے بعد بھی بڑی خوشی ومسرت کے جذبات میں ڈوب کر بیان کیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد، صحاح)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بھائی کو فرمایا: ما شفیتنی مما اردت. میرے مرض کا اتنا علاج ناکافی ہے۔ اذھب فانظر. اب تم گھر رہو اور میں خود جاتا ہوں۔ (طبقات)

چوں ابوذر خود گداز رند نماز　　ضربتش ہنگامِ کیں خارا گداز

## ابوذر غفاری مکہ روانہ ہوئے:

حضرت ابوذر تلاش یار میں سوئے مکہ روانہ ہوئے، پیٹھ پہ چھوٹی سی سیاہ رنگ کی مشک ہے جو پانی سے بھری ہوئی ہے اور زنبیل میں تھوڑے سے مقل (کھجور سے مشابہ پھل یا دانے) ہیں، مکہ پہنچ کر کسی سے پوچھنے کی بجائے خود ہی تلاش محبوب کرنے لگے کسی سے پوچھنا اچھا نہ سمجھا۔ (مسلم وطبقات)

جبیں پہ گرد محبت لبوں پہ مہر سکوت　　دیار غیر میں پھرتا ہوں آشنا کے لیے

حرم کعبہ کے قریب پہنچے، مسافر کی طرح ایک کونے میں پڑے رہے تین دن پڑے رہے پانی اور دانے ختم ہوگئے، زمزم پہ گزارا ہونے لگا۔ ایک دن خیال آیا کہ اگر محمد (ﷺ) کو خود نہیں تلاش کر سکا تو اُن کے کسی غلام سے ان کے بارے میں پوچھ لینے میں حرج ہی کیا ہے؟ اچانک آپ نے دیکھا کہ ایک مفلوک الحال شخص حرم میں داخل ہوا، خیال آیا کہ محمد (ﷺ) کی جماعت کا جو حال بیان کیا جاتا ہے وہ اس شخص سے بہت مطابقت رکھتا ہے۔ قریب ہو کر پوچھا! این الذی تدعون الصابی. وہ کہاں ہوگا جس کو تم صابی کہتے ہو؟۔

دراصل یہ جماعت کفار کا بند تھا، اس نے اتنا سنتے ہی شور مچانا شروع کر دیا ہذا صابی۔ لوگو! یہ بھی صابی (یعنی محمد کا ساتھی ہے) بس پھر کیا تھا ابوذر فرماتے ہیں فمال اھل الوادی بکل مدرة وعظم فخررت مغشیا علی. مکہ والے میرے اوپر ٹوٹ



پڑے اور ڈھیلوں، پتھروں اور ہڈیوں کی بارش ہونے لگی۔ اتنا مارا کہ آپ بے ہوش ہوگئے۔ ہوش آیا تو اپنے آپ کو لہولہان پایا۔ اُٹھے، زمزم کے پاس آئے بدن اور کپڑوں سے خون دھویا مگر حرم کو نہ چھوڑا، ایک کونے میں آ کر پھر بیٹھ گئے۔ حضرت علی شیر خدا کا گزر ہوا تو دیکھا کہ ایک شکستہ حال مسافر پڑا ہے، ترس آیا، پوچھا ممن الرجل؟ کہاں کے ہو؟ ابوذر نے جواب دیا: من غفار. غفار قبیلے کا ہوں۔ حضرت علی المرتضیٰ رحم کرتے ہوئے گھر لے گئے۔ چونکہ پہلے خوفناک واقعہ ہو چکا تھا اس لیے نہ حضرت علی نے کچھ پوچھا اور نہ ابوذر نے کچھ بتایا۔ رات گزاری صبح پھر مکہ کے کوچہ وبازار میں تلاش یار میں پھرنے لگے، اگلی رات پھر حضرت علی کو ہی میزبانی کی سعادت ملی۔ آج کی رات حضرت علی نے پوچھ ہی لیا۔ ما الذی امرک؟ یہاں مکہ میں کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا: اگر (کسی کو نہ بتانے کا) عہد کرتے ہو تو بتا دیتا ہوں؟ حضرت علی نے تسلی دی اور فرمایا! کھل کر بات کرو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت ابوذر نے ساری بات بتائی تو حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا:

فانہ حق وھو رسول اللہ. ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ کل ان سے ملاقات کرا دوں گا، لیکن ایسا کرنا کہ اگر راستے میں کوئی خطرہ ہوا (کوئی کافر نظر آیا) تو میں بیٹھ کر جوتا ٹھیک کرنے لگوں گا اور پھر چل پڑوں گا بس تم میرے پیچھے ہی رہنا۔ (بخاری)

لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

چومی گویم مسلمانم بلرزم　　کہ دانم مشکلات لاالہ را

چنانچہ طے شدہ منصوبے کے مطابق بارگاہ رسالت میں حاضری ہوئی، حضور علیہ السلام ایک چبوترے پہ تشریف فرما تھے، حضرت علی المرتضیٰ نے ابوذر کو اشارے سے بتایا کہ وہ ہمارے آقا جلوہ گر ہیں۔ ابوذر بے تاب ہو کر دوڑ پڑے اور سلام عرض کیا، حضور نے جواب ارشاد فرمایا اور پوچھا کہاں سے ہو؟ عرض کیا: قبیلۂ غفار سے ہوں۔ فاھوی

بیدہ الی جبھتہ. آپ نے اپنا ہاتھ ابوذر کی پیشانی کی طرف جھکایا۔(طبقات)
(ابوذر کا اپنا خیال یہ ہے کہ شاید کرہ انی انتسبت الی غفار.
آپ نے ناپسند کیا ہو کہ میں نے اپنے آپ کو غفار قبیلہ کی طرف منسوب کیا ہے۔
اور ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے بطور تعجب ایسا کیا۔
عجب النبی ﷺ انھم یقطعون الطریق. (کیونکہ یہ قبیلہ راہزنی میں مشہور تھا)

یعنی حضور ﷺ نے اس قبیلے کی بُری شہرت کے سبب حضرت ابوذر ؓ کو غور سے دیکھا:فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرفع بصرہ فیہ و یصوبہ تعجبا من ذلک لہ ما کان یعلم منھم. (الطبقات، بخاری)

چنانچہ حضرت ابوذر نے آپ (ﷺ) سے عرض کیا کہ آپ کا پیغام کیا ہے؟ فرمایا میرا نہیں میرے رب کا پیغام ہے۔ پھر آپ نے ایک سورۃ پڑھی، ابوذر بہت متاثر ہوئے اور اسی وقت کہا:اشھدان لاالہ الااللہ واشھدان محمد اعبدہ ورسولہ.

حضرت ابوذر جب مسلمان ہوئے تو مسلمانوں کی تعداد پانچ ہوگئی۔ چند دن بارگاہ رسالت میں رہنے کے بعد حضور ﷺ نے دو کپڑے نکال کر ابوذر کو دیے انہوں نے غسل کر کے کپڑے پہن لیے۔ حضور نے فرمایا! بہتر ہے کہ فی الحال تم اپنے قبیلے میں چلے جاؤ کیونکہ کفار مسلمانوں کے خون کے پیاسے بنے ہوئے ہیں۔(مقصد یہ تھا کہ ایک تو اپنے قبیلے میں جا کر تبلیغ اسلام کریں، دوسرا تیز مزاج کے آدمی ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کافروں کے ہاتھوں کوئی تکلیف پہنچ جائے جیسا کہ اس سے پہلے حرم شریف میں ایک واقعہ ہو چکا تھا) لیکن حضرت ابوذر نے عرض کیا! آپ کا حکم سر آنکھوں پر مگر میں مسجد حرام میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر کے جاؤں گا۔

کیا عقل نے سمجھا ہے کیا عشق نے جانا ہے ۔۔۔ ان خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

(لاارجع حتی اصرح باسلام فی المسجد الحرام)



امام بخاری کے الفاظ ہیں:والذی نفسی بیدہ لاصرحن بھا بین ظھرانیھم.
اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تو کافروں کے مجمع میں اپنے اسلام کا اعلان کر کے جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ اس وقت حرم شریف میں قریش کا اجلاس ہو رہا تھا تو ابوذر نے مجلس کے درمیان میں گھس کر نعرہ بلند کیا:اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ. قریش آپ پر ٹوٹ پڑے یہ کہتے ہوئے کہ صبوت، صبوت تو بے دین ہو گیا ہے، تو بے دین ہو گیا ہے۔
وہ مارتے رہے، خون نکالتے رہے، مگر ابوذر کلمے کا ورد کرتے رہے۔

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں ۔۔۔ جلا کے راکھ نہ کردوں تو داغ نام نہیں

حضرت عباس کا ادھر سے گزر ہوا تو آپ نے ان کو ڈرایا دھمکایا کہ جس کو مار رہے ہو یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے جو تمہارے شامی تاجروں کے راستے پہ آباد ہے کہیں تمہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔

چنانچہ تشدد بند ہوا اور دوسرے روز پھر اس پروانۂ شمع رسالت نے ایسا ہی کیا جس کے جواب میں کفار قریش نے بھی ویسا ہی کیا۔ پھر حضرت عباس کے کہنے پر معاملہ ختم ہوا اور ابوذر اپنے قبیلے میں واپس آ گئے۔

## سلسلۂ تبلیغ:

آپ کا بھائی انیس آپ کی شدت سے انتظار کر رہا تھا پہنچتے ہی اس نے سوال کیا: کس حال میں ہو؟ فرمایا:اسلمت و صدقت. میں ایمان لے آیا اور محمد رسول اللہ کی تصدیق کی۔ انیس نے فوراً کہا:مالی رغبة عن دینک فاننی قد اسلمت و صدقت. مجھے آپ کے دین سے انکار نہیں، میں بھی ایمان لایا اور تصدیق کی حضرت ابوذر بہت خوش ہوئے اور دونوں بھائی اپنی والدہ کے پاس گئے (سلام کیا) والدہ نے بھی بخوشی اسلام قبول کر لیا اور کہا:وانذر عشیرتک الاقربین.

Scanned with CamScanner

اپنے قبیلے والوں کو بھی خدا کے قہر سے ڈراؤ۔ حضرت ابوذر نے حرم شریف میں اپنے اوپر قریش کے مظالم بیان کرتے ہوئے فرمایا: میں ان سے ضرور انتقام لوں گا۔

چنانچہ اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ عسفان کی گھاٹی ثنیہ غزال میں جا ٹھہرے جو قریش کے تجارتی قافلوں کے راستے پر تھی۔ جو قافلہ قریش کا آتا اسکو لوٹ لیتے اور فرماتے اگر خدا کی واحدنیت اور محمد کی رسالت کی گواہی دو تو تمہارا ایک ایک دانہ واپس کر دیا جائے گا۔ بعض ایمان لے آتے اور بعض کفر پر ڈٹے رہتے، جو ایمان لے آتا اس کا مال واپس کر دیا جاتا اور دوسروں کو یہ کہہ کر چھوڑ دیتے کہ ''میں ایمان لا چکا ہوں اور قتل و غارت سے توبہ کر چکا ہوں، جاؤ دفعہ ہو جاؤ'' جو لوگ یہاں مسلمان ہوتے وہ مکہ میں جا کر حضور ﷺ کے ساتھ مل کر آپ کے دست و بازو بن جاتے۔ اس طرح دن بدن مسلمانوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے والے بدل و جان ایمان لاتے تھے ورنہ مکہ جا کر پھر جاتے لیکن پھرنے کی کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ (مسند احمد)

کچھ پتہ نہیں کہ آپ اس گھاٹی میں کتنا عرصہ رہے تاہم ہجرت سے پہلے ہی آپ اپنے قبیلے غفار میں چلے گئے۔ (ایضاً)

آپ کی تبلیغ سے آپ کا قبیلہ بھی از اول تا آخر مکمل مسلمان ہو گیا۔ آپ کے قریب ہی آپ کا حلیف قبیلہ اسلم بھی آباد تھا آپ نے ان کو بھی تبلیغ کی چنانچہ وہ بھی سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

جب حضور ﷺ ہجرت کر کے مدینے تشریف لائے تو حضرت ابوذر کے قبیلے نے آپ سے کہا، ہمیں مدینے جا کر حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونا چاہیے، اسلم قبیلے نے بھی اسی خواہش کا اظہار کیا۔

۵ ھ کے ابتدائی مہینے میں یہ دونوں قبیلے حضرت ابوذر کی قیادت میں مدینہ پہنچے تو حضور ﷺ نے ان الفاظ سے ان کا استقبال کیا غفار عفرلها الله اسلم سالمها



الله. اللہ تعالیٰ غفار (قبیلے) کی بخشش فرمائے، خدا اسلم (قبیلے) کو سلامت رکھے۔

(صحاح، مسند)

حضور ﷺ کی دعا ان قبائل کے لئے ایک اعزاز سے کم نہ تھی بلکہ ان قبائل کے علاوہ آپ نے کسی اور قبیلے کیلئے ایسی خوبصورت دعا نہ فرمائی۔ اس دعا ہی کی برکت تھی کہ یہ قبائل ہمیشہ دامن اسلام سے وابستہ رہے۔ یہ دونوں قبیلے تو واپس آ گئے لیکن حضرت ابوذر نے حضور ﷺ کا دامن پکڑ لیا اور کبھی بھی حضور سے الگ نہ ہوئے۔

## مواخات مدینہ:

مواخات مدینہ کے موقع پر حضور ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری کی مواخات عمر و بن ساعدی سے قائم فرمائی اس اجتماع میں نوے سے سو تک صحابہ موجود تھے جن میں آدھے مہاجرین اور آدھے انصار تھے جن کو آپس میں ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنایا گیا اور یہ رشتہ خون کے رشتوں سے زیادہ مضبوط ہو گیا یہاں تک کہ اگر ایک بھائی فوت ہو جاتا تو دوسرا اسکی وراثت کا وارث سمجھا جاتا۔

ایک حکومت کا سب سے بڑا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے دائرے میں رہنے والے تمام افراد کی معاشی خوشحالی کا سامان کرے اور انکی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرے۔ حضور ﷺ کے سامنے بھی مدینہ شریف آمد کے بعد سب سے بڑا مسئلہ یہی تھا کہ جو مسلمان مکہ میں سب کچھ چھوڑ کر صرف ایمان بچا کر مدینہ آئے ہیں انکی زندگی کا بندوبست کیا جائے چنانچہ آپ نے مہاجرین و انصار کو بلا کر فرمایا! تم میں سے ہر انصار ایک مہاجر کو اپنا بھائی سمجھ کر اسکی کفالت کرے۔ انصار نے خندہ پیشانی سے اس تجویز کو قبول کیا پھر حضور نے باقاعدہ ایک ایک کو بلا کر مواخات قائم کی اور فرمایا ''اللہ کی راہ میں دو دو آدمی بھائی بھائی بن جائیں'' گویا یہ حضور کی دعا تھی جس کا اثر تادم آخر زمانے نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے امیر حمزہ کو زید بن حارثہ کا، جعفر بن ابی طالب کو معاذ بن جبل کا، ابوبکر صدیق کو خارجہ بن زہیر کا۔ حضرت

عمر کو عتبان بن مالک کا، ابو عبیدہ ابن الجراح کو سعد بن ربیع خزرجی کا، حضرت زبیر کو سلامہ بن سلار کا، سعید بن زید کو حضرت کعب کا، عمار بن یاسر کو ثابت بن عمر بن قیس کا اور علی المرتضیٰ کو اپنا بھائی قرار دیا۔ ﷺ ورضی اللہ عنہم اجمعین۔

## اصحاب صفہ:

حضرت ابوذر غفاری ؓ کا اسم گرامی اصحاب صفہ میں اول نمبر پر آتا ہے۔ یہ وہ خوش نصیب تھے کہ جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑنا گوارا کرلیا لیکن اسلام اور پیغمبر اسلام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہے اس کے بدلے ان کو کتنی ہی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔

مسجد کے صحن میں ایک چبوترے پر ان کا قیام ہوتا، جنگل سے لکڑیاں لاکر بیچتے خود بھی گزارا کرتے اور دوسرے مسلمانوں کی مدد بھی کرتے، زیادہ وقت عبادت، تلاوت اور صحبت مصطفوی میں گزارتے۔ حضور ﷺ کی زیادہ تر احادیث انہی سے مروی ہیں، مشہور راوی حدیث حضرت ابوہریرہ بھی اصحابہ صفہ میں سے ہیں، (جن کے حالات آگے آرہے ہیں) حضور ﷺ کے پاس اگر کہیں سے صدقہ وخیرات یا دعوت کا کھانا آتا تو آپ ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے بلکہ پہلے انہیں کھلاتے پھر خود تناول فرماتے۔ یہ لوگ قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرتے اس لیے ان کو قراء بھی کہا جاتا بیر معونہ کے واقعہ میں ان میں سے ستر قراء کو شہید کردیا گیا جن کا حضور ﷺ کو سخت صدمہ ہوا اور آپ بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے۔ اصحاب صفہ کے کچھ حالات لکھنے سے پہلے ایک خوبصورت شعر ان کی نذر کیا جاتا ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لیے ہے

بخاری شریف صفحہ ۳۶ جلد ا باب" نوم الرجال فی المسجد "میں لکھا



ہے کہ اصحاب صفہ اپنی آنکھوں کو آپ کے دیدار پُر انوار کے لیے، کانوں کو آپکے کلماتِ قدسیہ سننے کے لیے اور جسم کو آپ کی صحبت ومعیت کے لیے وقف کرچکے تھے۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ان کے پاس چادر تک نہ تھی۔ فقط تہ بند تھا یا کمبل، جس کو وہ اپنی گردنوں میں باندھ لیتے تھے اور کمبل بھی اس قدر چھوٹا کہ کسی کی آدھی پنڈلیوں تک پہنچتا اور کسی کے ٹخنوں تک اور ہاتھ سے اسے تھامتے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے۔

حضرت واثلہ بن اسقع ؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی اصحاب صفہ میں سے تھا۔ ہم میں سے کسی کے پاس ایک کپڑا بھی پورا نہ تھا۔ پسینہ کی وجہ سے جسم پر میل کچیل جما رہتا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ فقیر تھے۔ رسول اکرم ﷺ ان کو صحابہ پر تقسیم فرمادیتے کہ جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ ایک کو اور جس کے پاس تین کا کھانا ہو وہ چوتھا اصحاب صفہ میں سے اپنے ہمراہ لے جائے یعنی وہ تین ایک اصحاب صفہ کو بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرلے۔ کوئی دو کو لے جاتا اور کوئی تین کو۔ حضرت سعد بن عبادہ ؓ اسی اسی اصحاب صفہ کو اپنے ہمراہ لے جاتے اور ان کو کھانا کھلاتے۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۳۴ جلد ا)

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی اہل صفہ میں تھا جب شام ہوتی تو ہم سب آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوجاتے۔ آپ ایک ایک دو دو اغنیاء صحابہ کے سپرد کردیتے جو باقی رہ جاتے ان کو اپنے ساتھ شریک طعام کرلیتے طعام سے فارغ ہوکر ہم لوگ شب کو مسجد ہی میں سوجاتے، مسجد نبوی کے دوستونوں میں ایک رسی بندھی رہتی تھی جس پر انصار اپنے باغات سے انگوروں کے خوشے اور کھجوروں کے گچھے اصحاب صفہ کیلئے لٹکا دیتے تھے۔ اصحاب صفہ ان کو لکڑیوں سے جھاڑ کر کھاتے تھے۔ معاذ بن جبل ان کے منتظم ونگران تھے۔

حضرت عوف بن مالک اشجعی ؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول مقبول ﷺ

اپنے حجرے سے برآمد ہوئے۔ دست مبارک میں عصا تھا۔ دیکھا کہ ایک خراب خوشا لٹکا ہوا تھا۔ آپ نے اس خراب خوشہ پر عصا لگا کر فرمایا۔

اگر صدقے والا چاہتا تو اس سے بہتر خوشہ صدقہ میں لا سکتا تھا۔

عبداللہ بن شقیق ؓ کہتے ہیں۔ میں ایک سال ابو ہریرہ کے ساتھ رہا۔ ایک دن فرمانے لگے کاش تو ہمارا وہ زمانہ بھی دیکھتا جب کئی کئی دن ہم پر ایسے گزرتے کہ اتنا کھانا بھی میسر نہ آتا تھا جس سے ہم اپنی کمر سیدھی کر سکتے۔ (فتح الباری ص ۲۴۲ ج ۱)

فضالہ بن عبید ؓ سے مروی ہے کہ بسا اوقات اصحاب صفہ بھوک کی شدت سے حالت نماز میں بے ہوش ہو کر گر جاتے۔ باہر سے کوئی عربی اور بدو آتا تو ان کو دیوانہ و مجنوں سمجھتا۔

اصحاب صفہ کی تعداد کم و بیش ہوتی رہتی تھی۔ حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ان کی تعداد چار سو تک پہنچ چکی تھی جن میں بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت جندب بن جنادہ یعنی حضرت ابوذ غفاری ؓ
۲۔ حضرت ابوعبیدہ عامر بن الجراح ؓ
۳۔ حضرت عمار بن یاسر ابوالیقطان ؓ
۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ
۵۔ حضرت مقداد بن عمرو ؓ
۶۔ حضرت خباب بن ارت ؓ
۷۔ حضرت بلال بن رباح ؓ
۸۔ حضرت صہیب بن سنان ؓ
۹۔ حضرت زید بن الخطاب ؓ۔ (حضرت عمر ؓ کے بھائی)
۱۰۔ حضرت ابومرثد کنانہ بن حصین عدوی ؓ
۱۱۔ حضرت ابوکبشہ ؓ مولیٰ رسول اکرم ﷺ



۱۲۔ حضرت صفوان بن بیضا ؓ
۱۳۔ حضرت ابوعبس بن جبر ؓ
۱۴۔ حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ ؓ
۱۵۔ حضرت مسطح بن اثاثہ ؓ
۱۶۔ حضرت عکاشہ بن محصن ؓ
۱۷۔ حضرت مسعود بن ربیع ؓ
۱۸۔ حضرت ابوہریرہ دوسی ؓ
۱۹۔ حضرت ثوبان ؓ مولیٰ النبی ﷺ
۲۰۔ حضرت عمیر بن عوف ؓ
۱۲۔ حضرت عویم بن ساعدہ ؓ
۲۲۔ حضرت ابولبابہ ؓ
۲۳۔ حضرت ابوالبشر کعب بن عدی ؓ
۲۴۔ حضرت خبیب بن سیاف ؓ
۲۵۔ حضرت عتبہ بن مسعود ؓ
۲۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ۔ نکاح سے پہلے اہل صفہ کے ساتھ رہتے تھے اور انہی کے ساتھ مسجد میں شب گزارتے تھے۔
۲۷۔ حضرت سلمان فارسی ؓ
۲۸۔ حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ
۲۹۔ حضرت عبداللہ بن زید جہنی ؓ
۳۰۔ حضرت حجاج بن عمرو اسلمی ؓ
۳۱۔ حضرت معاذ بن الحارث ؓ
۳۲۔ حضرت سائب بن خلاد

حضرت ابوذر غفای ؓ مسجد نبوی میں رات دن عبادت میں مشغول رہتے۔

انہوں نے دنیا کی ہر چیز سے منہ موڑ لیا تھا۔ اللہ سے دل لگا لیا تھا جب رات ہو جاتی تو اصحاب رسول کے ساتھ مسجد میں رات گزار دیتے جن کا کوئی گھر بار نہ تھا۔

رسول اکرم ﷺ عشاء کے وقت انہیں بلاتے اور اپنے ساتھ کھانا کھلاتے۔ ابوذر غفاری ؓ ان لوگوں میں سے تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھایا کرتے تھے۔

رسول اکرم ﷺ کے فیض سے ابوغفاری ؓ نے دیکھنے والی آنکھیں اور سننے والے کان پائے۔ رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا اسے محفوظ رکھا۔ پڑھا لکھا، حفظ کیا، حدیث حاصل کی اور حدیث کی روایت کی۔ آپ بڑے محدثین میں سے تھے زہد و عبادت میں رسول ﷺ کی پوری پوری پیروی کرتے لہٰذا آپ مشہور ترین زاہد ہو گئے۔

ایک رات ابوذر ؓ مسجد کے ایک گوشے میں تنہا تھے حضرت کرم علی کرم اللہ وجہہ، داخل ہوئے۔ ابوذر ؓ کو تنہا بیٹھے دیکھ کر فرمایا:

''ابوذر ؓ تنہا بیٹھے ہو؟''

ابوذر ؓ بولے: نیک ساتھی تنہائی سے بہتر ہے اور بُرے ساتھی سے تنہائی بہتر ہے۔ اسی اثنا میں حضرت بلال ؓ نے مغرب کی اذان دی۔ لوگ مسجد میں آنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ بھی نماز کے لئے نکلے۔ جب نماز ہو چکی تو ذکر وفکر کرنے والوں کے حلقے بن گئے اور کچھ رسول ﷺ کی باتیں سننے بیٹھ گئے۔

نماز عشاء کے بعد لوگ مسجد سے لوٹ آئے۔ صرف اہل صفہ رہ گئے۔ رسول اکرم ﷺ کاشانۂ نبوت میں تشریف لے گئے اور اصحاب صفہ سو گئے جب آدھی رات گزر گئی تو رسالت مآب ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور ابوہریرہ ؓ سے کہا:

''میرے اصحاب کو بلاؤ''۔

حضرت ابوہریرہ ؓ نے سونے والوں کو جگایا۔ ان میں حضرت ابوذر غفاری ؓ بھی تھے حضور ﷺ جو کا سالن اور کچھ روٹیاں لائے تھے فرمایا:

بسم اللہ کر کے کھاؤ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے آج آلِ



محمد ﷺ کو اس کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوا۔

اصحاب صفہ نے کھانا کھایا پھر سو گئے۔ ابوذر ؓ بھی آنکھیں موندے پڑے تھے کہ نیند آئے اور سو جائیں اچانک آپ نے کپڑوں کی کھڑکھڑاہٹ سنی تو چونک گئے۔ رسول اللہ مسجد میں آرہے تھے۔ ابوذر ؓ بڑے غور سے دیکھنے لگے حضور ﷺ قبلہ رو کھڑے ہو گئے اور نماز شروع کر دی۔ ابوذر نے ادھر کان لگا دیئے تو حضور ﷺ کو یہ آیات پڑھتے سنا:

**ان تعذبهم فانهم عبادک و ان تغفرلهم فانک انت العزیز الحکیم.**

اگر تو انہیں عذاب میں مبتلا کرے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اور بخش دے تو تو ہی غالب ہے حکمت والا ہے۔

ابوذر ؓ برابر غور سے دیکھتے رہے۔ حضور ﷺ ساری رات رکوع وسجود میں رہے حتیٰ کہ سویرا ہو گیا جب رسول ﷺ فارغ ہوئے تو ابوذر آگے بڑھے اور عرض کی۔

یارسول اللہ ﷺ آپ ساری رات رکوع وسجود میں مشغول رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے پروردگار سے شفاعت کی درخواست کی ہے جو اللہ نے مجھے عطا کر دی اِن شاءاللہ مجھے حق شفاعت ضرور ملے گا۔

صفہ پہلی جامعہ اسلامیہ تھی جہاں تعلیم نبوی نے غلاموں کو اس قابل بنا دیا کہ ان کی ٹھوکروں نے جابر و قاہر شہنشاہوں اور سلطانوں کے تاج اچھالے۔ یہی وہ پہلی جامعۂ انسانیہ تھی، جس نے ظلمت و ذلت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو عظمتوں اور رفعتوں سے آشنا کیا۔ گمراہی و بے دینی کے اندھیروں میں سسکتی ہوئی سرزمین حجاز کو بقعۂ نور بنا دیا۔ جس سے پڑھ کر نکلے ہوئے ائمہ فکر نے انسانوں پر فکر و تدبر کی نئی راہیں کھولیں۔ (سیرت ابوذر غفاری)

مسلمانے کہ در بند فرنگ است
دلش دردست او آساں نیاید

زسیمائے کہ سودم بردغیر
سجودے بوذرو سلماں نیاید

(ارمغان حجاز صفحہ ۱۱: علامہ اقبال)

## حضرت ابوذر غفاریؓ اور تعلیمات نبوی:

ایک دن حضور ﷺ برائے سیر وتفریح بوقت شام جبل احد کی طرف تشریف لے گئے آپ کے ساتھ ابوذر غفاریؓ تھے۔ آپ نے احد کو دیکھ کر فرمایا اے ابوذر! اگر ہمارے پاس اس پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو مجھے پسند نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ میرے پاس رہے ماسوا اس کے کہ ادائیگی قرض کی مقدار، باقی سب بندگان خدا پر تقسیم کردوں۔ مزید آگے گئے تو فرمایا! وہی کنگال ہے وہی مسکین ہے۔ اور اسکی تشریح کرتے ہوئے خود ہی فرمایا: جو دولت مند اپنی دولت حاجت مندوں میں تقسیم نہیں کرتا خدا ایسے ظالم کو پسند نہیں کرتا۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: ھم الاخسرون ورب الکعبۃ ھم الاخسرون و رب الکعبۃ. کعبہ کے رب کی قسم وہی برباد ہیں، رب کعبہ کی قسم وہی نقصان والے ہیں حضرت ابوذر ڈر گئے کہ شاید حضور میرے بارے میں فرما رہے ہیں۔ عرض کیا: من ھم فداک ابی وامی. میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوجائیں وہ کون ہیں جو خسارے والے ہیں فرمایا! الاکثرون اموالا الامن قال ھکذا و ھکذا و قلیل ماھم. وہ زیادہ مال والے ہیں ہاں مگر وہ جو اس طرح (خرچ) کرتے ہیں۔ یعنی مٹھیاں اور لپیں بھر بھر کر غریبوں پر تقسیم کرتے ہیں اور ایسے بہت کم لوگ ہیں۔

حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ مجھے حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ اونٹوں، بکریوں، گائیوں کے مالک ہو کر ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے بروز قیامت وہ مویشی موٹے



کر کے لائے جائیں گے اور اعمال کا فیصلہ ہونے تک اپنے مالکوں کو سینگوں سے ماریں گے، سموں سے کچلیں گے، جب ایک قطار ختم ہوگی تو دوسری لائی جائے گی۔ (مسند احمد)

حضرت ابوذر حضور ﷺ کا یہ فرمان اکثر بیان کیا کرتے کہ مجھ سے میرے محبوب نے عہد لیا ہے کہ جس نے سونا چاندی جوڑا (اور زکوٰۃ ادا نہ کی) اس کے مالک پہ انگارے ہیں حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے حضور ﷺ نے فرمایا: دیکھو مسجد میں بلند رتبہ آدمی کون ہے۔ میں نے ایک اچھے لباس والے امیر آدمی کی طرف اشارہ کیا، فرمایا! اب بتاؤ سب سے گرا ہوا شخص کون ہے۔ میں نے ایک مسکین جو پھٹے پرانے چیتھڑوں میں تھا کی طرف اشارہ کیا۔ تو حضور نے فرمایا! قسم بخدا! بروز قیامت پھٹے پرانے کپڑوں والے کا وزن نیک اور خیر میں قیمتی لباس والوں سے تمام روئے زمین کے وزن سے بھی زیادہ ہوگا۔

ایک دن حضرت ابوذرؓ غربت سے تنگ آ کر حضور کی بارگاہ میں عرض گذار ہوئے کہ مجھے کسی صوبے کا عامل بنا دیں۔ آپ نے فرمایا! یا اباذر انی اراک ضعیفا وانی احب لک ما احب لنفسی.

''ابوذر میں تم کو کمزور پاتا ہوں (یعنی یہ کام تمہاری فطرت کے مناسب نہیں) اور میں تمہارے لیے اسی بات کو پسند کرتا ہوں جو مجھے اپنے لیے پسند ہے''۔ ہرگز ہرگز تم دو آدمیوں کے درمیان کبھی امیر نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کا متولی ہونا۔

حُبّ مال جو حُبِّ دنیا کی نہایت خاردار شاخ ہے۔ اس کی نشوونما میں سب سے زیادہ تقویت دینے والی چیز دنیوی ترقی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کو اس کا بھی علاج بتا دیا تھا اور وہ آخری دم تک اسی پر عامل ہے۔ خود حضرت ابوذرؓ راوی ہیں۔

''میرے خلیل (سرور کائنات ﷺ) نے مجھے حکم دیا ہے کہ مسکینوں سے محبت کروں۔ اپنے سے کم رتبہ والے آدمی پر ہمیشہ نظر کروں اور اپنے سے بلند مرتبہ پر کبھی

نگاہ نہ ڈالوں"۔

حضرت ابوذرؓ میں جو کمال پیدا ہو چکا تھا وہ زہد وتقویٰ کا کمال تھا۔ ڈر تھا کہ کہیں اُن پر خود بینی وخودنگری کا غلبہ نہ ہو جائے۔ جس سے ہوس جاہ وحشم کا سیلاب آخرت کے چین کو بھی بہا کر لے جاتا ہے۔ سرور کائنات ﷺ نے قبل از وقت اس کا بھی انسداد فرمایا۔ آپ نے ابوذرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

ابوذر! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! تم سب کے سب گنہگار ہو لیکن جسے میں محفوظ رکھوں۔ پس تم سب کے سب مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش کی درخواست کرتے رہو۔ میں تمہیں بخشوں گا جو مجھے صاحبِ قدرت جانتا ہے کہ اللہ گناہوں کو مٹا سکتا ہے اور جس نے میری قدرت کے وسیلہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہی میں نے اس کے گناہ معاف کیے۔ آپ نے فرمایا: تم لوگ گناہوں کا خیال کرتے ہو لیکن نیکیوں کا نہیں۔ عموماً زاہدانہ زندگی گزارنے والے کسب وحرفت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اور پھر جب اُنہیں دنیوی ضروریات ستاتی ہیں تو حالاً وقالاً بھیک مانگنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں"۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کیا تم ایک ایسی بات پر بیعت کرو گے اس کے بعد تمہارے لیے صرف جنت ہے"۔

"جی ہاں"۔ حضرت ابوذر نے کہا اور ہاتھ پھیلا دیئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ابوذر! میں تم سے ایک عہد لینا چاہتا ہوں کہ تم کبھی کسی سے کچھ مانگو گے نہیں"۔

حضرت ابوذر نے عہد کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اگر تمہارا کوڑا بھی گھوڑے سے گر جائے تو تم خود اترو اور خود اسے اٹھاؤ" امام الانبیاء ﷺ نے ابوذر سے مزید فرمایا:

"کسی کی نیکی اور بھلائی کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر تمہارے پاس کسی کے ساتھ سلوک کرنے کے لیے کچھ نہیں تو اس کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آؤ"۔



یہی وہ تعلیمات نبوی ومواعظ تھے جنہوں نے حضرت ابوذر غفاریؓ میں جذب ومستی پیدا کر دی تھی۔ حضور ﷺ اپنی زبان مطہر واطہر اور قلب مزکی سے حضرت ابوذرؓ کی زاہدانہ فطرت کو جلا دیتے رہتے تھے۔

زہد وتقویٰ تارک الدنیا ہو کر جنگلوں اور بیابانوں میں نکل جانے کا نام نہیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"راستوں سے ہڈیاں اُٹھانا بھی نیکی ہے۔ کسی بھٹکے ہوئے کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے کسی کمزور آدمی کی معاونت کرنا بھی صدقہ ہے"۔

تعلیم وتزکیہ کا یہی زریں سلسلہ تھا جو روز بروز حضرت ابوذرؓ کے اصل جوہر کو چمکا رہا تھا۔ سرور کائنات ﷺ بھی ہر لحظہ، ہر وقت حضرت ابوذر غفاری کی حرکات وسکنات پر نظر رکھتے تھے۔ ادھر ابوذر کا یہ حال کہ جو کچھ کہا جاتا اور جس وقت کہا جاتا فوراً اُن کی روح اُسے جذب کر لیتی۔

شروع شروع میں جب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ایک دن غصہ میں آ کر حضرت بلال کو ان کی غلامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ دیا۔

"یا ابن الامة"۔

"او لونڈی کے بچے"۔

حضرت بلالؓ سیدھے دربار نبوت میں پہنچے اور ابوذرؓ کی شکایت کی کہ انہوں نے مجھے گالیاں دی ہیں۔ اسی وقت حضرت ابوذرؓ کی طلبی ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔

"اسامیت فلانا"۔

"کیا فلاں (بلال) کے ساتھ تم نے گالی گلوچ کی ہے؟"

زندہ ضمیر ابوذر نے اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

"نَعَمْ"۔ "ہاں ایسا ہی ہوا ہے"۔

Scanned with CamScanner

آنحضرت ﷺ نے فیصلہ صادر فرمانے سے پہلے پھر دریافت فرمایا۔

"افقلت من اُمه".

"کیا تم نے بلال کی ماں کے متعلق کچھ کہا ہے؟"

حضرت ابوذر نے پھر وہی جواب دیا۔

"نعم".

"جی ہاں"۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

"انک امرأ فیک جاهلية".

"تم ایک ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت اب تک موجود ہے"۔

امام بخاری اپنی جامع میں حضرت ابوذر سے روایت کرتے ہیں کہ اپنے ہادی محبوب ﷺ سے "جاہلیت" کا خطاب پاکر حضرت ابوذرؓ کی زبان سے بے ساختہ یہ جملہ نکلا۔

علیٰ ساعتی هذه من کبر السّن.

"کیا اس وقت بھی اتنی بڑی عمر میں؟"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"نعم".

"ہاں"۔

اور پھر نہایت نرمی اور شفقت سے سمجھانا شروع کیا۔

"ابوذر! تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ کسی کو محض اس کے غلام ہونے کے سبب سے ذلیل نہ سمجھو۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تمہارے سپرد کر دیا ہے۔ چاہیے کہ انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ مغلوب و عاجز آ جائیں اور کبھی بضرورت تم کسی مشکل



کام کی تکلیف انہیں دو بھی تو ان کا ہاتھ بٹاؤ"۔ (مسند احمد)

آنحضرت ﷺ نے تو ابوذرؓ کے کان میں یہ الفاظ ڈال دیئے تو اس کے بعد دیکھنے والوں نے ان کی طلسمی تاثیر کو دیکھا کہ حضرت ابوذر گھر سے باہر نکلتے تو غلام بھی ساتھ ہوتا۔ جو کپڑے خود پہنتے وہی غلام کو پہنائے ہوتے۔ کئی بار لوگوں نے ٹوکا بھی کہ حضرت جو چادر آپ نے غلام کو دے دی ہے اگر آپ ہی اوڑھتے تو لباس مکمل ہو جاتا۔ آپ کا اس کا یہ جواب دیتے۔

"اجل ولكن سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اطعموهم مما تاكلون والبسوهم مماتلبسون".

"ہاں (سچ کہتے ہو) لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں۔ کھلاؤ اپنے غلاموں کو اسی کھانے میں سے جس سے تم کھاتے ہو اور پہناؤ ان کو اسی کپڑے میں سے جسے خود پہنتے ہو"۔ (سیرت ابوذر غفاری)

فرداز توحید لاہوتی شود
ملت از توحید جبروتی شود
بایزید و شبلی و بوذر از وست
امتاں را طغرل و سنجر از وست
بے تجلّی نیست آدم راثبات
جلوہ مافرد و ملت راحیات

(جاوید نامہ ص۱۹۲: علامہ اقبال)

## حضرت ابوذر غفاریؓ کی سادگی

آپ کو اپنی ظاہری آرائش و زیبائش سے دور کا تعلق بھی نہ تھا اکثر آپ کے بال بکھرے رہتے، داڑھی مبارک اُلجھی رہتی خود کنگھی کی طرف بھی متوجہ نہ ہوتے تھے بلکہ کبھی کبھی لوگ صحابی رسول سمجھ کر نہلا دھلا کر کپڑے بدل دیتے بالوں کو سنوار دیتے

Scanned with CamScanner

اور گرد و غبار جھاڑ دیتے۔ (طبقات ابن سعد، مسند احمد)

قبیلہ بنی ثعلبہ کے ایک شخص نے آپ کی اس حالت کے متعلق یوں بیان کیا:

مربنا شیخ اشعث ابیض الراس واللحیة فقالوا هذا من اصحاب رسول الله ﷺ فاستاذ ناه ان نفل راسه فاذن لنا واستانس بنا.

ایک بزرگ ہمارے پاس سے گزرا جس کے بال بکھرے ہوئے سر اور داڑھی سفید تھی لوگوں نے کہا یہ تو حضور کے صحابی (ابوذر) ہیں بس ہم نے ان سے ان کی حالت کو درست کرنے کی اجازت طلب کی اور انہوں نے اجازت دے دی اور ہم سے مانوس ہو گئے۔

آپ کا حلیہ بیان کرنے والوں نے بھی بالخصوص گھنے بالوں کا ذکر کیا ہے۔

علم نحو کے امام ابوالاسود دئلی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذر کھیتوں کو تالاب سے پانی دے رہے تھے کچھ لوگوں نے آپ کو دیکھا اور تمنا کی کہ کاش ان کے چند بال ہمارے ہاتھ آ جائیں۔ اتنے میں تالاب کا کنارہ ٹوٹ گیا اور پانی ہر طرف پھیل گیا، حضرت ابوذر اسی جگہ کیچڑ میں بیٹھ گئے بلکہ لیٹ گئے جب کسی نے عرض کیا! کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے تو فرمایا! میں نے حضور ﷺ سے سُنا آپ نے فرمایا: جب کسی کو غصہ آئے تو اگر کھڑا ہے تو فوراً بیٹھ جائے۔ اس سے بھی غصہ نہ جائے تو لیٹ جائے۔

(ہوسکتا ہے تالاب کا کنارہ ٹوٹنے پر غصہ آیا ہو یا کوئی اور وجہ ہو۔ واللہ اعلم)

کوئی خصوصی شان کا لباس آپ نہ پہنتے تھے بلکہ جو مل گیا پہن لیا کبھی نہایت ہی شکستہ و خستہ خرقہ و گدڑی میں پھرتے۔

ایک مرتبہ بدووں کا سا کمبل اوڑھے جا رہے تھے کسی نے دیکھ کر پوچھا! اس کے علاوہ کوئی اور کپڑا نہیں ہے کیا؟ فرمایا: اگر ہوتا تو تم بھی دیکھ لیتے۔ اس نے کہا! دو دن پہلے تو دیکھا تھا وہ کدھر ہے؟ فرمایا: ایک شخص مجھ سے زیادہ ضرورت مند تھا میں نے اس کو دے دیا۔ اس نے عرض کیا: میرے خیال میں تو آپ کو اس کی زیادہ ضرورت



تھی۔ آپ نے ناراض ہو کر فرمایا: خدا تجھے بخشے تو نے دنیا کو عظمت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ میرے جسم پر تو پھر بھی کمبل ہے اس کے پاس یہ بھی نہ تھا۔ میرے پاس بکریاں ہیں جن کا میں دودھ پیتا ہوں، گدھے ہیں جن پر میں سواری کرتا ہوں اور بازار سے چیزیں خرید کر لاتا ہوں، غلام ہیں جو کھانا پکانے میں میری مدد کرتے ہیں اور ہاں عیدین کے لیے میرے پاس ایک جبہ بھی ہے بلکہ اس کو میں اپنی ضرورت سے زائد سمجھتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن اس کا حساب نہ دینا پڑ جائے۔ اب بتا ان نعمتوں سے بڑی اور کیا نعمت ہو سکتی ہے۔ (زاد المعاد)

آپ نے آرام کرنے اور لیٹنے کے لیے کوئی نرم گدا وغیرہ نہ رکھا ہوا تھا بلکہ ٹاٹ پر لیٹتے بیٹھتے تھے۔ اور اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتے۔ 'اے اللہ! دنیا کی جو نعمتیں تو نے مجھے اپنی مرضی سے دی ہیں میں ان کے لیے بھی تیری معافی کا طلبگار ہوں۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ مجذوب تھے کیونکہ آپ اس سادگی کے باوجود ساری زندگی بلکہ زندگی کا ایک ایک لحہ بقائمی ہوش وحواس رہے۔ کبھی زندگی میں ایک نماز بھی نہ چھوڑی حضور ﷺ نے آپ کو ہی فرمایا! تمام اعمال سے افضل عمل نماز ہے۔

## آپ کی زوجہ محترمہ:

آپ کا باقاعدہ نکاح ہوا لیکن اس میں بھی وہی سادگی اور درویشی کارفرما تھی تحته امراة محماء. آپ کی بیوی کالے رنگ کی عورت تھی۔

ایک صحابی (عبداللہ بن حراس کعبی) نے ایک دن آپ کو کہا! یہ کیا کالی کلوٹی عورت سے نکاح کر لیا ہے! فرمایا! جس عورت کی وجہ سے لوگ مجھے حقیر سمجھیں اس کو میں ایسی عورت سے بہتر سمجھتا ہوں کہ جس کی وجہ سے لوگ میری عزت کریں کہ یہ وہ شخص ہے جس کی بیوی حسین ہے۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ آپ کو اپنی بیوی کی آرائش وزیبائش کا خیال نہ تھا

Scanned with CamScanner

صرف سنت سمجھ کر نکاح کر لیا۔ ابو اسماء احبی کہتے ہیں کہ میں نے آپ کی بیوی کو ایک بار دیکھا تو نہ اس کے کپڑوں میں خوشبو تھی اور نہ زیب وزینت کا کوئی نام ونشان تھا۔ صرف کانوں میں بالیاں تھی اور کسی دھات کی کوئی چیز نہ تھی۔

حضور ﷺ نے دنیا کی طرف راغب ہونے سے بھی منع فرمایا بلکہ دنیا کو گذرگاہ اور انسان کو مسافر قرار دیا جو تھوڑی دیر کسی چھاؤں میں آرام کے لیے رُک جاتا ہے۔ لیکن رہبانیت اور ترک دنیا سے بھی منع فرمایا حضرت ابوذر کی زندگی آپ کے ان ہر دو فرمودات کا حسین امتزاج اور عملی تطبیق ہے۔ شام کے جس علاقہ میں آپ نے زندگی کے آخری ایام گزارے آپ کا خیمہ ایک جھونپڑی ہی تھا جس میں آپ بمعہ اہل وعیال رہتے تھے اور جب وصال ہوا تو بھی صوف کے اس معمولی سے خیمے میں لوگوں نے ان کی لاش کو دیکھا۔ (طبری کامل)

ہم فقیرے ہم شہِ گردوں فرے — اردشیرے باروانِ بو ذرے
آں مسلماناں کہ میری کردہ اند — در شہنشاہی فقیری کردہ اند
درامارت فقررا افزودہ اند — مثلِ سلماں در مدائن بودہ اند
حکمرانے بو دساماں نداشت — دست اوجز تیغ وقرآنے نداشت
ہر کہ عشق مصطفیٰ ساماں اوست — بحر وبر در گوشۂ داماں اوست
سوز صدیق وعلی از حق طلب — ذرّہ عشق نبی از حق طلب

(پیام مشرق ص ۲۰: علامہ اقبال)

جوں سالانہ وظیفہ آپ کو بیت المال سے ملتا اپنی لونڈی کو ساتھ لیتے اور سال بھر کا سامان اس ساری رقم سے خرید لیتے تھے۔

## درشہنشاہی فقیری کردہ اند:

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ (یمن کے گورنر یا ناظم) ایک مرتبہ حضرت ابوذر کو ملنے آئے حضرت ابوذر کھڑے ہوگئے تو حضرت ابو موسیٰ آپ کی کمر سے چمٹ گئے



،ابوذر غصّے بھی ہوئے مگر وہ آپ کو بھائی بھائی کہتے رہے، ابوذر نے کہا! اب تم میرے بھائی نہیں ہو کیونکہ صوبے کے عامل وناظم بن گئے ہو۔ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت ابو ہریرہ کا بھی آپ کے ساتھ پیش آیا جب وہ بحرین کے گورنر تھے اور وہاں سے آپ کو ملنے آئے تو آپ نے فرمایا! گورنری سے تم نے ضرور کوئی عالی شان محل بنایا ہوگا یا زمین حاصل کی ہوگی یا پھر اونٹوں بکریوں کے ریوڑ تو ضرور بنائے ہوں گے انہوں نے کہا ! میں نے ان میں سے کچھ بھی نہیں بنایا، یہ سُن کر حضرت ابوذر بہت خوش ہوئے اور کہا! تم میرے بھائی ہو، تم میرے بھائی ہو۔

صحابہ کرام آپ کا بے حد احترام کرتے تھے اور آپ ان کو ذرا سی غلطی پر ڈانٹ بھی لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابو درداء ؓ مکان بنا رہے تھے کہ حضرت ابوذر ان کے پاس سے گزرے اور فرمایا! آخر تم نے بھی پتھر کی چٹانیں لوگوں کے کندھوں پر لادھ دیں۔ انہوں نے کہا: بھائی میں تو صرف ایک مکان ہی بنوا رہا ہوں، مگر آپ وہی پہلا فقرہ بار بار دہراتے رہے، تو حضرت ابو درداء نے کہا! شاید آپ کو میرا مکان بنوایا پسند نہیں آیا؟ حضرت ابوذر نے فرمایا! کاش میں جب تیرے پاس سے گزرتا تو تمہیں اپنے گھر کی غلاظتوں پہ پاتا تو یہ اس حال سے بہتر تھا کہ جس حال میں تمہیں اب دیکھ رہا ہوں۔

ایک مرتبہ حضرت ابوذر کی ملاقات حضرت ابو ہریرہ سے ہوئی جبکہ حضرت ابو ہریرہ کے ہاتھ میں چاندی کی مٹھی (قبضہ) والی تلوار تھی، حضرت ابوذر فوراً بولے ”میں نے حضور ﷺ سے سُنا ہے جس نے پیلے یا سفید (سونے چاندی) کو چھیڑا (اپنایا) وہ اسی سے قیامت کے دن داغا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ نے فوراً تلوار پھینک دی۔ (بیہقی ص ۱۲۴)

باوجود اس کے کہ حضرت ابودرداء کو آپ نے اتنا ڈانٹا (جیسا کہ ابھی بیان ہوا) جب حضرت ابوذر مدینہ چھوڑ کر ”ربذہ“ چلے گئے تو ابودرداء نے فرمایا: اگر ابوذر

Scanned with CamScanner

میرے جسم کی بوٹیاں بھی اڑا دیتے تو میں اف تک نہ کرتا۔

لاالہ سرمایۂ اسرار ما — رشتہ اش شیرازۂ افکار ما
اسوداز توحید احمر می شود — خویش فاروق و ابوذر می شود

(اسرار خودی ص ۹۲: علامہ اقبال)

## نیابت و معیت و خدمت:

غزوہ ذات الرقاع میں حضور علیہ السلام تشریف لے گئے تو مدینہ شریف میں ابوذر غفاری کو اپنا نائب اور مسلمانوں کا امام بنا کر گئے۔ اور نہ صرف آپ کو بلکہ آپ کی وجہ سے آپ کے قبیلہ کے دیگر افراد کو بھی یہ منصب جلیلہ سونپا گیا مثلاً غزوہ دومۃ الجندل کے موقع پر حضور علیہ السلام نے سباع بن غرفۃ الغفاری کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا۔

(زادالمعاد صفحہ ۱۲ جلد ۱)

حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کرام میں سے بعض کو یہ اعزاز بخشا کہ اپنی سواری پر وقتاً فوقتاً ان کو اپنے پیچھے بٹھایا جس کو "ردافت" کہا جاتا ہے اور پیچھے بیٹھنے والے کو ردیف، حضور علیہ السلام نے کئی مرتبہ اونٹ پر اور دیگر سواریوں پر حضرت ابوذر کو یہ سعادت بخشی۔ (طبقات، مسند احمد)

اسی طرح ایک زمانہ حضرت ابوذر حضور علیہ السلام کے خادم خاص رہے اور حضور علیہ السلام آپ کی خدمت سے بہت خوش تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوذر رات دیر تک خدمت اقدس میں رہے چونکہ آج کام زیادہ تھا اور ابوذر تھکے ہوئے تھے مسجد نبوی میں آکر سو گئے تو حضور علیہ السلام خود چل کر مسجد میں تشریف لائے تاکہ ان کے آرام کا پورا اہتمام کیا جائے اور دلجوئی بھی ہو جائے۔ چونکہ ابوذر سو چکے تھے تو حضور علیہ السلام نے انگوٹھے کے اشارے سے جگایا تو ابوذر گھبرا کر اُٹھ بیٹھے حضور علیہ السلام نے ان سے عجیب بات فرمائی۔ فرمایا! اے ابوذر اس دن کیا کرو گے جس دن اس مسجد سے نکالے جاؤ گے؟ حضور کی غلامی پر ناز کرتے



ہوئے عرض گزار ہوئے "اپنی تلوار سونت لوں گا اور جو مجھے یہاں سے نکالے گا اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے حضرت ابوذر کی مغفرت کی دعا فرمائی۔ اور فرمایا! ایسا نہ کرنا، اگر تم پر حبشی غلام بھی حاکم بنا دیا جائے جس کی ناک کان کٹے ہوئے ہوں اگر وہ حق پر رہے تو اس کی اطاعت کرنا۔ عرض کیا! وہ حق پر نہ ہوا تو؟ فرمایا: اس کی اطاعت نہیں ہے کیونکہ اطاعت صرف نیکی میں ہے اس کے بعد حضور علیہ السلام حضرت ابوذر کو لے کر مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ گئے اور دیر تک راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے۔

نعرہ حیدر نوائے بوذر است — گرچہ از حلق بلال و قنبر است
ہر یکے از ما امین ملت است — صلح و کینش، صلح و کین ملت است

(اسرار خودی ص ۱۰۶: علامہ اقبال)

## راز دارِ محبوب خُدا:

حضرت ابوذر غفاری ﷜ کی ایک خصوصی شان یہ تھی کہ حضور علیہ السلام آپ کے ساتھ بہت ساری راز دارانہ گفتگو فرماتے جس کی وجہ سے آپ کو "صاحب سرالنبی ﷺ" کہا جاتا ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ جو راز کی باتیں حضور علیہ السلام نے مجھ سے کیں اگر تم مجھ سے وہ باتیں پوچھنا چاہو تو تمہیں کبھی نہیں بتاؤں گا اس کے علاوہ جو پوچھنا چاہو پوچھ لو۔ (مسند احمد)

چند وصیت کی باتیں جو حضور علیہ السلام نے آپ سے فرمائیں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔ اوصانی حبیبی بثلاث بصلوۃ الضحی والوتر قبل النوم الصیام ثلثۃ ایام من کل شھر۔ (مسند احمد مطبوعہ مصر)

مجھے میرے محبوب نے تین باتوں کی وصیت فرمائی۔ (۱) نماز چاشت کی۔
(۲) سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی اور ہر مہینے کے تین روزے رکھنے کی۔
(میں ان کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا)

ایک موقع پہ فرمایا:

**اوصانی حبیبی بخمس ارحم المساکین واجالسھم وانظرالی ما ھوتحتی ولاانظر الی ماھوفوقی وان اصل الرحم وان اقول الحق ولو کان مد اوان اقول لاحول ولاقوۃ الاباللہ.**

مجھے میرے محبوب نے پانچ باتوں کی وصیت فرمائی:

۱۔ مسکینوں پہ رحم کروں اور ان کے ساتھ بیٹھوں اُٹھوں۔
۲۔ اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھ نہ کے اوپر والوں کو۔
۳۔ صلہ رحمی کروں۔
۴۔ یہ کہ سچ کہوں اگرچہ کڑوا ہو۔
۵۔ **لاحول ولا قوۃ الاباللہ** پڑھتا رہوں۔

احنف بن قیس کہتے ہیں ایک مرتبہ بیت المقدس میں حضرت ابوذر ایک حدیث بیان کرنے لگے ابھی اتنا ہی کہا کہ "مجھے میرے حبیب ابوالقاسم نے خبر دی تو چیخ نکل گئی ،دوبارہ پھر اتنا ہی کہا تو چیخ نکل گئی چوتھی بار جا کر بڑا ضبط کر کے حدیث بیان کر سکے۔

فرماتے ہیں ایک دفعہ مجھے خیال آیا کہ دنیا میں تو ہم حضور علیہ السلام کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر لیتے ہیں ،قیامت کے دن تو حضور جنت میں ہوں گے اور خدا جانے میں کہاں ہوں گا کیونکہ جنت تو حضور کی اتباع کامل سے ملتی ہے اور ہم میں یہ ہے نہیں ،فرماتے ہیں میرا خلجان بڑھا تو میں نے آپ کی بارگاہ میں عرض کر ہی دیا کیونکہ **انا کنت اسال عنھا یعنی اشد مسئلہ** (بیہقی) میں ہر طرح کا مسئلہ آپ سے پوچھ لیتا تھا جس کو پوچھنے کی کوئی بھی جرأت نہ کر سکتا۔ یارسول اللہ ایک بندہ کسی سے پیار تو کرتا ہے مگر محبوب کی کامل اتباع نہیں کر پاتا ، قیامت کے دن اس کا حال کیا ہوگا؟

سرکار نے فرمایا: وہ اپنے محبوب کے ساتھ ہی ہوگا۔

**(المرء مع من احب)**

ہاں ایک مرتبہ حضور کی بارگاہ سے آپ کو جھڑکی ملی اور یہ عتاب ابوذر نے ہمیشہ یاد



رکھا بات یہ ہوئی کہ آپ ﷺ لیلۃ القدر کی شدت سے انتظار و تلاش فرماتے: ایک دن حضور کی بارگاہ میں عرض کیا کہ لیلۃ القدر صرف رمضان میں ہی ہوتی ہے یا دوسرے مہینوں میں بھی ہوسکتی ہے؟ فرمایا! صرف رمضان میں ہوتی ہے۔عرض کیا: کیا یہ رات آپ کی ظاہری حیات تک آتی رہے گی یا بعد میں بھی؟ فرمایا: تاقیامت آتی رہے گی۔ عرض کیا: تو رمضان کے کس عشرے میں اس کو ڈھونڈھا جائے فرمایا: اول وآخر عشرہ میں۔اس کے بعد حضور علیہ السلام نے کسی دوسرے شخص سے بات کرنا شروع کر دی لیکن حضرت ابوذر کے سوالات کا سلسلہ جاری رہا اور عرض کیا کہ ان دوعشروں میں سے کس میں ہوسکتی ہے فرمایا! آخری میں،اب سوال مت کرنا۔ پھر موقع ملتے ہی حرص ثواب نے جوش مارا اور عرض کر دیا:**اقسمت علیک یا رسول اللہ بحقی علیک تحد ثنی فی ایۃ العشرہ ھی.** حضور میں اپنے حق کی قسم دیکر عرض کرتا ہوں مجھے بتادیں کہ کس عشرہ کی کونسی رات لیلۃ القدر ہوگی **فغضب علی رسول اللہ ﷺ ما غضب علی من قبل ولا من بعد.** پس حضور علیہ السلام مجھ پر اس قدر غضبناک ہوئے کہ نہ اس سے پہلے کبھی ہوئے تھے نہ بعد میں۔

## آپ کا حلقۂ ارادت:

حضرت ابوذر کے زہد کی وجہ سے امت کا غریب طبقہ آپ کا معتقد ہوگیا اور آپ کے پاس بیٹھ کر احادیث کا سماع کرتا کیونکہ آپ بڑے بلند پایہ محدث بھی تھے اور فصیح وبلیغ عربی بولتے۔ایک دن مسجد میں لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے عرض کیا! کاش میں بھی حضور علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا ہوتا۔آپ نے فرمایا کہ حضور کا فرمان ہے میری امت میں سب سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو بعد میں آئیں گے اور کہیں گے کہ کاش ہم حضور کو دیکھ لیتے اور اس کے بدلے چاہے ہمارے مال واولاد چھین لیے جاتے۔ایک شخص نے سوال کیا: حضور علیہ السلام کو

Scanned with CamScanner

معراج کس طرح کرائی گئی؟ فرمایا: آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ میں ام ہانی کے گھر میں تھا کہ مکان کی چھت کھولی گئی، جبریل علیہ السلام آئے میرا سینہ چاک کیا گیا، آب زمزم سے دھویا گیا پھر ایک طشت لایا گیا جو حکمت وایمان سے لبریز تھا۔ اسے میرے سینے میں لوٹ دیا گیا۔ پھر میرے سینے کو بند کر دیا گیا۔ پھر مجھے آسمان دنیا کی طرف لے گئے۔ جب میں پہلے آسمان پر پہنچا تو جبریل نے آسمان کے داروغہ سے کہا۔ ''کھول'' ۔ اُس نے پوچھا ''یہ کون ہے؟'' جبریل نے کہا۔ ''میرے ساتھ محمد ہیں'' اُس نے پوچھا۔ ''کیا ان کے پاس پیغام بھیجا گیا ہے؟'' جبریل نے کہا۔ ''ہاں'' جب دروازہ کھول دیا گیا تو ہم آسمان دُنیا کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا ایک شخص بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے دائیں اور بائیں جانب کچھ وہ لوگ بیٹھے ہیں جب وہ دائیں جانب دیکھتا تو ہنستا اور بائیں طرف دیکھتا تو روتا۔ وہ شخص بولا: ''آؤ نیک نبی اور صالح فرزند'' ۔ میں نے جبریل سے پوچھا۔ یہ کون ہے؟'' اس نے کہا۔ ''آدم اور یہ گروہ ان کی اولاد ہیں'' ۔ دائیں جانب جنتی اور بائیں جانب جہنمی۔ دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں۔ بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں'' ۔

حضرت ابوذر نے جو نظر اُٹھائی تو ایک اجنبی شخص دیکھا جسے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے پوچھا:

''تم کون ہو؟'' ۔

اس نے جواب دیا:

''نافع طائی'' ۔

کہاں کے رہنے والے ہو؟

''عراق'' ۔

کیا عبداللہ بن عامر کو جانتے ہو؟

''ہاں'' ۔



حضرت ابوذر نے فرمایا:

''وہ میرے ساتھ رہتا تھا اور پڑھا کرتا تھا۔ پھر وہ امارت وریاست کا طالب بن گیا۔ جب تم بصرہ جاؤ تو اس سے کہنا۔ میں ابوذر کا فرستادہ ہوں۔ اس نے تمہیں سلام کہا ہے اور کہا ہے۔ ہم کھجور کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں اور اسی طرح زندہ ہیں جیسے تم زندہ ہو'' ۔

حاضرین میں سے ایک شخص بولا۔

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مال واولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں'' ۔

حضرت ابوذر نے فرمایا:

''بڑا تعجب تو اس بات پر ہے جو دار بقا کی تصدیق کرتا ہے اور دارِ فنا کی کوشش کرتا ہے۔ ہمیں دنیاوی زینت سے کیا تعلق۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ نیک اعمال باقی رہنے والے تیرے پروردگار کے ہاں بہتر ہیں ازرُوئے ثواب کے اور اچھے ہیں ازرُوئے اُمید کے'' ۔

نافع طائی بصرے پہنچا اور حاکم بصرہ عبداللہ بن عامر کے پاس گیا۔ عبداللہ نے پوچھا۔ ''کیوں آئے ہو؟''

نافع نے کہا:

''میں شام میں تھا۔ ابوذر سے ملا۔ انہوں نے مجھے آپ کے نام ایک پیغام دیا ہے'' ۔

جونہی عبداللہ بن عامر نے حضرت ابوذر غفاری کا نام سُنا تو اس کا دل خشوع و خضوع سے بھر گیا۔

نافع نے کہا:

''ابوذر نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے۔ میں کھجوریں کھاتا ہوں اور پانی پیتا ہوں اور تیری طرح زندہ ہوں'' ۔

جب عبداللہ بن عامر نے یہ پیغام سُنا تو بڑا متاثر ہوا اور گریبان میں منہ ڈال کر

Scanned with CamScanner

زاروقطار رونے لگا حتیٰ کہ دامن تر ہوگیا۔

حضرت ابوذر حضور ﷺ سے جو کچھ سنتے تھے ٹھیک اسی طرح اس پر عمل کرتے تھے اور دین کے مقابلے میں اتنے متشدد یا موجودہ دور کے دشمنان دین حکمرانوں کی زبان میں "دہشت گرد تھے (العیاذ باللہ) کہ بڑی سے بڑی طاقت کا مقابلہ کر جاتے۔

خود حضرت علی المرتضیٰ کا فرمان ہے کہ دنیا میں ایسا کوئی نہیں رہا جو **لا یخافون لومۃ لائم** کا مصداق کامل ہو سوائے ابوذر کے حضرت ابوذر فرمایا کرتے تھے اگر میری شہ رگ پہ تیز دھار تلوار بھی رکھ دی جائے تو بھی میں سچی بات کر کے رہوں گا۔ کیوں کہ میرے حبیب نے مجھے فرمایا تھا: ان اقوال الحق ولو کان مدا. کہ حق اگر چہ کتنا ہی تلخ ہو میں اس کو کہے بغیر نہ رہوں۔

## ظرافت طبع:

حضرت ابوذر کے مذکورہ حالات سے کوئی یہ اندازہ نہ لگا بیٹھے کہ آپ بالکل خشک مزاج اور ظرافت کے مادے سے خالی ہوں گے بلکہ آپ سنت مصطفیٰ کا مرقع تھے اور آپ کی زندگی میں حضور علیہ السلام کی تمام تعلیمات کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ اور یہ حدیث بھی آپ سے ہی مروی ہے جو آپ نے ایک مجمع عام میں سنائی۔ کہ مجھ سے حضور علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو دربار خداوندی میں پیش کیا جائے گا، فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس پر پیش کرو، فرشتے تعمیل حکم کرتے ہوئے اس کو کہیں گے تو نے فلاں دن فلاں جگہ یہ گناہ کیا، فلاں دن یہ گناہ کیا۔ وہ مانتا جائے گا اور ڈرے گا کہ ابھی میرے بڑے بڑے گناہوں کی فہرست بھی آئے گی لیکن جب فرشتے صغائر پوچھ لیں گے تو ان کو حکم ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک کے بدلے اسکی ایک نیکی لکھ دو۔ اس پر وہ شخص شور مچائے گا کہ مجھ سے ناانصافی ہوئی ہے کیونکہ میرے بڑے بڑے گناہ بھی ہیں جس پر مجھے بڑی نیکی ملنی چاہیے تم نے ان



کو تو شمار ہی نہیں کیا۔ حضرت ابوذر نے اتنا بیان کیا اور فرمایا کہ یہاں آ کر حضور علیہ السلام بہت ہنسے تھے اور پھر ساتھ ہی حضرت ابوذر خود بھی ہنسنا شروع کر دیتے۔

ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ابوذر کعبہ کے دروازے کی زنجیر کو تھام کر فرما رہے ہیں۔

"جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا جان لے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا صحابی ابوذر ہوں"۔

پھر فرمایا:

"جس طرح میں کعبہ کی زنجیر پکڑے ہوئے ہوں۔ آنحضرت ﷺ بھی کبھی اسی طرح کعبہ کی زنجیر پکڑ کر فرمایا کرتے تھے"۔ (بحدیث بیہقی)

نعیم بن قعنب الریاحی کہتے ہیں کہ میں دن حضرت ابوذر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گھر پر دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ یہاں تشریف نہیں رکھتے۔ آپ کی بیوی صاحبہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے فرمایا:

"سامنے ان کی کچھ زمینیں ہیں وہیں ہوں گے"۔

جب میں ادھر چلا تو دیکھتا ہوں آپ کے آگے آگے دو اونٹ ہیں۔ جن کے گلے میں مشکیں پڑی ہوئی ہیں۔ آپ انہیں پیچھے سے ہنکائے چلے آ رہے ہیں۔ میں آگے بڑھ کر آپ سے ملا اور ساتھ ساتھ مکان پر آیا۔ آپ نے مشکیں اُتاریں۔ اس کے بعد مجھ سے دریافت فرمایا:

"تم کون ہو؟"

میں نے کہا:

"آپ سے ملنے کی مجھے تمنا تھی اور آپ کی ملاقات سے مجھے نفرت بھی تھی"۔

حضرت ابوذر نے فرمایا:

"یہ دونوں باتیں کیونکر ساتھ جمع ہو سکتی ہیں"۔

Scanned with CamScanner

نعیم نے کہا:

''میں نے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کیا ہے۔اب مجھے اس کی فکر ہے کہ میرا گناہ معاف ہوسکتا ہے یا نہیں۔اگر ہوسکتا ہے تو اس کی کیا صورت ہے اس کا کفارہ بھی ہے یا نہیں؟''

نعیم بن قعنب الریاحی نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا:

''پس جب دل میں یہ خیال آتا تھا کہ آپ ہی میرے لیے کوئی راستہ پیدا کریں گے۔ اس وقت ولولہ ہوتا تھا کہ آپ سے مل ہی لوں۔پھر کبھی خطرہ ہوتا تھا کہ کہیں آپ نے مجھے مایوس کردیا تو عمر بھر کا غم میرے ساتھ لگا رہے گا اور یوں مجھے آپ سے نفرت ہوجاتی تھی''۔

حضرت ابوذر نے فرمایا:

لڑکیوں کو قتل کرنے کی حرکت تم نے کفر کے زمانہ میں کی ہے یا اسلام میں؟''

نعیم نے جواب دیا:

''ایام کفر میں''۔

حضرت ابوذر نے فرمایا:

''تو پھر کیا پروا ہے۔اسلام خود ہی تمام گناہوں کا کفارہ ہے''۔

یہ کہتے ہوئے آپ اپنی بیوی سے مخاطب ہوئے اور سر سے کچھ اشارہ کیا۔جس کا مطلب یہ تھا کہ مہمان کے لیے کچھ کھانا لاؤ۔یہ سنتے ہی بیوی صاحبہ برس پڑیں۔

''ایک تو کچھ کماتے نہیں اور اوپر سے مہمان نوازی کا شوق''۔

آپ نے پھر نہایت نرمی سے کہا:

''بیچارے کے لیے کچھ لاؤ''۔

لیکن وہ تو بگڑ رہی تھیں۔آپ نے تیسری بار کچھ زور دے کر فرمایا کچھ لاتی ہو یا نہیں۔لیکن وہ کب سننے والی تھیں۔اس طرح اُلجھ پڑیں اور اُلجھتی رہیں کہ آخر میں آپ نے ہنس کر فرمایا:



''اری کس قدر بولو گی۔تم کہیں اس سے بھی آگے نکل سکتی ہو جو حضور تم لوگوں کی شان ارشاد فرما چکے ہیں''۔

نعیم نے کہا:

''حضور ﷺ نے عورتوں کے بارے میں کیا فرمایا؟''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''عورتیں ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں۔اگر انہیں سیدھی کرنا چاہو گے تو ٹوٹ جائیں گی اور اگر یوں ہی چھوڑ دو گے تو کجی باقی رہے گی۔لیکن کچھ کام بھی چلتا رہے گا''۔(مسند احمد)

یہ سن کر وہ اندر تشریف لے گئیں اور خشک ثرید کے کچھ ٹکڑے لے آئیں۔آپ نے نعیم سے کہا:

''بس تو شروع کیجیے اور اس کا کچھ خیال نہ کیجیے کہ میں کیوں شریک نہیں ہوا، کہ میں روزہ دار ہوں''۔

یہ کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی۔سلام پھیر کر بیٹھ گئے۔ہاتھ بڑھا کر ثرید کھانا شروع کیا۔

نعیم نے حیران ہوکر کہا:

''حضرت!ابھی آپ نے فرمایا تھا میں روزہ دار ہوں''۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہاں۔بعد اس کھانے کے بھی روزہ دار ہوں۔کیونکہ اس مہینہ کے تین دنوں ۱۳۔۱۴۔۱۵ میں روزے رکھ چکا ہوں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جس نے ان تینوں دنوں میں روزہ رکھا اس نے گویا مہینے بھر کا روزہ رکھا۔پس آج میرا روزہ بھی ہے۔اس کا اجر بھی ہے اور تمہارے ساتھ کھا بھی رہا ہوں''۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جب شروع شروع مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کی آب و ہوا راس

نہ آئی۔ آنحضرت ﷺ نے تبدیلی آب وہوا کا حکم دیا کہ جہاں بیت المال کے مویشی چرتے ہیں وہاں چلے جاؤ۔ حضرت ابوذر ؓ اسی صحرائی علاقے کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کی حرم محترمہ ساتھ تھیں۔ یہ ایسا علاقہ تھا جہاں پانی کا نام تک نہ تھا۔ حضرت ابوذر ؓ کو دودھ پر ہی گزر کرنا پڑی۔ آب وہوا کی تبدیلی سے آپ کی صحت بہتر ہونے لگی۔ یہ شباب کا زمانہ تھا۔ بیوی ساتھ تھیں۔ یہ سوچے بغیر کہ آخر اس وادی میں پانی ملے گا یا نہیں، اپنے اوپر غسل واجب کرلیا۔ حضرت ابوذر کو اس وقت اس کا پتہ نہ تھا کہ پانی میسر نہ ہو تو تیمم کیا جاسکتا ہے۔ نماز کے قضا ہونے کا اندیشہ ہوا۔ ایک تیز رفتار اونٹ پر سوار ہوکر مدینہ پہنچے۔ رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ کی زبان سے بیساختہ نکلا۔

"سُبحان اللہ ابوذر"۔

"خدا کی شان ابوذرؓ"۔

حضرت ابوذر نے سارا قصہ بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

ایک دفعہ آپ کی بیوی صاحبہ نے روزی روزگار کے سلسلہ میں آپ کو مشورہ دیا تو آپ گھر سے نکل کر مجمع عام میں فرمانے لگے:

"تم لوگ اس کالی کلوٹی کو دیکھتے ہو۔ مجھ سے کہتی ہے عراق جاؤ اور جب میں جاؤں گا تو مسلمان میری طرف روپے پیسے لے کر جھکیں گے۔ لیکن میں کیا کروں میرے حبیب ﷺ نے مجھ سے عہد لیا ہے کہ پُل صراط کے قریب ایک راستہ ہے جس پر پاؤں پھسل جاتے ہیں۔ میں جانتا ہوں اس پر ہلکا پھلکا چلوں۔ یہی میرے لیے بہتر ہے، بہ نسبت اس کے کہ روپے پیسے کے بوجھ میں لدا ہوا گراں بار ہوکر اسے عبور کروں"۔ (طبقات ابن سعد)

آپ اپنی بیوی کی فرمائشوں کو ٹال دیتے جو کچھ حلال اور پاکیزہ طریقہ سے آپ کے پاس آتا وہی دیتے۔ اس کے بعد نہ ان کی فرمائشوں کی پرواکرتے اور نہ اپنی



نفسانی خواہشوں سے متاثر ہوتے کہ یہاں نفس باقی نہ تھا۔ آپ شادی بھی نہ کرتے سنتِ رسُول سمجھ کر کرلی۔

## غزوات میں شرکت:

غزوۂ خندق کے بعد حضرت ابوذر نے تمام غزوات میں شرکت کی۔ حضور ﷺ کے ساتھ غزوۂ بنی لحیان اور غزوۂ قرر میں شریک ہوئے ۶ ھ میں جب حضور ﷺ غزوۂ بنی مصطلق کیلئے نکلے تو آپ کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔

غزوۂ تبوک کی طرف جاتے ہوئے راستے میں حضرت ابوذر کا اونٹ سست پڑ گیا اور آپ لشکر اسلام سے پیچھے رہ گئے بڑی کوشش کی اونٹ کو تیز چلانے کی مگر کامیابی نہ ہوسکی تو آپ نے اونٹ کو وہیں چھوڑا اپنا سامان اپنی پیٹھ پہ رکھا اور چل دیے، لشکر نے ایک جگہ قیام کیا تو کسی نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا! کوئی شخص تنہا آ رہا ہے، حضور نے فرمایا! ابوذر ہوگا۔ جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو ابوذر ہی تھے۔ عرض کیا یارسول اللہ !قسم بخدا! ابوذر ہی ہیں۔ فرمایا! خدا اس پر رحم کرے، وہ تنہا ہی چلے گا، تنہا ہی اُٹھایا جائے گا۔ جب ابوذر قریب آئے تو حضور ﷺ اُٹھ کر خود ان کی طرف بڑھے اور خوش ہوکر حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ نے تیرے ہر قدم پر تیرا ایک گناہ معاف کردیا ہے۔ حضور ﷺ نے خود اپنے ہاتھوں سے انکی پشت پہ لدا ہوا سامان اتارا، ابوذر اسی وقت بھوک و پیاس اور تھکن کی وجہ سے غش کھا کر گر گئے حضور نے پانی منگوا کر ان کو پلایا۔

گماں آباد ہستی میں یقیں مرد مسلمان — بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی
مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے — وہ کیا تھا؟ زور حیدر، فقر بوذر، صدق سلمانی

(بانگ درا: علامہ اقبال)

## وصالِ نبوی ﷺ اور ابوذر غفاری ؓ:

حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضور علیہ السلام نے اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہوکر جبل

عرفات کی طرف جانے کا ارادہ فرمایا تو آپ کی سواری کی مہار ابوذر غفاری کے ہاتھ میں تھی اور جب آپ نے میدان عرفات میں بآواز بلند خطبہ حجۃ الوداع ارشاد فرمایا آج بھی جو انسانیت کا منشور اعظم ہے اور اس میں آپ نے الیوم اکملت لکم دینکم تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: لوگو شاید یہ میرا آخری حج ہو اور آئندہ سال تم مجھے یہاں اپنے ساتھ نہ دیکھو، یہ سنتے ہی مزاج شناسانِ رسالت صحابہ کرام کے ساتھ ابوذر غفاری بھی زار وزار رونے لگے۔ اور بڑے غمگین ہو کر حجۃ الوداع سے گھر لوٹے ان کے کانوں میں ہر وقت یہ الفاظ گونجتے رہتے کہ ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے......'' کیونکہ آپ کو یقین ہو چکا تھا کہ اب جدائی ہونے ہی والی ہے حضور علیہ السلام کی طبیعت ناساز ہوئی تو آپ نے ابوذر کو بلایا، جب حضرت ابوذر حاضر ہوئے تو حضور لیٹے ہوئے تھے کمزوری کے وجہ سے اُٹھ نہ سکے تو ابوذر آپ کی طرف جھک گئے اس وقت حضور نے دونوں ہاتھ بڑھا کر ابوذر کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ ایسے موقع پہ حضور نے اپنے محبوب صحابی کو الم نشرح سینے سے لگا کر کیسا فیضان عطا فرمایا ہوگا؟ یہ یا دینے والا جانتا ہے یا لینے والا جانتا ہے، (غلامان مصطفیٰ میں سے کئی اولیا اللہ کے واقعے پڑھیں ہیں کہ انہوں نے بوقت وصال اپنے مریدین میں سے کسی نہ کسی کو بلا کر سینے سے لگایا اور فیضان ولایت سے دامن بھر دیا ، چنانچہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری علیہ الرحمۃ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے بوقت وصال فرمایا! غلام اللہ کو بلاؤ۔ یہ آپ کے بھائی تھے اور پٹواری تھے، دنیا داروں کی سی زندگی گزارتے تھے۔ جب میاں صاحب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے سینے سے لگا کر سینہ روشن کر دیا تین دن تک ہوش نہ آیا اور جب ہوش آیا تو پٹوار تو ختم ہو گیا اور غلام اللہ ولیوں کا سردار بن گیا اور شرقپور شریف کا سلسلہ آگے انہی سے چلا۔)

## نظام سرمایہ داری اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو جس خاص شعبہ میں فیضان نبوت حاصل ہوا وہ زہد



اور دنیا سے بے رغبتی کا نکتہ ہے چنانچہ آپ اپنے بیان میں اسی نکتہ پر زیادہ زور دیا کرتے تھے اور صحابہ کرام میں یہی آپ کی امتیازی شان بن گئی۔ جو بھی آپ کو ملتا آپ اس کو کچھ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی تبلیغ فرماتے۔ شام کی جامع مسجد میں آپ نے ایک دن اپنے اس مؤقف کی وضاحت اس طرح فرمائی۔ ضرورت سے زیادہ مال اگر کوئی خود راہ خدا میں خرچ نہ کرے تو حکمران اس سے جبراً خرچ کروائیں چاہے وہ زمین ہو، مال ہو، دوکان ہو، دولت، مویشی یا اجناس ہوں اور اس سے بڑھ کر ویؤثرون علی انفسهم ولو كان بهم خصاصة. پر عمل کریں کہ خود بھوکے رہیں اور دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیں۔ قرآن مجید میں تیس سے زائد مقامات پر اقامت صلوۃ کے ساتھ ایتاءِ زکوۃ کا ذکر ہے اور ستر سے زائد مقامات پر انفاق فی سبیل الله. کی ترغیب ہے۔

آپ فرمایا کرتے ''خدا کے بندو! مال خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا بکہ بڑھتا ہے یہ خسارے کا سودا نہیں سراسر نفع ہے، یہ لینے والے پر نہیں بلکہ دینے والا خود اپنے اوپر احسان کرتا ہے کیونکہ اس کا نفع کئی گنا زیادہ ہو کر خود اسکی طرف ہی پلٹتا ہے, جو بخل کرتے ہیں وہ جو کچھ بچاتے ہیں قیامت کے دن گلے کا طوق ہوگا۔

نہ ایراں میں رہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی
وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصر و کسریٰ
یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذر و دلق اویس و چادر زہرا

(بال جبریل ص ۳۳، علامہ اقبال)

حق سچ بات کہنے میں حضرت ابوذر کو کوئی جابر و قاہر بادشاہ بھی نہ روک سکتا تھا۔ آپ جن دنوں شام گئے ان دنوں امیر شام کا کا محل الخضراء تیار ہو رہا تھا ہزاروں مزدور کام پر لگے ہوئے تھے آپ نے محل کو غور سے دیکھا اور فرمایا:

"اگر یہ خدا کے مال سے تعمیر ہو رہا ہے تو خیانت کے زمرے میں آتا ہے اور اگر امیر شام کے اپنے مال سے ہے تو اس کے اسراف (فضول خرچی) ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

ایک مرتبہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے لوگ آپ سے شکایات کرنے لگے کہ ہمیں عطیات وظائف وقت پر نہیں ملتے ابوذر نے تھوڑی دیر کیلئے سر جھکایا اور پھر کھڑے ہو کر خطاب شروع کر دیا۔ "لوگو! اب تو ایسی ایسی بدعتیں شروع ہو گئی ہیں جو قرآن و حدیث میں نہیں ہیں۔ خدا کی قسم حق مٹتا جا رہا ہے باطل زندہ ہوتا جا رہا ہے سچوں کو جھٹلایا جا رہا ہے اور فاسقوں کو ترجیح دی جا رہی ہے۔

اے مالدار لوگو! فقیروں کی غمخواری کرو، جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں (اور راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے) ان کو آگاہ کر دو کہ انکی پیشانیاں، پہلو اور پشتوں کو آگ سے داغا جائے گا۔

## ریاست کی ذمہ داریاں:

آپ ربذہ کے بیابانوں میں بھی آخری دم تک حق گوئی کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔
ایک مرتبہ حکومت شام کے ایک باغی گروہ نے حضرت ابوذر ؓ کو گھیر لیا۔ اور پوچھا کہ ریاست کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ جواباً آپ نے فرمایا کہ ریاست کی پہلی ذمہ داری یہ کہ وہ معاشرہ میں کسب حرام کے تمام دروازے کر دے۔ کسب حلال کی راہیں کشادہ کرے اور اپنے معاشی منصوبوں کے ذریعے ہر فرد کو کسب حلال کیلئے ضروری تعلیم و تربیت کے مواقع فراہم کر کے معاشی جدوجہد کے قابل بنائے۔
اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے مقررہ کردہ حقوق دلانے میں ان کی مدد کرے۔ کوئی بیٹا باپ کی کفالت سے انکار کرے تو وہ قانوناً اسے اس کفالت کا پابند بنائے کوئی شوہر بیوی کا مہر یا نفقہ یا بچوں کا حق دینے سے انکار کرے تو اس سے



بزور یہ حق دلایا جائے۔ غرض جس کا جو حق نکلتا ہو وہ اسکی ادائیگی کو یقینی بنائے۔
ریاست کی تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ زکوۃ کے نظام کو قائم کرے اور مستحقینِ زکوۃ کا حق صاحبِ نصاب لوگوں سے وصول کر کے ان تک پہنچائے یا ان کی فلاح و بہبود پر خرچ کرے۔
ریاست کی چوتھی ذمہ داری یہ ہے کہ جن کا کوئی کفیل نہ ہو ان کا کفیل خود بنے۔
نبی ﷺ نے فرمایا ہے:
"جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست اللہ اور رسول ہے"۔ (ترمذی)
"جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کی سرپرست حکومت ہے"۔ (ترمذی)
اسی طرح آپ نے مرنے والے کے قرض کی ادائیگی اور اس کے پسماندگان کی سرپرستی بھی اسلامی حکومت کی ذمہ داری قرار دی۔
"جو مسلمان قرض چھوڑ کر وفات پائے اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہو گی اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا ہو گا"۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)
"جو شخص چھوڑ جائے تو وہ اس کے گھر والوں کے لیے ہے۔ اور جو کسی کو بے سہارا چھوڑ جائے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے"۔
حضرت معاذ بن جبل ؓ کو یمن روانہ کرتے وقت آنحضرت ﷺ نے اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریوں کے سلسلے میں یہ اصول بیان فرمایا۔
"انہیں اطلاع دینا کہ اللہ نے ان کے مالوں میں صدقہ فرض کیا ہے۔
جو ان کے مال داروں سے لیا جاوے گا اور ان کے ناداروں پر تقسیم کیا جائے گا"۔ (بخاری، موطا، ابوداؤد، ترمذی)
یہ معاشی تحفظ صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں غیر مسلم رعایا بھی اس کی یکساں حق دار ہے۔ حضرت عمر ؓ نے ایک یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو اسے گھر لے گئے پہلے اپنے گھر سے کچھ دیا اور پھر بیت المال کے خزانچی کو بلا کر ہدایت کی کہ اس کا اور

اس جیسے دوسرے افراد کا روزینہ مقرر کرو۔اور فرمایا۔

خدا کی قسم! یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم ان کی جوانی میں ان سے جزیہ لے کر کھائیں اور بڑھاپے میں انہیں بے سہارا چھوڑ دیں"۔

حضرت ابو بکر ؓ نے اپنے دور خلافت میں شہریوں کے معاشی حقوق کے سلسلہ میں حسب ذیل ضروریات کی فراہمی حکومت کے ذمہ رکھی تھی۔

۱۔ خورد و نوش کا ضروری سامان۔

۲۔ سردی گرمی کے کپڑے۔

۳۔ حج و جہاد کیلئے سواری۔

حضرت عمر کے دور میں عام شہریوں سے لے کر نومولود بچوں تک کے وظائف بیت سے مقرر ہوئے اور انہیں معاشی مشکلات سے مکمل طور پر نجات دلائی گئی۔ بیت المال کا یہ استعمال حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے دور میں بھی برقرار رہا۔

حضرت ابوذر غفاری ؓ سرمایہ داری کے باب میں تمام صحابہ کرام سے الگ تھلگ اپنا ایک خاص ذوق رکھتے تھے۔حج کے موقع پر آپ کا یہ تبلیغی ذوق خاص طور پر ابھر جاتا جہاں چند افراد نظر آئے آپ کھڑے ہو کر ان کے سامنے اپنا موقف پیش فرما دیتے، انداز تکلم کچھ اس طرح کا تھا۔

"جو مجھے جانتے ہیں وہ تو جانتے ہی ہیں اور جو نہیں جانتے وہ جان لیں کہ صحابیٔ رسول ابوذر غفاری ہوں؛

مجھے کہا گیا ہے کہ میں اسلام میں معاشی ذمہ داری کے مسلۂ پہ بات کروں، قسم ہے اس اللہ کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں وہی کہوں گا جو اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہے۔"ہم تمہاری اور تمہاری اولاد کے رزق کی ذمہ داری لیتے ہیں" روئے زمین پہ رہنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو؟ اور حضور ﷺ نے فرمایا:"بھوک اور غریبی انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے" حضور



ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! لوگوں سے کہہ دو کہ ہر فالتو اور زائد مال ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیں۔

لہٰذا اے لوگو! تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ دوسرے حاجتمند کو وہی نہ کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے، وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے، وہی سواری دے جو خود اسکو پسند ہے۔

آپ (ؓ) نے ایک مرتبہ دو عمدہ چادریں خریدیں ایک اوڑھ لی اور دوسری گھر میں رکھ لی حضور ﷺ کو معلوم ہوا کہ ابوذر نے خود تو عمدہ چادریں رکھی ہے جبکہ ان کے ملازم کے پاس ادنی چادر ہے تو آپ نے حضرت ابوذر کو بلا کر فرمایا" کیا تم میں مسلمان ہو کر بھی جہالت کی بو ہے"

عرض کیا! حضور کیا بات ہوئی ہے؟ فرمایا! یہ کیا مساوات ہے کہ خود تو تم نے عمدہ چادر لے رکھی ہے اور تمہارا غلام ادنیٰ چادر لیے ہوئے ہے۔ حضرت ابوذر گھر کی طرف دوڑ گئے اور وہ قیمتی چادر غلام کو دے دی۔

حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا **الاقتصاد نصف المعیشۃ**. خرچ میں میانہ روی سے آدھی معیشت درست ہو جاتی ہے۔

## تاریخی خطاب:

آپ نے ایک مرتبہ شام میں اسلام اور سرمایہ داری کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! یہ میری نہیں قرآن کی تعلیم ہے اور میں وہی کہتا ہوں جو حضور ﷺ نے فرمایا ،دولت سرمایہ داروں میں ہی گردش نہ کرتی رہے اور نہ ہی حکمرانوں کے پاس جمع رہے کہ عوام بھوکے مرتے رہیں ،اللہ تعالیٰ نے سرمایہ داروں کو متکبرین اور مسرفین فرمایا ہے ایسے لوگ ہمیشہ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنے رہے ہیں اور غریب عوام کو پریشانیوں میں

Scanned with CamScanner

مبتلا کر کے اپنا اثر رسوخ وسیع سے وسیع تر کرتے ہیں۔اور غریبوں اور ناداروں کا نام اللہ نے مستضعفین اور مساکین رکھا ہے اور مالداروں کو ان کی حالت سدھارنے کا حکم دیا ہے ،کتنے افسوس کی بات ہے کہ اہل اسلام نے اپنا مقصد حیات بھلا دیا ہے۔

ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

خدا کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ سچائی مٹ رہی ہے اور جھوٹ زندہ ہو رہا ہے، سچوں کو جھٹلایا جا رہا ہے اور بغیر تقویٰ کے لوگ خود غرضیاں اختیار کر رہے ہیں۔

(البلاذری ص ۵۶ ج ۵)

## آپ کے ہاں "کنز" کیا ہے؟:

آپ نے کھانے پینے اور سامان زندگی کے علاوہ ہر قسم کے مال کو کنز قرار دے کر اس آیت کے تحت رکھا **والذین یکنزون الذھب و الفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔** (زرقانی شرح مواہب)

جو لوگ کنز کے مرتکب تھے حضرت ابوذرؓ ان کو دھمکاتے، ڈراتے اور فرماتے:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ سونا چاندی پر گرہیں لگاتے ہیں وہ شعلے بن کر اُن سے لپیٹیں گے جب تک کہ اسے خدا کی راہ میں صرف نہ کر دیں''۔

کبھی فرماتے:

''مال دارو! غریبوں کی مدد کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ سونا چاندی سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کا مژدہ سنا دو۔

اُس دن وہی سونا چاندی آگ میں گرم کیے جائیں گے پھر ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پُشت اس سے داغے جائیں گے اور کہا جائے گا یہ وہی ہے جسے اپنے فائدے کے لیے تم نے اکٹھا کر رکھا ہے۔ پس چکھو اس چیز کو جسے تم جمع کرتے تھے''۔

اور پھر آپ قرآن کریم کی آیت کی تلاوت کرتے:



**والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم. یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم.**

الغرض مسجدوں اور بازاروں میں آپ کا یہی بیان ہوتا رہا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس واقعہ سے عام طور پر دمشق میں برہمی پھیل گئی۔ غرباء اُمرا کو تنگ کرنے لگے۔ آپ کے مواعظہ حسنہ نے ہلچل مچا دی۔ طبری میں ہے:

**حتی ولع الفقرآء لمثل ذٰلک و او جبوہ و علی الاغنیآءِ**

(تاریخ طبری)

''غرباء اس قسم کی باتوں سے دلچسپی لینے لگے اور سرمایہ داروں پر اس کو واجب کر دیا کہ جو کچھ ان کے پاس ہو خرچ کر دیں''۔

مختلف لوگوں نے آپ کے افکار وارشادات کی مختلف شرح کی ہے عام طور پر اکثر علماء کی یہی رائے ہے کہ آپ ہر ایک قسم کے مال کو جمع کرنا حرام سمجھتے تھے۔ حافظ ابوعمرو بن عبدالبر کہتے ہیں:

## آپ کے "نظریہ کنز" کی وضاحت:

''ابوذرؓ سے بکثرت ایسی باتیں منقول ہیں جو بتاتی ہیں کہ کھانے پینے اور سامان زندگی کے علاوہ ہر ایک قسم کے مال جمع کرنے کو کنز کہتے ہیں۔ اور اس کے مرتکب کی مذمت کرتے تھے۔ اور قائل تھے کہ وعید کی آیت قرآن مجید میں ان لوگوں کے لیے نازل ہوئی ہے''۔

حافظ ابن حجر اور قاضی عیاض نے حضرت ابوذرؓ کے نظریہ کنز کے مطلب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

قاضی عیاض کا خیال ہے کہ حضرت ابوذرؓ عام طور پر ہر شخص کیلئے اس کو حکم نہ سمجھتے تھے بلکہ ان کی دھمکیاں ان بادشاہوں اور شہر یاروں سے مخصوص تھیں جو رعایا سے دولت سمیٹ کر محض اپنے عیش ونشاط اور جاہ وجلال میں صرف کرتے تھے۔ اور

جن لوگوں کے واقعی حقوق تھے ان کو محروم رکھتے تھے۔

حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ حضرت ابوذر غفاری ؓ کا مطلب دراصل یہ نہ تھا کہ خود اپنے مال کے جمع کرنے میں بھی انسان داغا جائے گا۔ بلکہ آپ کا یہ فتویٰ ان لوگوں کی حد تک محدود تھا جو دوسروں کا مال جمع کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر نے ایک اور توجیہ بیان کی ہے کہ ابوذر ؓ خاص کر سونا چاندی کو جمع کرنے کی چیز نہ سمجھتے تھے علاوہ ان نقدین کے آپ کسی اور چیز کے جمع کرنے کو منع نہیں فرماتے تھے۔ (فتح الباری شرح البخاری)

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ اگر درہم و دینار ضرورت سے زیادہ ہیں تو ان کو فوراً کسی مفید چیز کی صورت میں بدل دیا جائے تا کہ ایک مفید جائداد ہو جائے جو روزمرہ کی ضرورتوں میں کام آئے۔ مثلاً اس سے زمین خرید لی جائے۔ مویشی لے لیے جائیں جن سے دودھ کا فائدہ ہو۔ گدھے، اونٹ، گھوڑے وغیرہ لے لیے جائیں تا کہ ان سے بار برداری اور سواری میں آرام ملے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سونے کے زیور کو بھی پسند نہ کرتے تھے۔ نہیں چاہتے تھے کہ سونا زیور کی صورت میں مقید ہو جائے۔ کیونکہ مسند میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں ایک اعرابی آیا۔ مجلس میں ابوذر ؓ بھی موجود تھے۔ اعرابی نے کہا:

''ہم لوگوں کو قحط کھا گیا یا رسول اللہ ﷺ''۔

اس کے جواب میں رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں اس وقت سے ڈر رہا ہوں جب تم لوگوں پر دُنیا خوب اچھی طرح بہائی جائے گی (یعنی اس قحط سے زیادہ خطرناک ایام آزمائش ہوں گے)'' اور اس کے بعد نہایت حسرت سے آپ نے ارشاد فرمایا:

**فیالیت امتی لایتحلون الذھب.**



''کاش میری اُمت سونے کا زیور استعمال نہ کرتی''۔

اس روایت سے گو سونے کی حُرمت مطلقاً ثابت نہیں ہوتی لیکن آنحضرت ﷺ کا منشا اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی تمنا یہی تھی کہ میری امت سونے کا استعمال نہ کرتی۔

حضرت ابوذر ؓ میں جذب کی جو کیفیت تھی اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کی اس منشاء نبوت نے ان میں کس اثر کو پیدا کر دیا ہوگا۔ بعض اربابِ فتویٰ کی رائے یہ ہے کہ ابوذر ؓ اگر طلائی زیوروں کو حرام نہیں تو کم از کم ناپسند ضرور خیال فرماتے تھے خود آپ کے ذاتی قول و عمل سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اس کے ہوتے ہوئے دوسروں کی باتیں ظاہر ہیں کہ کچھ وقعت نہیں رکھتیں۔

مثلاً معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی تنخواہ سے سال بھر کی ضرورت کی چیزیں خرید لینے کے بعد باقی روپوں کے پیسے ضرورت مندوں کیلئے بھنا لیتے تھے۔ جب شام سے آپ کے اہل وعیال واپس ہوئے تو ان کے پاس سے ایک کیسہ برآمد ہوا۔ لوگوں کو اس بات پر حیرت ہوئی۔ اس پر آپ کی بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ قسم خُدا کی اس میں اشرفیاں اور درہم نہیں ہیں بلکہ پیسے ہیں جنہیں ابوذر ؓ مستحقین کے لیے بھنا لیا کرتے تھے۔

حلیہ میں اسی قسم کی ایک روایت اور ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوذر ؓ کی صاحبزادی صاحبہ کو دیکھا۔ ان پر ایک ادنیٰ برقعہ پڑا ہوا تھا۔ چہرہ کا رنگ جھلسا ہوا تھا۔ ان کے ہاتھ میں ایک قفہ (خشک کدو کا تونبا) تھا۔ وہ حضرت ابوذر ؓ کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں اور کہنے لگیں۔

''ابا جان! کاشت کاروں اور کسانوں کا خیال ہے کہ آپ کے پیسے جو اس قفہ میں ہیں ضرورت سے زائد ہیں''۔

حضرت ابوذر ؓ نے اس کے جواب میں فرمایا:

''بیٹی اس کو اپنے پاس رکھو۔ الحمد اللہ کہ تمہارے باپ نے کبھی کسی رات کو اس

Scanned with CamScanner

حال میں دھیان نہیں کیا کہ وہ سونا چاندی کا مالک ہو۔ تھوڑے سے پیسے اتفاقی ضرورتوں کے لیے اپنے پاس ضرور رکھتا ہوں''۔

آپ کے پاس گدھیاں اور گدھے بھی تھے جو بار برداری میں کام آتے۔ آپ کے پاس اونٹ بھی تھے جن پر علاوہ سواری کے پانی لایا کرتے تھے۔ (تاریخ طبری)

آپ کی مِلک میں زمین بھی تھی، خواہ بصورت کھیتی یا باغ۔ خود آپ سے روایت ہے:

''جو شخص اونٹ یا گائے بکریوں کا مالک ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا قیامت کے دن اس کے جانور لائے جائیں گے۔ وہ اپنے مالک کو سینگوں سے ماریں گے۔ پاؤں سے روندیں گے اور جب تک حساب کتاب کا معاملہ ختم نہ ہو جائے یہ اسی طرح کرتے رہیں گے۔ جب ایک قطار ختم ہو جائے گی تو دوسری لوٹے گی''۔ (مسند احمد)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ مویشیوں کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو پھر ان کے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

## حضرت ابوذرؓ کو حضورؑ کی ہدایت:

مسند احمد میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سونا چاندی کو بلاوجہ گاڑنے یا جمع کرنے کے خلاف تھے۔ ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ وعلیہ وسلم نے ایک دن فرمایا۔

''اے ابوذر! سمجھو اس کو جو میں کہتا ہوں قطعاً ایک بکری جو کسی مسلمان کو حاصل ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ اُحد پہاڑ کے برابر اس کے پاس سونا ہو، پھر اپنے بعد اس کو چھوڑ جائے''۔

عرب میں خصوصاً آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ اونٹ اور بکریاں تھیں۔ اس لیے آپ نے بکری کا ذکر فرمایا۔ ورنہ بظاہر مقصد اس کا یہی ہے کہ زر کو آمدنی پیدا کرنے والی نفع بخش، چیزوں میں لگا دینا زیادہ مفید ہے بہ نسبت اس بات کے کہ زر کو زر ہی کی شکل میں مقید کر کے کہیں دفن کر دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے ابوذر کو پھر مخاطب کر کے فرمایا:



''ابوذر اس کو سمجھو جو میں کہتا ہوں کہ گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک کے لیے برکت رکھی گئی ہے۔ گھوڑوں کی پیشانی میں برکت ہے''۔

اربابِ حدیث جانتے ہیں کہ اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ خیر اور آمدنی کا بڑا ذریعہ گھوڑا ہے یعنی مسلمان اس وقت تک خوشحال رہیں گے جب تک وہ جہاد کرتے رہیں گے جس کی تعبیر گھوڑے سے کی گئی کہ عرب سپاہیوں کی سب سے اہم شے جنگ کے لیے گھوڑے ہی تھے۔

مسئلہ کنز نے رفتہ رفتہ اتنی اہمیت حاصل کی کہ حکومت دمشق بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ کامل ابن اثیر میں ہے کہ امیر شام نے کسی کو ایک ہزار اشرفیاں لے کر رات کو حضرت ابوذر کے پاس بھیجا۔ اشرفیاں لے کر حضرت ابوذرؓ نے صبح ہونے سے پہلے اربابِ استحقاق میں ان کو تقسیم کر دیا۔ امیر شام نے صبح کی نماز کے بعد اسی شخص کو بلایا جو اشرفیاں لے کر حضرت ابوذرؓ کے پاس گیا تھا اور اس سے کہا:

''تم ابوذرؓ کے پاس جاؤ اور اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے کہنا کہ مجھے مصیبت سے نجات دلائیے۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی۔ امیر شام نے کسی دوسرے آدمی کے پاس یہ اشرفیاں بھیجی تھیں۔ غلطی سے میں آپ کو دے گیا۔

وہ آدمی گیا اور جو اس سے کہا گیا تھا اس نے حضرت ابوذرؓ سے کہہ دیا تو آپ نے فرمایا:

''حاکم شام سے کہنا کہ تمہاری اشرفیاں تو صبح ہونے سے پہلے خرچ ہو گئیں''۔

اس طریقہ سے حضرت ابوذرؓ کا امتحان کیا گیا تھا کہ وعظ و نصیحت صرف دوسروں تک ہے یا خود بھی اس پر عامل ہیں۔

یہی نہیں بلکہ حضرت ابوذر کی اور بھی کئی آزمائشیں کی گئیں۔ اور ان کو بار آزمایا گیا لیکن شکوہ دین کے دلدادہ ابوذرؓ نے کئی بار درہم و دینار کے انباروں کو ٹھکراتے ہوئے جادۂ حق کو نہ چھوڑا۔ ان کے پیشِ نظر تو اپنے آقا کا فرمان تھا۔

Scanned with CamScanner

"الفقر فخری و الفقرمنی".

آپ ایک دن آنحضرت ﷺ کے ساتھ مدینے کی گلیوں میں جا رہے تھے کہ رسول ﷺ نے فرمایا

"ابوذر! تو ایک نیک آدمی ہے۔ تجھے میرے بعد مصائب کا سامنا کرنا ہوگا"۔

"کیا راہِ خدا میں؟ حضرت ابوذر ؓ نے عرض کیا:

"ہاں"۔

"مرحبا! حکم الٰہی جو کچھ ہو"۔ حضرت ابوذر غفاری ؓ مطمئن تھے۔ راہ حق میں دُنیا بھر کے شدائد و مصائب اپنے دامن میں سمیٹنے کو تیار رہتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کتاب اللہ کی ایک ایک آیت ہزاروں انقلابوں کی حامل ہے تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ کئی ذہنی انقلاب تھے۔ کئی سیاسی، کئی سماجی، کئی معاشی، کئی اقتصادی الغرض اسلام ایک مجسم انقلاب ہے۔

## شام روانگی:

مدینہ منورہ کے قریب ایک پہاڑ ہے جسے سلع کہتے ہیں۔ سرور کائنات ﷺ نے ابوذر ؓ کو یہ وصیت کی تھی۔

**اذا بلغ البناء سلعا فارتحل الی الشام.**

"جب مدینہ کی آبادی جبلِ سلع تک پہنچ جائے تو تم شام کی طرف کوچ کر جانا"۔

یہ فرمان کیوں دیا گیا تھا اس کی صحیح علت معلوم نہیں ہو سکی۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فتوحات کے بعد جب مختلف مقبوضات میں فوجی چھاؤنیاں قائم ہوئیں تو حضرت ابوذر ؓ نے شام کے مکتبہ یعنی فوجی چھاؤنی میں اپنا نام لکھوایا۔

انساب الاشراف بلاذری میں بھی لکھا ہے کہ ان کی اصل چھاؤنی تو شام میں تھی، لیکن حج کے لیے حجاز بھی آتے بہر حال یہ قطعی ہے کہ خلافت عثمانی میں حضرت ابو ذر ؓ دمشق میں تھے۔ وہاں کمبلوں کا ایک معمولی سا جھونپڑا ڈال لیا تھا جس میں اپنے



اہل و عیال کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ (طبقات ابن سعد)

## امیر شام کے دربار میں:

اسی زمانہ میں ابن سباء جو ابن السوداء کے نام سے مشہور تھا مدینہ سے شام آیا۔ یہ یہودی تھا۔ پھر مسلمان ہو گیا لیکن اندر سے منافق تھا۔ مسلمان بن کر اسلام دشمن تھا۔ پس پردہ مسلمانوں میں انتشار و خلفشار پیدا کرنے کی سازشیں سوچا کرتا تھا۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔ وہ حضرت ابوذر ؓ سے ملا اور انہیں امیر شام کے خلاف بھڑکانا چاہا لیکن آپ نے اسے منہ ہی نہ لگایا اور اپنی دعوت و درس کو جاری رکھا۔ نہ صرف مسجد بلکہ بازاروں اور گلیوں میں لوگ ان کا وعظ سننے کیلئے جمع ہو جاتے۔ ایک دن آپ شام کے ایک بارونق بازار میں ہزاروں انسانوں کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"اے لوگو! تم نے حریر کے پردے اور دیبا کے تکیے بنا لئے ہیں۔ آزدی صوف پر لیٹنا گوارا نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ تو چٹائی پر سوتے تھے۔ تم طرح طرح کے کھانے کھاتے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ تو جو کی روٹی سے بھی پیٹ نہ بھرتے تھے"۔

وعظ سننے والوں میں جندب بن مسلمہ الفری بھی کھڑا تھا۔ یہ بڑا شازشی آدمی تھا۔ بولا: "یہ تو بڑا بھاری فتنہ ہے"۔ پھر وہ امیر شام کے دربار میں گیا اور کہا:

"ابوذر ؓ شامی نظام کو برباد کردے گا۔ اگر آپ کو شامیوں کی ضرورت ہے تو اس کا تدارک کر لیجئے"۔

امیر شام نے ابوذر ؓ کو بلا بھیجا۔ ابوذر ؓ آئے۔ اس وقت امیر شام کے پاس حضرت ابو دردا، شداد بن اوس اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم بیٹھے تھے۔ آپ بھی ان کے پاس جا کر بیٹھے۔ دوران گفتگو امیر شام کی زبان سے بیت المال کے خزانے کے متعلق بات چل نکلی کہ یہ تو خدا کا مال ہے۔

Scanned with CamScanner

ابوذرؓ بولے:

"خُدا کا مال نہیں اسے مسلمانوں کا مال کہو۔ مسلمانوں کے مال کو خُدا کا مال کیوں کہتے ہو"۔

امیر شام نے کہا:

"خدا تم پر رحم کرے بھائی۔ کیا ہم لوگ اللہ کے بندے نہیں ہیں اور مال جس کے پاس بھی جو کچھ ہے وہ اللہ کا مال نہیں ہے تو کس کا ہے؟"

اس کے جواب میں حضرت ابوذرؓ نے فرمایا:

"ایسا نہ کہو بلکہ مسلمانوں کا مال ہی اس کو کہو کیونکہ بیت المال مسلمانوں کا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر چیز کا مالک خُدا ہے لیکن کسی کو یہ مال کو اپنے لیے یا اپنے خاندان کے لیے ذخیرہ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اور نہ اسے خدا کا مال کہتے ہوئے اپنے مفاد پر صرف کیا جاسکتا ہے"۔

"یہ کہنا درست نہیں کہ مال اپنے مفاد کے لیے جمع کیا جا رہا ہے جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ مصالح عامہ کیلئے مال جمع کیا جاتا ہے اس میں بخل نہیں کیا جاتا۔ کوئی ایسا معاملہ نہیں جس میں خرچ کرنا ضروری ہو اور اس ضرورت کے تحت خرچ نہ کیا گیا ہو"۔

"اللہ کے لیے نہیں بلکہ اپنی نیک نامی اور ناموری کے لیے لوگوں کے دل اور ضمیر خریدنے کے لیے، لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے۔ مال دے کر لوگوں پر حکومت کرنے کے لے یہاں عطیات دیئے جاتے ہیں۔ ہر بخشش و عطا کی آڑ میں کوئی مطلب کوئی مقصد چھپا ہے اور یوں امیروں کو اور امیر اور غریبوں کو اور زیادہ غریب بنایا جا رہا ہے"۔

"آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے جسے دور کرنے کے لیے میں آج سے اس مال کو مال المسلمین کہا کروں گا"۔

یہ بڑی مختصر سی ملاقات تھی۔ حضرت ابوذرؓ اُٹھے اور اپنی راہ لی۔ رسمی الوداعی



جملوں کے ساتھ وہاں سے چلے آئے۔ اسی اثناء میں امیر شام نے تین سو دینار کی تھیلی ایک غلام کو دیتے ہوئے کہا:

"جاؤ اسے ابوذرؓ کو دے آؤ"۔

ملازم پیچھے پیچھے گیا۔ راہ میں ابوذرؓ کو جا لیا اور بولا:

"امیر نے آپ کی خدمت میں تھیلی بھیجی ہے"۔

آپ نے تھیلی دیکھی اور کہا۔

"اگر یہ روپیہ وہ ہے جو میرے اس سال کے عطیہ کا تھا تو میں اسے قبول کرتا ہوں اور اگر صلہ ہے تو میں اسے قبول نہیں کر سکتا"۔

غلام تھیلی لیے کھڑا رہا۔ ابوذرؓ بولے:

"اسی کے پاس لے جا جس نے بھیجی ہے مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے"۔

ابوذرؓ مسجد میں پہنچے تو لوگ اردگرد جمع ہو گئے۔ آپ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"اے سرمایہ دارو! جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ دنیوی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔ اپنے مالوں میں غریبوں اور ناداروں کا حق رکھو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمہیں بہتات کے شوق نے غافل کر رکھا ہے۔ ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ مگر تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے کھا لیا اور فنا کر دیا تو نے پہن لیا اور پُرانا کر دیا اور صدقہ کر کے جمع کر لیا۔

اے دھن والو! اللہ نے خزانے جمع کرنے سے باز کیا ہے رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ ہلاکت ہو سونے کے لیے۔ ہلاکت ہو چاندی کے لیے"۔

رسول اللہ ﷺ کے قول سے صحابہ ملول ہو گئے جیسے تم ملول ہوئے تو انہوں نے سوال کیا۔ پھر ہم کون سا مال حاصل کریں؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں دریافت کئے دیتا ہوں۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور عرض کی۔ آپ کے صحابہ کو یہ

Scanned with CamScanner

بات بڑی گراں گزری ہے۔ پھر وہ کونسا مال حاصل کریں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ذکر کرنے والی زبان، شاکر دل اور نیک بیوی جو تمہیں تمہارے دین پر مدد دے۔

## امیر شام پر تنقید:

مالِ غنیمت مسلمانوں کا حق ہے مگر امیر شام اسے جمع کرتا ہے تا کہ اپنے خادموں اور نگہبانوں پر خرچ کرے۔ اپنے جاہ وجلال پر صرف کرے۔ وہ یہ بھول گیا ہے کہ اسے اللہ کے مال سے صرف دو حلّے لینے جائز ہیں۔ ایک حُلّہ جاڑوں کے لیے اور ایک حلّہ موسم گرما کے لیے۔ حج اور عُمرہ کا خرچ، اپنا اور اپنے گھر کا رزق وہ بھی اتنا جتنا کہ ایک قریشی لے سکتا ہے۔ جو نہ زیادہ امیر ہو نہ غریب۔ یہ وہ دستور ہے جیسے آنحضرت ﷺ نے مقرر کیا تھا۔ امیر شام آپ کی اتباع کیوں نہیں کرتا؟ مالِ غنیمت تمام مسلمانوں پر مساوی تقسیم ہونا چاہئیے مگر اب جاگیریں اور گھر بنائے جا رہے ہیں اور ان کی زینت پر ہزاروں دینار خرچ کئے جا رہے ہیں۔ امیر شام بنو امیّہ کو ہزاروں دینار دیتا ہے پھر بھی تھوڑا سمجھتا ہے۔

اس پر ایک شخص نے آپ کے کان میں کہہ دیا:

''معاویہ (ؓ) کو کیا کہہ رہے ہو، ڈرو''۔

ابوذر ؓ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''میرے حبیب ﷺ نے مجھے نصیحت کی تھی کہ میں سچی بات کہوں اگرچہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔ اور راہ خُدا میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کروں۔ میں یہ دُعا کرتا ہوں کہ اے اللہ میں تجھ سے بزدلی سے پناہ مانگتا ہوں۔ بخل سے پناہ مانگتا ہوں۔ لمبی عُمر سے پناہ مانگتا ہوں۔ دُنیا اور عذاب قبر کے فتنے سے پناہ چاہتا ہوں''۔

(حضرت ابوذر غفاری عبدالحمید جودۃ السحار ص ۱۴۰ مترجم عبدالصمد صارم الازہری)

حضرت ابوذر ؓ اپنی دعوت و تبلیغ میں مصروف رہے۔ سرمایہ داروں پر اور زیادہ سختی سے تنقید کرنے لگے۔



ایک مرتبہ امیر شام نے آپ کو اپنا خاص حاجب بھیج کر بلوایا۔ کھانے کا وقت ہو رہا تھا۔ امیر شام اصرار کر کے آپ کو بھی دستر خوان پر لے آئے۔ جس پہ طرح طرح کے لذیذ کھانے چنے ہوئے تھے۔ امیر شام نے کہا:

''تناول فرمائیے''۔

حضرت ابوذر ؓ نے انکار کر دیا اور فرمایا:

''میں تو ہر ہفتہ دو سیر گیہوں کھاتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے میرا یہی دستور ہے بخدا اس سے زیادہ نہیں کروں گا جب تک ان سے نہ جا ملوں۔ مگر تم نے تو رنگ ہی بدل دیا ہے رنگ رنگ کے کھانے کھاتے ہو۔ نبی کریم ﷺ نے تو کبھی دو کھانوں سے پیٹ نہ بھرا جب کھجوریں کھاتے تو روٹی نہ کھاتے۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاں ایک چاند سے دوسرا چاند آجاتا اور آپ کے گھر میں آگ نہ جلتی تھی۔ نہ روٹی نہ کھانا۔ حضور ﷺ نے تو ہمیشہ پیوند لگے کپڑے پہنے اور تم صبح وشام نیا زرق برق لباس پہنتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تم ایسے نہ تھے''۔

امیر نے کہا:

''وہ زمانہ ختم ہو گیا۔ اب ہم عجمیوں کے شہر میں اگر ایسا نہ کریں تو وہ ہمیں حقیر نہ سمجھیں گے۔ آپ بھی اچھا لباس پہنیں۔ ابھی حاضر کئے دیتے ہیں''۔

مگر آپ نے جواب دیا:

''میں تو اپنی ہیئت تبدیل نہیں کر سکتا۔ شاید قیامت کے دن میں رسول اللہ ﷺ سے بہ نسبت تمہارے زیادہ قریب ہوں۔ اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب تم میں سے وہ شخص ہو گا جو دُنیا سے اس ہیئت پر نکلے گا جس پر میں نے اسے چھوڑا ہے''۔

امیر نے کہا:

''امیر لوگ شکایت کرتے ہیں کہ آپ غریبوں کو ان کے خلاف بھڑکاتے ہیں''۔

آپ نے جواباً فرمایا:

''میں انہیں ذخیرہ اندوزی سے روکتا ہوں''۔

''کیوں؟''

''کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے انہیں عذاب الیم کی خوشخبری سنا دو۔ خدا کی قسم! میں لوگوں کو زُہد کی طرف بلاتا رہوں گا۔ مال جمع کرنے سے ڈراتا رہوں گا اور ذخیرہ اندوزوں کو عذاب جہنم کی خوشخبری سناتا رہوں گا''۔

امیر شام نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت ابوذر غفاری ؓ نے اپنی راہ لی راستے میں ایک شامی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا:

اے ابوذر! تم نے امیر شام کو ناراض کر دیا ہے۔

ابوذر غفاری ؓ نے جواب دیا:

''امیر شام کو ناراض کرنا اللہ کو ناراض کرنے سے بہتر ہے''۔ (طبری کامل)

حضرت ابوذر ؓ کی دعوت و تبلیغ بدستور جاری رہی۔ اپنی تقاریر اور عمل کے ذریعے اسلام کے اصلی خدوخال کو اُجاگر کرتے رہے۔ عوام الناس کو حقیقی اسلام کے افکار و نظریات کی تلقین کرتے رہے۔ مسلم عوام بس اتنا ہی جانتے تھے کہ نماز پڑھنا ، روزہ رکھنا اور حج کرنا مسلمان ہونے کے لیے کافی ہے اور اس سے زیادہ نہ ان کی ذمہ داری ہے اور نہ ان کے اُن فرائض میں شامل ہے۔ حالانکہ اسلام ایک مکمل دین ہے جو عالم بشریت کی نجات کے لیے آیا ہے اور یہ نجات اور فوز و فلاح اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ایک نظامِ الٰہی اور ایک حکومتِ الٰہیہ قائم نہ ہو جائے۔

اسی بنا پر اسلام وہ دین ہے جو بنی نوع انسان کی زندگی کے ابعاد ثلاثہ پر محیط و بسیط ہے اور نوع انسانی کو انفرادی و اجتماعی حیثیت سے ذمہ دار اور جوابدہ قرار دیتا ہے۔

اسلام دین مسئولیت ہے۔ وہ فرائض و حقوق مقرر کرتا ہے اور ہر مسلمان ادائیگی



فرائض و حقوق کا پابند ہے۔ جو اپنے عقیدہ کا مطیع و فرمانبردار اور جو انسانی معاشرہ میں اقدار الٰہی کی ترویج و اقدام کے لیے جہاد و مبارزہ سے دریغ نہیں کرتا۔ اور حصولِ مقاصد تک اپنی مساعی جمیلہ کو جاری رکھتا ہے۔

مسلم فرد وہی ہے جو مقاصد الٰہی کے حصول میں ہر قسم کی سختیوں کو برداشت کرے اور اس راہ میں جان و مال قربان کرنے سے ذرا دریغ نہ کرے۔ اور راہ خدا میں جانفشانی اور قربانی جان کیلئے حاضر رہے۔

ع یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

'دراصل مومن وہی ہے جو باطل کی دُھول اور گرد و غبار سے حقیقی اسلام کے چہرہ کو دھندلانے نہ دے۔ جو اقدار الٰہیہ کی حفاظت و پاسداری میں اپنی جان کا نذرانہ بارگاہ الٰہی میں پیش کرے اور بطیب خاطر شہادت کے اعلیٰ مقام پہ فائز ہوتا کہ دینِ اسلام پر کوئی حرف نہ آنے پائے اور ہر خطرہ سے محفوظ رہے۔

اسلام ظالموں اور ستمگروں سے جہاد و مبارزہ اور دُنیا بھر کے محرومین و مستضعفین کی حمایت و دفاع کا نام ہے۔ دین اسلام کی غرض و غایت اور اس کا مطلوب و مقصود ایک ایسے نظام کا قیام ہے کہ جس میں اقدار الٰہی کے مطابق عدالتِ اجتماعی ، فضائلِ انسانی اور شریعت اسلامی کی حفاظت ہو، اسلام کا ہر قانون انسانی قوتوں کے موافق اور ان کی فطرتوں کے مطابق ہے ____ اور یہ بھی کہ موسوی شریعت تمام شریعتوں میں سخت گیر ہے، کڑی ہے۔ پھر جبکہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی مال جمع کرنے کی ممانعت نہیں ہے اور جبکہ یہودیوں کو بھی اس کا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی ساری دولت خدا کی راہ میں لٹا دیں تو اسلام کی معتدل و متوسط شریعت میں یہ سخت قانون کس طرح ہو سکتا ہے کہ جو کچھ ضرورت سے زیادہ بچ جائے وہ خُدا کی راہ میں لٹا دیا جائے ورنہ قیامت کے دن وہ انگارے بن کر لپٹیں گے'۔

Scanned with CamScanner

## ایک سوال:

رُوح المعانی ص ۱۰۳ ج ۴ پہ ایک اور روایت منقول ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

حضرت کعب احبار نے کہا:

''اگر ہر شخص پر واجب ہو کہ وہ اپنی ساری دولت خدا کی راہ میں لُٹا کر مرے اور اپنے پاس کچھ اندوختہ نہ چھوڑے تو پھر اللہ تعالیٰ نے میراث کی آیتیں کیوں نازل کیں۔ جب میت کے لیے کچھ چھوڑ کر مرنا ہی جائز نہیں تو وارثوں پر کیا چیز تقسیم ہو گی۔ الغرض قرآن کی اقتضاء النص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کل مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا ضروری نہیں''۔

اس کے جواب میں حضرت ابوذر غفاری ؓ نے فرمایا۔

''اے یہودن کے بیٹے! تو کون ہے جو یہاں اور اس مقام پر آ کر بول رہا ہے کیا ہم لوگوں کو تو ایمان سکھاتا ہے۔ یہودی بچے سُن! ایک دن رسول اللہ ﷺ اُحد کے پہاڑ کی طرف گزر رہے تھے۔ میں آپ کے ساتھ تھا فرمایا۔ اے ابوذر! میں نے کہا۔ لبیک یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا۔ قیامت کے دن اہلِ ثروت مفلس ہوں گے۔ پھر فرمایا۔ ابوذر! میں نے کہا۔ ارشاد یا رسول اللہ علیہ وسلم۔ میری جان اور مال آپ پر قربان۔ فرمایا۔ اگر میرے پاس اُحد کے برابر سونا ہوتا اور میں اسے راہِ خُدا میں خرچ کر دیتا تو مرتے دم مجھے دو تولہ بھی چھوڑنا گوارا نہ ہوتا۔ پھر فرمایا۔ ابوذر! تو زیادہ چاہتا ہے اور میں کم چاہتا ہوں۔ یہودن کے بچے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسا فرما گئے اور تو کہتا ہے اگر کوئی پیچھے چھوڑ گیا تو کوئی مضائقہ نہیں''۔

حضرت ابوذر غفاری ؓ پر جذب غالب تھا۔ جلال میں آ گئے۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی مجھن سے حضرت کعب پر حملہ کر دیا۔ طبری میں لکھا ہے کہ مجھن ایک قسم کی لاٹھی تھی۔ جس کی نوک پر آخر میں کوئی چیز لگی ہوتی تھی۔



حضرت ابوذر غفاری ؓ نے مجھن مار کر حضرت کعب احبار کا سر پھوڑ دیا تو حضرت عثمان غنی ؓ نے حضرت ابوذر ؓ کے جلالی طرزِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے اس زخم کو مانگ لیا یعنی اپنی خاطر سے معاف کرا دیا۔

حضرت کعب احبار صحابی نہ تھے بلکہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ایمان لائے اور انہوں نے اعتراض بھی کیا تو اس شخص پر جس پر عام صحابیوں کو بھی نکتہ چینی کرنے اور اعتراض کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

(ابن خلدون۔ کامل ابنِ اثیر تفسیر رُوح المعانی۔ انساب الاشراف البلاذری)

## حضرت عثمان غنی ؓ کے ساتھ اختلاف:

اس واقعہ کے بعد حضرت عثمان ؓ اور حضرت ابوذر ؓ میں جو باتیں ہوئیں کامل میں ابنِ اثیر نے اس گفتگو کو جس انداز میں پیش کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

اے ابوذر ؓ! شام کے لوگ تم سے شاکی ہیں''۔ حضرت عثمان غنی ؓ نے کہا:

''لوگ نہیں امیرِ شام کہیئے۔ حضرت ابوذر ؓ نے جواب دیا

اس کے بعد حضرت عثمان غنی ؓ نے بطور فہمائش کے کہا۔

''ابوذر! ہم پر جو کچھ ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جو باتیں ہم پر واجب ہیں انہیں ادا کریں اور رعیت کو بھی کدوکاوش اور اعمال میں اعتدال اور اقتصاد کی دعوت دیں۔ لیکن ہم پر یہ تو واجب نہیں ہے کہ لوگوں کو ترکِ دُنیا اور زہد پر مجبور کریں۔''

حضرت ابوذر غفاری ؓ نے جواب دیا۔

''سرمایہ دار جب تک اپنی دولت نیک کاموں پر صرف نہ کریں۔ ان سے ہرگز راضی نہ ہونا چاہئے۔ جب تک وہ پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش نہ آئیں۔ بھائیوں کی خبرگیری نہ کریں اور رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی نہ کریں۔ میں ترکِ دُنیا پر کب لوگوں کو مجبور کرتا ہوں۔ بلکہ امرأ سے غربا کے حقوق مانگتا ہوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے اگر میری گردن پر تلوار رکھ

دی جائے اور مجھے یہ گماں ہو کہ گردن کٹ جانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا ایک حکم ہی تمہیں سُنا سکوں تو ضرور سناؤں گا"۔

## ابن سباء یہودی کا کردار:

حضرت ابوذر غفاریؓ نے پھر اپنی تبلیغ زوروں سے شروع کر دی۔ سرمایہ داری کے خلاف بولتے رہے۔ فقیروں کی غمخواری کی تبلیغ کرتے رہے تو مروان ابن الحکم نے حضرت عثمان غنیؓ کے کان بھرے اور ابوذر غفاریؓ کی طرف سے خلیفہ کے دل میں بدگمانی پیدا کر دی۔ آپ ابوذر غفاریؓ سے ناراض ہو گئے۔ اسی دوران میں ایک سخت حادثہ پیش آیا کہ عبداللہ ابن سباء یہودی مفسد الامت مدینہ میں وارد ہوا اور بغاوت و سازش کی اندرونی تحریکوں میں مصروف ہو گیا۔ بلکہ ابن خلدون سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ابوذر غفاری شام میں ہی تھے اسی وقت سے عبداللہ بن سباء مختلف شہروں کی سیر کرتے ہوئے مختلف صحابہ کو حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف اُبھارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تفصیلی طور پر حضرت عثمانؓ کو اس فتنے کا گو علم اس وقت نہ ہوا لیکن اجمالی طور پر آپ کو اتنا ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ان کی طرف سے بددل و بدگمان ہو رہی ہے۔

عبداللہ بن سباء یمن کا ایک یہودی تھا بالاتفاق مورخین اسلام نے لکھا ہے کہ منافقانہ طور پر عہد عثمانی میں مسلمان ہو جانے کا دعویٰ کر کے اسلامی ممالک میں اپنی ایک خفیہ جماعت کے ساتھ سازش کا ایک جال بچھایا۔ (لسان المیزان صفحہ ۲۸۹ جلد ۳)

ترمذی اور حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن سباء دشمن اسلام یہودی تھا۔ بظاہر اسلام اختیار کر کے مسلمانوں کے شہروں میں گھومتا پھرتا تھا تاکہ مسلمانوں کو اپنے امراً کی اطاعت سے برگشتہ اور باہم مسلمانوں میں شر و فساد پھیلائے۔

البلاذری نے لکھا ہے کہ شام میں فتنہ پردازوں کا ایک گروہ حکومت کے خلاف



محاذ کھڑا کرنے کے لئے آیا تھا لیکن آپ نے نہایت نفرت و سختی سے اس گروہ کے خلاف تنفر و لاتعلقی کا اظہار کیا۔ اب وہی گروہ مدینہ میں باغیانہ سازشیں کر رہا تھا اور عوام کو حضرت عثمانؓ کے خلاف ابھار رہا تھا۔ اور اپنی تخریبی سرگرمیوں میں اس قدر محتاط و ہوشیار تھا کہ کوئی اس کی نشاندہی نہ کر سکتا تھا۔

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ ہاتھوں پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

جب حضرت عثمانؓ کے کان میں ان خفیہ چہ میگوئیوں کی بھنک پڑی تو آپ اس کا پتہ لگانے لگے کہ کون کون لوگ اس فتنہ میں شریک ہو رہے ہیں۔ ابن خلدون کے حوالے سے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مفسدوں کی جماعت شام میں حضرت ابوذر غفاریؓ کے پاس پہنچی تھی اور آمادۂ بغاوت کرنا چاہا تھا۔ ممکن ہے حضرت عثمانؓ کو اس کی خبر ہو گئی ہو۔

البلاذری نے بھی لکھا ہے کہ شام ہی میں فتنہ پردازوں کا یہ گروہ حکومت کے خلاف حضرت ابوذر غفاریؓ کو کھڑا کرنے آیا تھا۔

## خلیفۂ وقت سے ملاقات:

ادھر مناظرہ کا ایک ناگوار واقعہ اور پھر شام سے ابوذر غفاریؓ کو یکایک مدینہ بلا لینا یہ چند باتیں ایسی پیش آ گئیں کہ حضرت عثمانؓ کو حضرت ابوذر غفاری سے بھی کچھ بدگمانی ہو گئی۔ جس کی خبر حضرت ابوذرؓ کو بھی ملی کہ حضرت عثمانؓ ان کی طرف سے بدگمان ہو رہے ہیں۔

یہ سنتے ہی آپ کو جلال آ گیا۔ آپ اسی وقت اٹھے اور اپنے قبیلہ کے چند افراد کو ساتھ لے کر سیدھے آستانۂ خلافت کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ خبر سننے سے آپ پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ گویا مدہوش ہو رہے تھے۔ حتیٰ کہ جس دروازے سے

مکان خلافت میں جانے کی کسی کو اجازت نہ تھی آپ درہ لیے ہوئے اسی دروازے میں گھس گئے۔ (ابن خلدون۔ البلاذری)

حضرت عثمانؓ نے جب آپ کو اس طرح آتے دیکھا تو یکایک آپ ٹھٹک کر رہ گئے۔ آپ پر جلال بوذری کا خوف طاری ہو گیا۔ (طبقات ابن سعد ۱۲)

جو خطرہ گمان کی حد تک محدود تھا اس نے یقین کی صورت اختیار کر لی۔ یعنی شکوک یقین میں بدل گئے۔ آپ جس حالت میں بیٹھے تھے اسی حالت میں بیٹھے رہے۔

ابوذرؓ قریب پہنچ گئے۔ فرمایا:

"السلام علیکم"۔

اور اس سے قبل کہ کچھ مزاج پرسی کریں۔ گھبرائی ہوئی آواز میں آپ نے کہا۔

اَحَسِبْتَنِیْ مِنْھُمْ یَااَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ.

"کیا آپ بھی مجھے ان لوگوں میں (مفسدوں میں) گمان کرتے ہیں اے مسلمانوں کے امیر!"

اور اس کے بعد اس زبان نے جس سے زیادہ سچی بات آسمانوں اور زمین کے درمیان اور کسی نے نہ کہی، اس طرح فتنہ وفساد سے اپنی لاتعلقی ظاہر کی۔

"قسم خدا کی! نہ میں ان لوگوں میں سے ہوں اور نہ میں ان کو جانتا ہوں کہ یہ کون لوگ ہیں۔ ان کی علامت تو منڈے ہوئے سر ہیں۔ وہ دین سے اس طرح نکل گئے ہوں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے"۔ (ماخوذ طبقات وفتح الباری)

چونکہ تفصیلی طور پر آپ کو بھی اس کا علم نہ تھا۔ صرف شام میں ایک دفعہ کچھ لوگ آپ کے پاس تھے اور وہ بھی خدا جانے صحیح ہے یا نہیں بہرحال آپ کا علم اس فتنہ کے متعلق صرف اسی قدر تھا جس قدر حضرت عثمانؓ کو کہ کچھ لوگ آمادۂ فساد ہیں۔ اور اس کو علم نہیں کہہ سکتے۔ (ماخوذ طبقات وفتح الباری)

فتنہ وفساد سے حضرت ابوذر غفاریؓ کی لاتعلقی اور برأت کے لیے یہ الفاظ



خصوصاً جب وہ قسم کے ساتھ ہوں بہت کافی تھے۔ آپ نے مزید ارشاد فرمایا۔

"مسلمانوں کے امیر کی تسلی کرنے کے لیے اگر مجھے حکم دیا جائے کہ پالانوں کی لکڑیوں میں لٹک جاؤں تو اسی وقت لٹک جاؤں گا جب تک کہ مجھے چھوڑنے کا حکم نہ دیا جائے۔ اسی طرح اگر مجھے حکم دیا جائے کہ کھڑا ہو جا تو میں کبھی نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ مجھے بیٹھنے کا حکم نہ دیا جائے"۔ (فتح الباری)

مورخین کے بیان کے مطابق اس کے بعد حضرت عثمانؓ اٹھے اور ہاتھ پکڑ کر ابوذرؓ کو اپنے پاس بٹھا لیا۔

طبقات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد دیر تک دونوں میں کچھ سرگوشیاں ہوتی رہیں حتیٰ کہ کبھی کبھی آواز بلند بھی ہو جاتی۔ یہ تمام واقعات طبقات ابن سعد میں ملتے ہیں۔

طبقات ہی سے اس قدر اور بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد جب حضرت ابوذر غفاریؓ قصر خلافت سے نکلے تو مسکراتے ہوئے نکلے۔ لوگوں نے پوچھا بھی امیر المومنین اور آپ میں کیا باتیں ہوئیں۔ لیکن آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف اتنا فرماتے ہوئے روانہ ہو گئے۔

"سننے والا فرمانبردار ہوں۔ اگر مجھے حکم دیا جائے کہ تم عدن یا صنعاء چلے جاؤ اور مجھ میں چلنے کی طاقت باقی رہے تو میں اسی وقت چلا جاؤں گا"۔

(مسند احمد ۲۔ طبقات ابن سعد)

اس کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کو بھی چھوڑ دیا لیکن کیوں چھوڑا؟ عام مورخین تو لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے آپ کو جلاوطن کر دیا۔ یا مدینہ شریف سے دور چلے جانے کی ہدایت دی جو انہوں نے مان لی۔

جہاں آپ گئے ربذہ میں وہاں بھی مکان حسب دستور آپ نے اینٹ ومٹی کا نہیں بنایا تھا بلکہ کمبلوں کا ایک جھونپڑا سا ڈال لیا تھا۔ قریب ہی آپ نے ایک تالاب

بنوالیا تھا جس میں برسات کا پانی جمع ہو کر ذخیرہ ہو جاتا تھا۔ آنے والے مسافر اور ان کی سواری کے جانوروں کا کام بھی اس تالاب کے پانی سے چلتا تھا۔

## حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی شفقت:

جب حضرت ابوذر ؓ مدینہ سے سوئے ربذہ چلے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اپنے دونوں فرزند حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ آپ کو الوداع کہنے آئے۔ لیکن مروان نے روکنا چاہا اور کہا:

"اے علی ؓ! امیر المومنین نے منع کر دیا ہے کہ کوئی شخص ابوذر ؓ کے ساتھ نہ جائے، نہ رخصت کرے۔ اگر آپ کو اس حکم کی اطلاع نہیں ہے تو میں آپ کو مطلع کیے دیتا ہوں"۔

مروان راندۂ دربار رسالت تھا۔ حضور ﷺ نے اسے شہر بدر کر دیا تھا۔ (بعض روایات کے مطابق اس کے باپ حکم کو مدینہ سے نکالا گیا اس وقت مروان بچہ تھا) حضرت عثمان نے کچھ مجبوریوں کے باعث اسے خلافت اسلامیہ کا مہر بردار (رائٹ پریوی سیل) بنا دیا تو اس کی شرارتوں نے یہاں بڑے گل کھلائے۔ اسلام دشمنی سے باز نہ آیا۔ پس پردہ ریاست اور سربراہ کو شدید نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہا۔ خلاف دین بدعنوانیاں وہ کرتا تھا لیکن بدنام حضرت عثمان ؓ ہوتے۔

حضرت ابوذر ؓ کو الوداع کہنے کے لیے حضرت علی ؓ آئے تو مروان راستے میں حائل ہو گیا۔ آپ نے کوئی توجہ نہ دی اور ابوذر کی طرف بڑھے۔ مروان نے تعرض کیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نے اس کی اونٹنی کے دونوں کانوں کے درمیان کوڑا رسید کیا اور فرمایا:

"دور ہو جا خدا تجھے جہنم رسید کرے"۔

مروان نے اونٹنی کی مہار پھیری اور ابوذر کو چھوڑ کر چلا گیا۔ حضرت عثمان غنی ؓ



کے پاس پہنچا اور شکایت کی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اور ان کے ساتھی صحابی رسول کے ساتھ کافی دور تک گئے رخصت ہونے لگے تو ابوذر ؓ نے علی کرم اللہ وجہہ، کو سینے سے لگا لیا اور آنسو بہاتے ہوئے فرمایا۔

"اے ابوالحسن! جب میں آپ کو اور آپ کے دونوں فرزند کو دیکھتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ یاد آ جاتے ہیں"۔

"امیر المومنین آپ سے ناراض ہیں کہ ابوذر ؓ کو رخصت کرنے کیوں گئے"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عثمان ؓ کے پاس گئے تو حضرت عثمان ؓ نے کہا۔

"آپ نے مروان کے ساتھ کیوں ایسا سلوک کیا۔ آپ نے مجھ پر جرأت کی اور میرے قاصد کا اور میرے حکم کے خلاف کیا"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نے جواب دیا۔

"مروان نے مجھے لوٹانا چاہا میں نے اُسے لوٹا دیا۔ رہا آپ کا حکم تو میں نے اس کی تردید نہیں کی"۔

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں نے ابوذر ؓ سے ملنے اور رخصت کرنے کے بارے میں حکم امتناعی جاری کیا ہے؟"

"کیا ہر وہ چیز جس کا آپ حکم دیں وہ اگرچہ حکم الٰہی کے خلاف ہی ہو تو ہم تیری اتباع کریں۔ خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا"۔

"قسم بخدا میں مروان کا حق دلا کر چھوڑوں گا"۔ حضرت عثمان ؓ نے کہا:

"تو یہ رہی میری اونٹنی۔ اگر وہ انتقام چاہتا ہے تو لے لے"۔

اس وقت وہاں کچھ مہاجرین وانصار موجود تھے۔ انہوں نے بدمزگی مزید بڑھنے نہ دی۔ (طبری کامل۔ ابن خلدون۔ فتح الباری)

ربذہ میں آپ کے ساتھ ایک تو آپ کی حرم محترمہ اور دوسری آپ کی صاحبزادی تھی۔ حضرت ابوذرؓ کے یہاں بچے تو بہت پیدا ہوئے لیکن عموماً کمسنی میں انتقال کر گئے۔

ابونعیم نے حلیہ میں بچوں کی موت کے متعلق حضرت ابوذرؓ کا ایک عجیب فقرہ نقل کیا ہے۔ کسی نے آپ سے پوچھا۔

''ابوذرؓ! آپ کے بچے زندہ کیوں نہیں رہتے''۔

آپ نے فرمایا:

**الحمد الله الذی یا خلھم فی دار الفناء وید خلھم فی دار البقاء.**

''شکر ہے اللہ کا جس نے ان بچوں کو فانی گھر سے لے لیا اور باقی رہنے والے گھر کے لیے ان کو ذخیرہ بنا لیا''۔

اولاد کے لیے لوگوں نے آپ کو دوسری شادی کرنے کا مشورہ دیا لیکن آپ راضی نہ ہوئے۔ آخر عمر میں آپ کا خاندان ان ہی دو عورتوں (بیوی اور بیٹی) اور خود آپ کی ذات سے عبارت تھا۔

## حضرت ابوذرؓ کا استغناء:

ابوذرؓ اب ربذہ کے بیابان میں زندگی گزار رہے تھے اور خوش تھے کہ تمام جھنجٹوں سے نجات ملی۔ ربذہ میں آپ کے پاس جو کچھ تھا اوروں کے نزدیک وہ کافی ہو یا نہ ہو لیکن ان کے غنی دل نے اس کو ہمیشہ کافی خیال کیا۔

شام کے گورنر حبیب بن مسلمہ نے ایک دفعہ آپ کی خدمت میں تین سو اشرفیاں بھیجیں اور لکھ بھیجا۔

**اسحن بھا علیٰ حاجتک.**

''اپنی ضرورتوں میں ان سے مدد لیجئے''۔



لیکن حضرت ابوذرؓ نے قاصد کو جواب میں کہا۔

ان اشرفیوں کو تم ان ہی کے حوالے کر دینا اور کہنا کیا ان کو مجھ سے زیادہ غریب آدمی نہیں ملتا؟ خدا کے فضل سے میں ایک سائبان رکھتا ہوں جس کے سائے میں آرام کرتا ہوں۔ بکریوں کے ایک گلے کا بھی مالک ہوں۔ جو دن بھر چر کر شام کو میرے گھر آ جاتی ہیں اور ان کی وجہ سے میرے گھر میں ریل پیل ہو جاتی ہے ایک کنیز بھی ہے جو کام کاج میں میرا ہاتھ بٹاتی ہے۔ اس کے بعد دور از کار مال مجھے درکار نہیں۔

حبیب بن مسلمہ صحابی تھے یا تابعی لوگوں کو اس میں اختلاف ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر بارہ سال تھی۔ بہر حال انہوں نے امیر شام کی ماتحتی میں رومی علاقوں میں بڑی کامیاب مہمیں سر کیں۔ رومیوں کے ساتھ اسی جہاد کے شغف کی وجہ سے حضرت ابوذرؓ ان کو ''حبیب الروم'' کہا کرتے تھے۔ اور یہی لقب حبیب کا عوام میں مشہور ہو گیا۔ آرمینیا کی مہم میں وفات پائی اور اسی علاقے میں مدفون ہوئے ان کا شمار مستجاب الدعاء لوگوں میں سے تھا جن کی دعا کبھی رد نہیں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب)

حضرت ابوذر غفاریؓ کو اپنی اس باطنی امارت، اندرونی تونگری پر اتنا ناز تھا کہ کبھی کبھی چھلک پڑتے اور فرماتے۔

''بنی اُمیّہ کے امراء مجھے فقر اور افلاس سے ڈراتے ہیں حالانکہ فقر تونگری سے مجھے زیادہ عزیز ہے''۔

## مہمانوں کی خدمت:

بیابان ربذہ میں مختصر سامان کے ساتھ بھی آپ کا یہ حال تھا کہ عموماً مسافروں کو اپنے پاس ٹھہراتے اور جس طرح بن پڑتا اپنی وسعت کے مطابق خاطر و تواضع میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے۔ ایک جلیل القدر تابعی کا بیان ہے۔

ربذہ میں حضرت ابوذرؓ کے ہاں بہت سے مہمان اترے ہوئے تھے رات کا

Scanned with CamScanner

وقت تھا۔ آپ خود اٹھے اور جس قدر بکریاں تھیں ایک ایک کر کے آپ نے سب کا دودھ خوب نچوڑ کر نکالا حتیٰ کہ کوئی تھن باقی نہ رہا اس کے بعد گھر جا کر کچھ کھجوریں لے آئے دودھ اور کھجوریں مہمانوں کو پیش کیں اور نہایت عجز و انکساری سے کہا:

''کاش! اس سے بہتر چیز اگر میرے پاس ہوتی تو میں پیش کرتا''۔

مہمانوں کی تعداد چونکہ زیادہ تھی اس لیے نہ تو دودھ ہی کا ایک قطرہ بچا اور نہ ہی کھجور ہی باقی رہی۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے اس رات میں کوئی چیز اپنی زبان پر نہیں رکھی اور صرف یہی نہیں عموماً آپ کی یہی عادت تھی طبقات میں ہے عیسیٰ بن عمیلہ الفرازی کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے جس نے ابوذرؓ کو دیکھا تھا بیان کیا کہ

**یحلب غنیمة ثم یبدأ بجیر انه و اضیافه قبل نفسه.**

''اپنی بکریوں کا دودھ نکالتے اور اپنے نفس سے پہلے اپنے ہمسائیوں اور مہمانوں پر تقسیم کرتے''۔

اور ایک واقعہ یہ بھی آپ کا مشہور ہے کہ مہمانون کو سیر کرنے کی غرض سے آپ نماز میں مشغول ہوگئے۔ جب ان کا پیٹ بھر گیا تب نماز سے فارغ ہو کر ان کے ساتھ شریک ہوئے یہ واقعہ بھی ربذہ ہی کا تھا۔

صاحب ''حلیہ'' محمد بن واسع ناقل ہیں کہ وہ ایک دفعہ بصرہ سے بقصد ربذہ روانہ ہوئے کہ حضرت ابوذرؓ کے مشاغل کو آپ کی حرم محترمہ سے دریافت کروں۔ استفسار پر بیوی صاحبہ نے ان کی مصروفیت کا صرف اسقدر جواب دیا۔

**کان النهار اجمع یتفکر.**

''دن سارا تصور و تفکر میں گزرتا ہے''۔

امرائے امیہ کے متعلق کبھی یہ بھی فرماتے۔

''وہ مجھے قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں حالانکہ اب زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے



مجھے زیادہ محبوب ہے''۔

امرائے امیہ سے مراد دراصل وہی طبقہ ہے جس نے حضرت عثمانؓ کی نیکیوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خود اپنے آپ کو رسوا کیا۔ مصیبت یہ ہوئی کہ ان کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کی طرف سے ایک خاص طبقہ میں خواہ مخواہ بدگمانیاں پیدا ہوگئیں۔ انساب الاشراف میں البلاذری نے لکھا ہے کہ مروان اور حارث بن الحکم بن عاص وغیرہ نے عہد عثمانی میں بڑی بڑی رقوم حاصل کیں گو اس سلطنت گیری کے لحاظ سے وہ چنداں اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ بعضوں کو چالیس بچاس ہزار درہم مل گئے اور جو اسلامی حقوق زکوٰۃ ان پر عائد ہوتے تھے ان سے لاپرواہیاں برتنے لگے۔ تو حضرت ابوذرؓ مال کے ناجائز استعمال پر اخروی سزا کی دھمکیاں اعلانیہ ان لوگوں کو سنانے لگے۔ اس پر مروان حضرت ابوذر غفاریؓ کا سخت مخالف ہوگیا تھا۔

(البلاذری صفحہ ۵۶ جلد ۵، طبقات صفحہ ۱۷۰ جلد ۴)

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آپ کے زمانہ میں ربذہ کے عامل ایک حبشی غلام مجاشع تھے جس طرح دنیاوی معاملات ان کے سپرد تھے جمعہ جماعات کا تعلق بھی ان ہی سے تھا۔

## فرمان نبوی ﷺ کی صداقت:

حضرت ابوذرؓ یہاں آ کر سکونت فرما ہوئے تو آپ بھی نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے۔ جب جماعت کھڑی ہوگئی تو مجاشع بوجہ اپنے غلام ہونے اور شرف صحابیت سے محروم ہونے کے آگے بڑھنے سے رُکے۔ حضرت ابوذرؓ نے ان کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ آگے بڑھو۔ جس طرح پہلے نماز پڑھاتے تھے اب بھی پڑھاؤ۔ مقصد اقدس یہ تھا کہ تم غلام حبشی ہو لیکن اولی الامر نے تم کو امیر بنا دیا ہے تو میں بھی تمہیں امیر سمجھتا ہوں جیسا کہ خود بعد کو آپ نے فرمایا۔

''مجھے رسول خدا ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر حبشی غلام بھی مجھ پر امیر بنایا جائے

تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اس کی باتیں سنوں اور اس کی فرمانبرداری کروں"۔

گویا اس فرمان کی تعبیر ربذہ میں آکر پوری ہوئی اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ آپ کے ربذہ آنے سے پہلے یہ غلام یہاں کے امیر تھے۔

## ابن سباء کی شرارت:

عبداللہ بن سباء کو جب اس کی خبر ملی کہ امیر شام کی شکایت کی بنا پر خلیفۂ اسلام نے حضرت ابوذر ؓ کو شام سے مدینہ بلوایا اور کعب الاحبار سے مناظرہ کرایا۔ حتیٰ کہ انہی وجوہ کی بنا پر بیابان ربذہ میں جا کر عزلت گزیں ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اسکے کارندوں نے اس واقعہ کو غلط رنگ دے کر اسکے سامنے پیش کیا اس کو فوراً خیال گزرا کہ ایسی صورت میں حضرت ابوذر ؓ کو حضرت عثمان ؓ پر یورش پر آمادہ کیا جا سکتا ہے جبکہ مسئلہ کنز پر نزاع پہلے ہی موجود ہے اور پھر ابوذر ؓ کا تقدس و ورع عام طور پر مسلمانوں میں مسلم ہے اور خود ان کے ساتھ ایک بڑا قبیلہ غفار کا ہے۔ کیا عجب ہے کہ ان کو شریک کار بنا لینے کے بعد ہماری سازش مکمل ہو جائے۔ اور جو آگ عبداللہ بن سباء نے سلگائی اس کے شعلے ابوذر ؓ ہی کے ہاتھ سے اسلامی آبادیوں تک پہنچا دیئے جائیں۔

غرض اسی قسم کے بیہودہ خیالوں کو سامنے رکھ کر اس نے ایک وفد تیار کیا۔ بقول ابن خلدون سرخیل وفد وہ خود آپ تھا۔ کوفہ میں اس مفسد وفد کا نظام مرتب کیا گیا اور یہیں سے ان بد باطنوں کی جماعت ربذہ روانہ ہوئی۔

بطور مہمانوں کے یہ لوگ آپ کے درویش خانہ پر آ ٹھہرے اور موقع پا کر ان میں سے ایک شخص نے اس طرح تقریر شروع کی۔

"اے ابوذر! اس شخص (عثمان ؓ) نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا اس کے جواب میں آپ تیار ہیں کہ اس کے خلاف آپ بغاوت کا پرچم بلند کریں۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ جتنے آدمیوں کی آپ کو ضرورت ہوگی اس کا پورا انتظام کیا جائے



گا۔ آپ صرف پرچم بلند کریں"۔

طبقات میں ان کی تقریر کا صرف اسی قدر حصہ مذکور ہے لیکن یہ مفسدین جس درجہ شاطر و عیار تھے اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ جو کچھ نقل کیا گیا اس سے کہیں زیادہ باتیں انہوں نے کہی ہوں گی۔

حضرت ابوذر ؓ نے ان کی تقریر سننے کے بعد فرمایا:

"خدا کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں ایسا ہرگز نہ کروں گا۔ صبر کروں گا اور خدا سے اجر کی امید رکھوں گا"۔

باغیوں نے ربذہ کے درویش کا جواب سنا تو اسی وقت راہ گریز اختیار کی۔

## ایک اور سازش ناکام:

اسی دوران ایک اور واقعہ پیش آیا جس کو عوف شیبانی سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص تحفے لے کر حضرت ابوذر ؓ کے پاس ربذہ آیا۔ جب وہاں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ آپ بقصد حج مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں۔ اس شخص نے بھی کعبہ کی طرف اپنے اونٹ کی مہار پھیر لی۔ اور منیٰ کے میدان میں حضرت ابوذر ؓ سے ملا اور اسی دوران یکا یک غل ہوا کہ حضرت عثمان ؓ نے منیٰ میں بجائے دو رکعتوں کے چار رکعتیں پڑھیں یعنی بجائے قصر کے نمازیں پوری پڑھیں۔

چونکہ یہ بالکل نیا واقعہ تھا اس لیے صحابہ میں برہمی پھیل رہی تھی حضرت عثمان ؓ نے جب چار رکعت نماز پڑھی تو عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے آکر پوچھا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا؟"

اس کے جواب آپ نے فرمایا:

"میں نے بعض لوگوں سے سنا کہ یمن کے کچھ لوگ اور بعض گنوار بدوؤں نے اپنے ملکوں میں جا کر مشہور کر دیا ہے کہ نماز مقیم کے لیے بھی دو رکعتیں ہیں۔ یعنی دو ظہر

Scanned with CamScanner

کی اور دو عصر کی۔ کیونکہ امیر المومنین یوں ہی پڑھتے ہیں۔ یہ ایک سخت غلط فہمی ہے اس لیے اقامت کی نیت کر کے چار پڑھ لیں۔ اور وجہ اس اقامت کی یہ ہے کہ میں نے منٰی میں نکاح کر لیا ہے اور یہاں سے طائف قریب ہے جہاں میری جائداد بھی ہے اس کی نگرانی کے لیے نیت اقامت کر لی ہے"۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اس پر معارضہ کیا جس کا جواب حضرت عثمان ؓ نے دیا۔ (طبرانی ص ۵۷، ج ۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ ایک طرف آپس میں مشورے کر رہے تھے۔ بار بار عبداللہ بن مسعود ؓ کی زبان پر یہ فقرہ آتا تھا۔

**فلیت حظی من اربع رکعاتٍ رکعتان فتقبلتان.** (بخاری)

"کاش چار رکعتوں کے ثواب سے مجھے دو ہی رکعتیں جو خدا کے نزدیک مقبول ہیں وہی ملتیں"۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے اس کا جو جواب دیا تھا وہ یہ تھا:

**الخلاف شر قد بلغنی انه صلی اربعا فصلیت اربعا.**

خلاف بری بات ہے۔ مجھے خبر ملی ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے چار رکعتیں پڑھی ہیں اس لیے میں نے بھی چار پڑھیں"۔

جب حضرت ابوذر غفاری ؓ کو یہ خبر ملی تو آپ پر غصہ طاری ہو گیا۔ سخت غیظ میں جھلا کر کہنے لگے:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منٰی میں نماز پڑھی۔ آپ نے ہمیشہ دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر ابوبکر ؓ نے بھی دو پڑھیں۔ عمر ؓ کے وقت بھی یہ ہی ہوتا رہا"۔

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے کچھ سخت الفاظ بھی استعمال فرمائے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد اٹھے اور اٹھ کر آپ نے بھی چار رکعتیں ادا کیں یعنی قصر نہ کیا۔ ایک شخص وہیں بیٹھا ہوا تھا اس نے فوراً پوچھا۔



"آپ نے یہ کیا کیا۔ جس فعل پر آپ ابھی ابھی امیر المومنین کی شان میں سخت سست سنا رہے تھے کس قدر عجیب ہے کہ کھڑے ہو کر پھر اسی فعل کے خود مرتکب ہوئے"۔

آپ نے جواب دیا:

"جب خلیفہ چار رکعتیں پڑھے تو اب ہم پر بھی اس فعل کا کرنا ضروری ہو گیا ہے"۔ (طبرانی ص ۵۷ ج ۳)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوذر ؓ کو حضرت عثمان ؓ سے کوئی نجی یا ذاتی اختلاف نہ تھا اور نہ دل میں ان کے خلاف کوئی کدورت و رنجش رکھتے تھے۔

ابتدا میں جب آپ بیابان ربذہ میں تشریف لائے تو بعض لوگوں نے آ کر پوچھا:

"آپ ربذہ کس طرح اور کیوں آئے ہیں؟"

آپ نے فرمایا:

"میں شام میں تھا وہاں مجھ میں اور امیر شام میں آیت **والذین یکنزون الایه** میں اختلاف ہو گیا۔ امیرِ شام کہتا تھا یہ آیت یہودیوں کی شان میں نازل ہوئی ہے اور میں کہتا تھا کہ ہماری اور ان کی دونوں کی شان میں ہے۔ اس پر بات بڑھ گئی اس نے خلیفہ سے میری شکایت کر دی تو خلیفہ نے مجھے مدینہ بلا لیا۔ جہاں اس قدر ہجوم مجھ پر ہونے لگا کہ جیسے انہوں نے اس سے پہلے مجھے دیکھا ہی نہیں۔ خلیفہ سے اس بات کا تذکرہ کیا گیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا اگر جی چاہے تو ربذہ چلے جاؤ تاکہ قریب رہو۔ بس اتنی ہی بات مجھے یہاں لائی ہے"۔ (طبقات ابن سعد)

آپ کا یہ بیان بڑا مجمل ہے۔ ان کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اس پر وہ کسی سے شاکی نہ تھے۔

## حضرت ابوذر ؓ کی وفات حسرت آیات:

بیابان ربذہ میں ابوذر ؓ بیمار پڑ گئے۔ اور مرض دن بدن بڑھتا گیا۔ یہاں

Scanned with CamScanner

تک کہ آپ کا آخری وقت قریب آ گیا۔ آپ کی بیوی اور بیٹی زار زار رونے لگیں۔ آپ نے نحیف وکمزور آواز میں پوچھا۔

''کیوں روتی ہو؟''

بیوی نے جواب دیا:

''آپ ایسے بیابان میں دم توڑ رہے ہیں جہاں کوئی جنازہ اٹھانے والا نہیں اور نہ کفن کے لیے کپڑا ہے''۔

آپ نے فرمایا:

''غم نہ کرو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک شخص ویرانے میں مرے گا اور اس کے جنازے میں مسلمانوں کی ایک جماعت شریک ہوگی۔

میرے حبیب ﷺ نے ایک جماعت سے فرمایا جس میں مَیں بھی تھا۔ ان میں سے ہر شخص مر چکا ہے۔ اور ہر ایک کسی گاؤں یا کسی شہر میں مرا۔ میں ہی وہ شخص ہوں جو ویرانے میں مر رہا ہے۔ خدا کی قسم میں نے نہ کبھی جھوٹ بولا ہے اور نہ جھٹلایا گیا۔ جب میں مر جاؤں تو تم راستے میں جا کے بیٹھ جانا اور جو قافلہ ادھر سے گزرے کہنا کہ صحابی رسول ابوذر وفات پا گئے''۔

خدا کی ہر چیز خدا ہی کی طرف لوٹ جانے والی ہے۔ آخر ساعت موعود آ گئی۔ سراج منیر احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے انوار قدسیہ سے دمکنے والا ماہتاب ۸ ذی الحجہ ۳۲ھ کو اللہ تعالیٰ کے جوار رحمت میں غروب ہو گیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

آپ کی حرم محترم بیابان میں سڑک کے کنارے آپ کے ارشاد کے مطابق جا بیٹھیں کہ کوئی قافلہ ادھر سے گزرے تو فقراء فقر محمدی کے رئیس الطائفہ کے انتقال کی خبر دیں۔

ادھر کوفہ سے استاذ المسلمین، معلم الامت، فقیہ الاسلام حضرت ابن مسعود ؓ عمرہ کا احرام باندھے ایک جماعت کے ساتھ مکہ مکرمہ کے ارادے سے تشریف لا رہے



تھے ابن اثیر نے اس جماعت کے آدمیوں کے ناموں کی تفصیل یہ لکھی ہے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ
۲۔ حضرت اسود بن یزید ؓ
۳۔ حضرت مالک بن اشتر ؓ
۴۔ حضرت علقمہ بن قیس نخعی ؓ
۵۔ حضرت طلحہ جنتی ؓ
۶۔ حضرت حارث بن سوید تمیمی ؓ
۷۔ حضرت عمر بن عتبیٰ اسلمی ؓ
۸۔ حضرت ابن ربیعہ اسلمی ؓ
۹۔ حضرت ابوالغرز تمیمی ؓ
۱۰۔ حضرت ابو رافع مزنی ؓ
۱۱۔ حضرت سوید بن شعبہ تمیمی ؓ
۱۲۔ حضرت اخا القرثع الضبی ؓ
۱۳۔ حضرت اخو معضد الشیبانی ؓ

قافلہ والوں نے لب سڑک ایک عورت کو خستہ حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو اونٹوں کو روک لیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ صحابی رسول مقبول وفات پا گئے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ حج کا موسم جبکہ ختم ہو رہا تھا اور ایام حج بھی گزر رہے تھے۔ ایسے وقت میں عبداللہ بن مسعود ؓ کا مکہ آنا ایک بے موقع سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ان کو اگر آنا ہی تھا تو پھر چند دنوں کے لیے انہوں نے حج کی سعادت کیوں چھوڑی۔ پھر اس پر حضرت ابوذر غفاری ؓ کا یہ فرمانا۔

''دیکھتے رہنا کوئی آتا ہوگا''۔

عجیب اسرار ہیں جو علت و معلول کے سلسلہ میں کسی طرح درج نہیں ہوتے۔

حضرت مالک بن اشتر اپنا کفن سفر میں ساتھ رکھتے تھے۔ وہی کفن حضرت ابوذر غفاری ؓ کو پہنا دیا۔ بیابان ہی میں ایک جگہ قبر کھودی گئی اور نماز جنازہ کے بعد بصد عزت و احترام آپ کو دفنا دیا گیا۔ قضا و قدر نے جو کچھ چاہا وہ ہوا۔

دفن کرنے کے بعد حضرت عبداللہ مسعود ؓ اپنے رفقا کے ساتھ با چشم تر خیمہ میں آئے۔ آپ کی بیوی اور بیٹی کو تسلی و تشفی دی۔ طبری نے اس کے متعلق دو روایتیں درج کی ہیں۔ ایک میں یہ ہے کہ حضرت ابوذر ؓ کے اہل و عیال کو ساتھ لیا اور مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت عثمان غنی ؓ کے سپرد کر دیا۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ پسماندگان کو تسلی دلاسا دے کر عبداللہ بن مسعود ؓ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور حضرت عثمان غنی ؓ کو اس جانکاہ حادثہ کی خبر دی۔ حضرت عثمان غنی ؓ کو سخت صدمہ ہوا اور آدمی بھیج کر آپ کے اہل خانہ کو مدینہ منورہ بلا لیا اور حضرت ابوذر ؓ کے بال بچوں کو اپنے بال بچوں میں شامل کر لیا۔

حضرت ابوذر غفاری ؓ کا مزار مبارک بیابان ربذہ میں ابھی تک موجود ہے۔

وہی ابوذر ؓ جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔

''ابوذر تنہا چلے گا۔ تنہا مرے گا۔ اور روز حشر میں تنہا اٹھایا جائے گا''۔

(سیرت ابی ذر از آغا اشرف، مجمع الزوائد ص ۹-۳۳۱، مسند احمد ۵-۱۶۶، المستدرک ص ۳-۳۴۵، طبقات ابن سعد ص ۴-۲۳۲، ص ۲۳۴، الحلیہ ص ۱-۱۲۹، ۱-۱۷۰ او ھناک خلاف یسیر فی اللفظ)

## حضرت ابوذر کے فضائل میں چند احادیث:

حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ اسلام کو فرماتے ہوئے سنا: **ما اظلت الخضراء و اقلت الغبراء اصدق لھجة من ابی ذر.**

(اخرج الترمذی والحاکم فی المستدرک وقال صحیح علی شرط مسلم۔ ترمذی باب مناقب ابی ذر، مستدرک۔ صفحہ ۳۴۲، جلد ۳)

''کسی زبان والے پر آسمان نے اپنا سایہ نہ ڈالا اور نہ زمین نے اس کا بوجھ اٹھایا جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو''۔



**کان ابوذر یقول لقد رایتنی ربع الاسلام لم یسلم قبلی الا النبی ﷺ وابوبکر و بلال.**

(اخرج الطبرانی فی الکبیر باسنادین احدھما رجاله ثقات عن جبیر بن نفیر. المستدرک، ص ۳۴۱، ۳۴۲، ج ۳)

''حضرت ابوذر غفاری ؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں چوتھا مسلمان ہوں اور مجھ سے پہلے حضور ﷺ، ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنہما ایمان والے تھے''۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

**الجنة تشتاق الی ثلاثة علی و عمار و احسبه قال و ابوذر.**

(اخرج الترمذی والبزار باسناد حسن۔ مجمع الزوائد ص ۳۳۹، ج ۹۔ وذکر الترمذی رواہ بغیر ذکر ابی ذر و ھو عندہ ص ۱۰-۲۹۸)

جنت تین افراد کی مشتاق ہے ایک علی المرتضی دوسرے عمار بن یاسر اور راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے حضور علیہ السلام نے تیسرا نام ابوذر کا لیا۔

ابوالاسود الدؤلی (علم نحو کے امام) فرماتے ہیں **رایت اصحاب محمد ﷺ فما رایت لابی ذر شبیھا.** (اخرج عبداللہ بن احمد فی زوائد المسند)

میں نے حضور علیہ السلام کے صحابہ کو دیکھا لیکن ابوذر کی طرح کسی کو نہ دیکھا۔

حضرت ابوذر ؓ فرماتے ہیں قیامت کے دن میں حضور علیہ السلام کے سب سے زیادہ قریب ہوں گا کیونکہ **سمعت رسول ﷺ ان اقربکم منی یوم القیمة من خرج من الدنیا کھیئة یوم ترکته.**

میں نے حضور علیہ السلام سے سنا کہ آپ نے فرمایا:

''قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے نزدیک وہ ہوگا جو اسی حالت میں رہے جس حالت میں نے اس کو چھوڑا۔ **واللہ ما منکم من احد الا وقد تشبث منھا بشیٔ غیری.** حضرت ابوذر اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے تھے تم

Scanned with CamScanner

سب بدل گئے ہو ایک میں ہی ہوں جو نہیں بدلا۔

دنیا نے اپنے آپ کو بدلا گھڑی گھڑی
اک اہل عشق ہیں جہاں تھے وہیں رہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام نے حضرت ابوذر کے لیے دعا کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا۔

یرحم اللہ اباذر یمشی وحدہ ویموت وحدہ ویبعث وحدہ. (اخرج الحاکم فی المستدرک وابن عساکر) ابوذر پر اللہ رحم فرمائے یہ چلتا ہے تو اکیلا، فوت ہوگا تو تنہا ہوگا اور قیامت کو اُٹھے گا تو بھی شان یکتائی سے۔ (در السحابہ فی مناقب القرابہ والصحابہ)

--------✿--------



نمبر ۴:

# حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

## نام ونسب:

اسلام قبول کرنے سے پہلے آپ کا نام راجح قول کے مطابق عبد شمس تھا اور قبول اسلام کے بعد حضور علیہ السلام نے آپ کا نام عبدالرحمٰن، عمیر یا عبداللہ رکھا۔ جبکہ آپ کی اپنی کنیت ''ابو ہریرہ'' سے ہی مشہور و معروف ہے۔ (جس کی وجہ آگے آتی ہے)

آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے عبدالرحمٰن (ابو ہریرہ) بن عامر بن عبد ذی الشریٰ بن طریف بن غیاث بن ھنیہ بن سعد ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس۔

(طبقات ابن سعد صفحہ ۵۲، جلد ۲)

اسد الغابہ میں چند ناموں کے فرق سے آپ کا سلسلہ نسب یہی بیان ہوا۔ آپ کی والدہ کا نام امیمہ یا میمونہ بنت صبیح بن حارث تھا، اول (امیمہ) کے بارے میں خود آپ سے ہی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے آپ کو کسی علاقے کا حاکم بنانا چاہا تو آپ نے انکار کر دیا حضرت عمر نے فرمایا: آپ امارت کو ناپسند کیوں کرتے ہیں جبکہ یوسف علیہ السلام نے اسکی خود خواہش کی؟ (اجعلنی علی خزائن الارض) حضرت ابو ہریرہ نے کہا: یوسف علیہ السلام تو نبی ابن نبی تھے جبکہ میں امیمہ کا بیٹا ابو ہریرہ ہوں۔ اور باقی رہا یہ معاملہ کہ میں امیر کیوں نہیں بننا چاہتا تو اسکی وجہ پانچ باتیں ہیں۔

۱۔ میں علم کے سوا کوئی بات نہیں کہنا چاہتا۔
۲۔ عقل کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔
۳۔ مجھے ڈر ہے کہ مجھے مارا جائے گا۔
۴۔ مجھے خطرہ ہے کہ مجھ سے مال چھینا جائے گا۔

Scanned with CamScanner

۵۔ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ مجھے برا بھلا کہیں گے۔ (طبقات صفحہ ۱۶، جلد ۲)

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں حاکم اس لیے نہیں بننا چاہتا ہوں کہ میں دو اور تین سے ڈرتا ہوں، حضرت عمر نے فرمایا: دو اور تین کہنے کی بجائے پانچ ہی کہہ دیا ہوتا۔ عرض کیا: دو یہ ہیں کہ لاعلمی کی بنا پر کوئی بات کر دوں یا بغیر سوچ و بچار کے کوئی فیصلہ کر دوں اور تین یہ ہیں کہ میری پیٹھ پہ کوڑے مارے جائیں، میرا مال ضبط کر لیا جائے یا مجھے رسوا کیا جائے۔ (صفحہ ۱۱۱، جلد ۸)

تاہم آپ کا انکار عہد فاروقی میں دوسری مرتبہ بحرین کی امارت پر تھا کیونکہ اس سے پہلے آپ تقریباً ایک سال بحرین کے حاکم رہے۔ آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ ''ازد'' کی شاخ ''دوس'' قبیلے سے تھا جو یمن کے ایک گوشے میں آباد تھا یا ''تبالہ'' کے قرب و جوار میں انکی رہائش تھی کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ ''ذوالخلصہ'' دوس قبیلے کا بت تھا جو بروایت مسند احمد تبالہ میں نصب تھا۔

تبالہ مکہ سے طائف جانے والے راستہ پر ایک بستی کا نام ہے جو طائف کے جنوب میں پڑتی ہے اس روایت کے مطابق یہ قبیلہ یمن کی بجائے حدود حجاز میں پڑتا ہے حالانکہ جمہور مؤرخین کے مطابق یہ قبیلہ یمن کے ایک گوشے میں آباد تھا۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے دوس نام کا کوئی اور قبیلہ ذوالخلصہ بت کو پوجتا ہو اور ابو ہریرہ کا جس دوس قبیلے سے تعلق ہے وہ اور ہو (واللہ اعلم)

## آپ کی کنیت:

آپ کی کنیت بالاتفاق ''ابو ہریرہ'' یعنی بلی والا ہے اور اسکی وجہ تسمیہ کے بارے میں روایات مختلف ہیں ایک روایت کے مطابق جب آپ سے آپ کی کنیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا، میں نے ایک بلی پال رکھی تھی اور فارغ وقت میں اس سے کھیلا کرتا لوگوں نے بلی سے میرا غیر معمولی لگاؤ دیکھ کر مجھے ابو ہریرہ



کہنا شروع کر دیا۔ (ترمذی مناقب ابو ہریرہ)

دوسری روایت میں ہے کہ مجھے جنگل سے بلی کا بچہ ملا جو میں اٹھا کر گھر لے آیا تو میرے والد نے مجھے بلی والا کہا جس سے میں ابو ہریرہ مشہور ہو گیا۔ (مستدرک حاکم)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی آپ کو ابو ہریرہ کہا جاتا تھا اور حضور علیہ السلام نے بھی آپ کی یہ کنیت برقرار رکھی۔ اگرچہ آپکو ابو ہریرہ یعنی بلی والا کہلانے سے زیادہ ''ابو ہر یعنی بلے والا'' کہلانا زیادہ پسند تھا کہ مذکر مونث سے افضل ہوتا ہے تاہم زبان خلق پر ابو ہریرہ ہی مشہور ہو گیا۔

آپ کی پیدائش ہجرت نبوی سے تقریباً چوبیس سال پہلے ہوئی۔ اپنے وطن میں ہی پلے، بڑھے اور تیس سال کا عرصہ بھی وہیں پر گزارا، والد بچپن میں ہی فوت ہو گئے والدہ نے ہی غربت کے عالم میں تربیت کی۔ بچپن میں بکریاں چرایا کرتے تھے، صبح جاتے شام کو واپس آتے، اسی زمانے میں لکھنے پڑھنے اور شعر کہنے میں کچھ واقفیت حاصل کر لی ۶ھ کے اواخر میں اپنے قبیلے کے ہمراہ مدینہ شریف آئے۔

## حضرت ابو ہریرہ کے مسلمان ہونے کا سبب کون خوش نصیب بنا:

حضرت ابو ہریرہ کے علاوہ دوس قبیلہ کے کچھ دیگر افراد بھی مسلمان ہوئے جن میں سے حضرت معیقب بن ابی فاطمہ الدوسی، حضرت ام شریک دوسیہ اور حضرت طفیل بن عمرو دوسی کا قبول اسلام بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے چنانچہ آخر الذکر کے ایمان لانے کا واقعہ مؤرخین کے علاوہ ابن اسحاق اور ابن سعد نے بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے بیان پیش کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ ؓ بھی انہی کی تبلیغ سے اسلام کی دھلیز تک پہنچے۔

بعثت کے پہلے تین سالوں میں رحمت عالم ﷺ نہایت راز داری کے ساتھ فریضۂ تبلیغ ادا فرماتے رہے۔ جب چوتھے سال کے آغاز ہی میں ''فَاصْدَعْ بِمَا

Scanned with CamScanner

تُؤمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ.“ (تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو علانیہ بیان کرو اور مشرکوں کی طرف سے منہ پھیر لو) کا فرمان الٰہی نازل ہوا تو آپ ﷺ نے دعوت حق کو آشکار کر دیا۔ اور شرک و جہل کی مذمت علانیہ فرمانے لگے۔ اس سے مشرکین قریش کے غیظ و غضب کا آتش فشاں ل پوری قوت سے پھٹ پڑا۔ وہی لوگ جو سالہا سال سے آپ کے خلق عظیم، دیانت، امانت، صدق شعاری اور طہارت نفس کے مداح تھے اب آپ ﷺ کے خون کے پیاسے اور درپے آزار ہو گئے۔ کوئی ایذاء اور کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو انہوں نے محسن انسانیت اور آپ ﷺ کی دعوت قبول کرنے والوں کو نہ پہنچائی ہو۔ لیکن اپنی تمام جفا کاریوں اور ستم رانیوں کے باوجود جب انہوں نے دیکھا کہ اہل حق کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے تو ان بدبختوں نے رحمتِ کونین ﷺ کو ساحر کہنا شروع کر دیا۔ وہ دل میں خوب سمجھتے تھے کہ ان کی یہ بات محض افترا ہے لیکن ناواقف اور اجنبی لوگ ان کی باتوں پر یقین کر لیتے تھے اور اس طرح قبول حق کی سعادت سے محروم رہ جاتے تھے۔ اس زمانے میں مشرکین مکے نے ایک دن سنا کہ دوس کے رئیس طفیل بن عمرو (بن طریف بن عاص بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن دوس) مکہ آ رہے ہیں طفیل اس سے پہلے بھی مکہ آتے جاتے رہتے تھے لیکن اب کی بار اُن کی آمد کی خبر نے مشرکین مکہ کو ایک عجیب خلجان میں مبتلا کر دیا۔

دوس عرب کا ایک طاقتور قبیلہ تھا جو یمن کے ایک گوشے میں ایک پہاڑ کے دامن میں آباد تھا۔ یہ لوگ یوں بھی بڑے جوانمرد اور آسودہ حال تھے اور پھر انہوں نے اپنی آبادی کے گرد ایک مستحکم حصار بھی تعمیر کر رکھا تھا جس کی وجہ سے نواحی علاقوں پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ طفیل بن عمرو دوسی ایک خوش گو شاعر اور صاحب حیثیت آدمی تھے اس کے ساتھ ہی وہ حسن بصیرت اور اصابت رائے سے بھی بہرہ ور تھے۔ انھی اوصاف کی بدولت قبیلہ دوس میں ان کی بڑی عزت و توقیر تھی۔ مشرکین قریش نے جب ان کے عزم مکہ کی خبر سنی تو انہیں خدشہ پیدا ہوا کہ یہ شخص جو اپنے قبیلے میں بڑے



اثر و اختیار کا مالک ہے کہیں ہادیٔ برحق ﷺ کی دعوت سے متاثر نہ ہو جائے۔ اس کا تدراک سوچنے کے لیے وہ سر جوڑ کر بیٹھے اور یہ طے کیا کہ طفیل کا پرتپاک خیر مقدم کیا جائے۔ اور اس کی خاطر مدارت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے اس کے ساتھ ساتھ اس کو سرور عالم ﷺ کے خلاف اتنا بہکایا جائے کہ وہ آپ ﷺ سے سخت متنفر ہو جائے اور آپ ﷺ کی کسی بات پر کان نہ دھرے۔

طفیل جونہی مکہ میں وارد ہوئے، مشرکین نے اپنے منصوبے کے مطابق انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور پھر سرور عالم ﷺ کیخلاف ان کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ خود طفیل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ قریش کا جو آدمی مجھے ملتا تھا وہ مجھے یہی باور کرانے کی کوشش کرتا کہ ”تم ہمارے معزز مہمان ہو اور یہاں کے مقامی حالات سے ناواقف ہو، ہم ازراہ خیر خواہی تمہیں بتا دیتے ہیں کہ ہمارے قبیلہ کے ایک شخص محمد ﷺ بن عبداللہ نے کچھ عرصہ سے ہمیں ضغطے میں ڈال رکھا ہے اس نے ہماری جمعیت پراگندہ کر دی ہے اور ہمارے سب کام ابتر کر دیئے ہیں۔ اس کی باتیں جادو کا حکم رکھتی ہیں، وہ اپنی طلاقت لسانی سے میاں بیوی، باپ، بیٹے اور بھائی بھائی میں تفرقہ ڈال دیتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں تم اس کے دام میں نہ پھنس جاؤ۔ پس ہمارا یہ دوستانہ مشورہ ہے کہ نہ اس سے بات کرو اور نہ اس سے کچھ سنو“۔ قریش کی باتوں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایسا نافر اور وحشت زدہ کیا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تا کہ اگر اتفاقاً کہیں آپ ﷺ سے ملاقات ہو جائے تو دہانِ نبوت سے نکلی ہوئی کوئی بات میرے کانوں میں نہ پڑ جائے۔ قدرت کے کھیل بھی نیارے ہیں۔

تقدیرِ کند بندہ تقدیر زند خندہ

دوسرے دن طفیل علی الصبح حرم کعبہ میں گئے تو دیکھا کہ رحمت عالم ﷺ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے ہیں۔ معلوم نہیں کہ وہ اس دن کانوں میں پنبہ رکھنا بھول گئے تھے یا پنبہ کانوں سے نکل گیا تھا کہ جو آیات حضور ﷺ تلاوت فرما رہے تھے وہ انہوں نے سن

لیں۔ کلام ہو خالق ارض سما کا جاری ہو زبان رسالت ﷺ پر...... طفیل جیسے سلیم الطبع شخص متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے تھے، انھیں یوں محسوس ہوا کہ قلب وجگر میں ٹھنڈک پڑ گئی ہے۔ دل میں سوچا کہ ''اے طفیل تو کیسا احمق ہے کہ قریش کے جھانسے میں آ گیا۔ کیا تو خود صاحب عقل وشعور نہیں ہے، خدا نے تجھے شعر وشاعری کی صلاحیت بخشی ہے اور کسی کلام کے محاسن وعیوب کو بخوبی پرکھ سکتا ہے، پھر کونسی ایسی الجھن ہے جس کا فیصلہ تو نہ کر سکے، ان صاحب سے مل کر معلوم تو کر کہ وہ کیا کہتے ہیں، اگر ان کی بات قابل قبول ہو تو تمہیں مان لینی چاہیے ورنہ کوئی زبردستی تو ہے نہیں۔''

سرورِ عالم ﷺ جب نماز سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے چلے تو طفیل بھی پیچھے پیچھے ہو لیے۔ جب آپ ﷺ کاشانۂ اقدس پر پہنچے تو طفیل معاً سامنے آ گئے اور یوں عرض پیرا ہوئے:

''اے صاحب! آپ کی قوم نے مجھ سے آپ کی ذات اور آپ کی دعوت کے بارے میں یہ یہ باتیں کیں۔ ان سے متاثر ہو کر میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تا کہ آپ کی آواز سن نہ سکوں، لیکن ابھی حرم میں خدا نے مجھے آپ کی آواز سنا دی۔ آپ جو کچھ پڑھ رہے تھے وہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ ذرا تفصیل سے مجھے بتائیں کہ آپ کیا کہتے ہیں''۔

سرورِ عالم ﷺ نے اُس کے سامنے اسلام کے محاسن بیان فرمائے اور پھر قرآن حکیم کا کچھ حصہ سنایا۔ ابو الفرج اصفہانی نے ابن کلبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''اس موقع پر حضور ﷺ نے سورۂ اخلاص اور معوذتین کی تلاوت فرمائی۔''

اصنافِ سخن سے بالاتر یہ شیریں کلام سن کر طفیل پر وجد طاری ہو گیا اور ان کے دل نے گواہی دی کہ یہ انسانی کلام نہیں۔ بے اختیار پکار اٹھے:

''خدا کی قسم! میں نے آج تک نہ اس سے بہتر کلام سنا اور نہ آپ کی باتوں سے بڑھ کر کوئی پر حکمت مبنی بر انصاف بات کبھی سنی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے



رسول ہیں اور آپ کی دعوت مجھے دل وجان سے قبول ہے۔

یوں حضرت طفیل آناً فاناً نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو گئے اور وہ ساری تدبیریں جو مشرکین قریش نے ان کو سعادتِ ایمان سے محروم رکھنے کے لیے کی تھیں، دھری کی دھری رہ گئیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

طفیل مکہ سے چلنے لگے تو سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنی قوم کا سردار ہوں اور وہ مجھے بہت مانتی ہے اگر آپ اجازت دیں تو وطن جا کر اس کو دعوت اسلام دوں۔''

''حضور ﷺ نے فرمایا: ''ہاں تم اپنے اہل قبیلہ کو حق کی طرف بلا سکتے ہو۔''

انہوں نے پھر عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے کوئی ایسی نشانی عطا فرما دے کہ دعوت کا کام میرے لیے آسان ہو جائے۔''

حضور ﷺ نے دعا فرمائی: ''الٰہی! اس کو کوئی نشانی عطا فرما۔''

محبوب کبریا ﷺ کی دعا لے کر طفیل رضی اللہ عنہ اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ طویل سفر کے بعد جس دم اپنی بستی کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور ساری وادی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ راستہ دو پہاڑوں کے درمیان سے ہوتا ہوا بلندی سے نشیب کی طرف دوس کی آبادی سے ملتا تھا۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ناہموار پہاڑی راستے پر اونٹ کو نیچے کی طرف لے جانا بڑا کٹھن کام تھا۔ اس وقت ایک عجیب واقعہ رونما ہوا، طفیل نے جونہی نیچے کا رُخ کیا ان کا چہرہ ماہ تاباں کی طرح روشن ہو گیا اور اس میں سے پھوٹ پھوٹ کر نکلنے والی روشنی نے اردگرد کی فضا کو منور کر دیا۔

صاحب استیعاب حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ طفیل اس وقت اپنے قبیلے کے ایک ایک گھر کو دیکھ رہے تھے۔ یہ رحمت عالم ﷺ کی دعا کا اثر تھا۔ معلوم نہیں اس

وقت طفیل کے دل میں کیا خیال آیا کہ انہوں نے بڑی تضرع سے دست برائے دعا اٹھائے اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا:

''بارالہا! چہرے پر نہیں کسی اور جگہ پر اس نشانی کو منتقل فرما دے۔''

ابھی یہ الفاظ ان کے منہ میں ہی تھے کہ روشنی اس کوڑے میں منتقل ہو گئی جو ان کے ہاتھ میں تھا۔ اب راستہ اترتے وقت کوڑا مشعل کا کام دے رہا تھا۔ یہی وہ نشانی تھی جس کی وجہ سے وہ تاریخ میں ''ذوالنور'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔

تھکے ماندے گھر پہنچے تو کسی سے بات چیت کیے بغیر فوراً سو گئے۔ صبح ہوئی تو ان کے ضعیف العمر والد ملنے کے لیے آئے۔ طفیل ؓ ان سے مخاطب ہو کر بولے:

''ابا! مجھ سے پرے رہیے میرا اب آپ سے کوئی تعلق نہیں؟

هذا فراق بيني وبينك''.

باپ نے حیران ہو کر پوچھا: ''کیوں جان پدر کیا ہوا؟''

جواب دیا: ''اسلمت وتابعت دين محمد ﷺ''

(میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اور محمد ﷺ کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے)

باپ بھی سعید الفطرت تھے انہوں نے کوئی تلخ جواب دینے کی بجائے فوراً کہا ''فديني دينك''. (جو تمہارا دین وہی میرا دین)

طفیل کا چہرہ فرطِ مسرت سے گلنار ہو گیا، بولے: ''اچھا تو آپ غسل کر کے پاک کپڑے پہنیے اور پھر میرے پاس آیئے۔''

جب وہ غسل کر کے اور کپڑے بدل کر دوبارہ بیٹے کے پاس آئے تو طفیل نے ان کو اسلام کی تلقین کی اور مکہ میں اپنے قیام اور حضور ﷺ سے اپنی ملاقات کی روئیداد بیان کی۔ وہ پہلے ہی بیٹے کا ساتھ دینے کا اقرار کر چکے تھے اب بلا تامل کلمہ شہادت پڑھ لیا اور دین حق کے علمبرداروں میں شامل ہو گئے۔ اس کے بعد بیوی کی باری آئی۔ طفیل نے ان سے بھی وہی بات کہی جو اپنے والد سے کہی تھی۔ انہوں نے



کہا۔ ''قربان جاؤں آخر مجھ سے کونسا قصور سرزد ہوا ہے کہ تم مجھ سے منہ موڑ رہے ہو۔''

انہوں نے کہا: ''اسلام نے میرے اور تمہارے درمیان افتراق کی خلیج حائل کر دی ہے۔ میں مسلمان اور تم مشرک، میرا تمہارا نباہ کیسے ہو سکتا ہے''۔

بیوی بھی سعادت مند تھیں۔ فوراً کہا ''میں بھی تمہارا دین اختیار کرتی ہوں، لیکن ذرا مجھے یہ تو بتاؤ کہ یہ ہے کیا۔''

طفیل بولے: ''پہلے معبد ذوالشریٰ (قبیلہ دوس کے بت کا نام) میں جاؤ اس کے چشمے میں غسل کرو اور پاک کپڑے پہن کر میرے پاس آؤ۔'' قبیلے کی روایات کے مطابق اس معبد میں داخل ہونا اپنی تباہی کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ خاوند کی انوکھی بات سن کر بیوی ڈر گئیں اور کہنے لگیں۔ ''میں نے تمہارے کہنے پر عمل کیا تو کہیں ذوالشریٰ ہمیں اور ہمارے بچوں کو اپنے قہر و غضب کا نشانہ نہ بنا لے۔''

طفیل نے خشم آلود لہجے میں کہا: ''بھلا بُت بھی کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ انہیں تو اپنی ہستی تک کا کوئی علم نہیں، جاؤ تم بے کھٹکے غسل کرو۔ نتیجہ کا ذمہ دار میں ہوں۔''

وہ گئیں اور غسل کر کے آ گئیں۔ اب طفیل نے ان کو تفصیل کے ساتھ اسلام کی تلقین کی اور وہ بھی حلقہ بگوشان اسلام میں داخل ہو گئیں۔ ایک روایت کے مطابق طفیل کی والدہ نے بھی اسی طرح دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی۔

اب حضرت طفیل نے اپنے قبیلے کو حق کی طرف بلانا شروع کیا۔ لیکن ان کی مسلسل کوششوں کے باوجود اہل دوس ان کی دعوت قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ ابن کلبی کا بیان ہے کہ ان کی شبانہ روز مساعی کے نتیجے میں دوس کا صرف ایک آدمی مسلمان ہوا۔ انہوں نے نام کی تصریح نہیں کی۔ لیکن بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسلام لانے والے یہ صاحب حضرت ابو ہریرہ تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ قبیلہ دوس میں زنا کی کثرت تھی۔ چونکہ اسلام زنا کو نہایت سختی سے حرام ٹھہراتا ہے۔ اس لیے یہ لوگ اسلام کی طرف راغب نہیں ہوتے

تھے کئی ماہ کی جاں گسل مساعی کے باوجود جب کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تو حضرت طفیل سخت دل شکستہ ہوئے اور مکہ جاکر رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

''یارسول اللہ میری قوم بڑی نا ہنجار ہے۔ میں سارے جتن کر چکا ہوں لیکن وہ قبول حق پر آمادہ نہیں ہوئی۔ آپ اس کی ہدایت کے لیے دعا فرمایئے۔'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ طفیل نے حضور سے دوس کے لیے دعا کی درخواست کی۔

حضور خیر الخلائق نے طفیل کی باتیں سن کر ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی اللھم اھد دوساً (الٰہی دوس کو ہدایت دے) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اس موقع پر یہ الفاظ بھی ارشاد فرمائے۔ ''اور ان پر رحمت برسا۔''

پھر آپ نے طفیل سے فرمایا: ''جاؤ اور اپنے قبیلے کو نرمی اور محبت کے ساتھ پھر حق کی دعوت دو''۔

اب جو طفیل اپنے قبیلے میں واپس گئے اور تبلیغ شروع کی تو لوگوں نے ان کی باتیں بڑے دھیان سے سنیں۔ رفتہ رفتہ وہ فواحش و منکرات سے متنفر ہو کر اسلام کی طرف راغب ہونے لگے اور پھر ہادیٔ اکرم ﷺ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے میں دوس کے متعدد گھرانے اس سعادت سے شرف یاب ہو گئے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ جس زمانے میں دوسی اسلام کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ یاب ہو رہے تھے، مکہ میں اہل حق پر کفار کی چیرہ دستیوں نے شدت اختیار کر لی تھی۔ ابتلاء کے اسی دور میں حضرت طفیل مکہ آئے اور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ ہمارے قبیلہ میں تشریف لے آیئے، دوس کا بچہ بچہ کٹ مرے گا لیکن آپ پر کوئی آنچ نہیں آنے دے گا۔ حضور ﷺ نے حضرت طفیل کے جذبہ اخلاص کی تعریف فرمائی، لیکن بعض امور کے پیش نظر آپ نے اس وقت مکہ چھوڑنا پسند نہ فرمایا۔ فی الحقیقت منشائے ایزدی یہی تھا کیونکہ آپ کی میزبانی کا شرف اللہ تعالیٰ نے انصار کے مقدر میں لکھ رکھا تھا۔ حضور کا جواب سن کر طفیل اپنے قبیلے میں واپس تشریف لے گئے اور پہلے کی



طرح ہمہ تن تبلیغ واصلاح میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ کئی سال گزر گئے۔

اس دوران میں حضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے اور بدر، احد اور خندق کے معرکے بھی گزر گئے۔

شاید والدین کی خدمت کا خیال تھا یا کوئی اور سبب کہ طفیل ؓ ۷ھ سے پہلے مدینہ نہ جا سکے۔ اس سال سرور عالم ﷺ غزوۂ خیبر کے لئے تشریف لے گئے تو طفیل دوس کے ستر اسی گھرانوں کو ساتھ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ساتھیوں سمیت بڑے ذوق وشوق سے غزوہ میں شریک ہو گئے۔ علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت طفیل کی خواہش پر حضور ﷺ نے دوسی مجاہدین کو خیبر پر یلغار کرنے والی فوج کے میمنہ پر مقرر فرمایا۔ طفیل ؓ اور ان کے ساتھی فتح مکہ تک حضور ﷺ کے ساتھ رہے حضرت طفیل کا بیان ہے کہ ''اس عرصے میں رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں پر بڑی نوازشیں فرمائیں''۔

فتح مکہ کے بعد وہ سرور عالم ﷺ سے اجازت لیکر اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے اور تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔ فتح مکہ نے سارے اہل عرب کو اسلام کی طرف مائل کر دیا تھا۔ اب کی بار چند دن کے اندر اندر چار سو آدمیوں نے حضرت طفیل ؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ طفیل ان سب کو لے کر غزوۂ طائف کے موقع پر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لڑائی میں سرگرم حصہ لیا۔ اس کے بعد وہ حضور ﷺ کے وصال تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے اور فیضان رسالت سے مقدور بھر بہرہ یاب ہوئے۔

علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں لکھا ہے کہ فتح مکہ کے بعد حضرت طفیل ؓ نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ان کے قبیلے میں ابھی تک ایک بت خانہ موجود ہے جس میں ذوالکفین کا ایک بت نصب ہے۔ دوس کے جو لوگ سعادت ایمان سے محروم ہیں وہ بڑے ذوق وشوق سے اس کی پرستش کرتے ہیں اگر حضور ﷺ اجازت دیں تو اس بت کو مسمار کر دوں۔

Scanned with CamScanner

حضور ﷺ نے فرمایا: "ہاں اس کو برباد کردو۔"

چنانچہ حضرت طفیل ؓ اپنے قبیلے کے چند مسلمانوں کو ساتھ لے گئے اور بت خانے کو منہدم کر کے بت کو آگ لگا دی اس وقت وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

یا ذالکفین لست من عبادکا
میلادنا اقدم من میلادکا
انی حششت النار فی فوادکا

(اے ذوالکفین میں تیری پرستش کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، میری پیدائش تیری پیدائش سے پہلے کی ہے۔ میں نے تیرے دل میں آگ بھر دی ہے)

غزوۂ طائف کے موقع پر انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ذوالکفین کی بربادی کا حال سنایا تو آپ بہت مسرور ہوئے۔

سرور عالم ﷺ کی رحلت کے بعد عرب میں فتنہ ارتداد کے شعلے بھڑکے تو حضرت طفیل نے کمال استقامت اور عزیمت کا مظاہرہ کیا اور اس فتنہ کے استیصال میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ جب مسلیمہ کذاب کے خلاف مہم بھیجی گئی تو وہ اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور جنگ یمامہ میں مردانہ وار لڑ کر اپنی جان راہ حق میں قربان کردی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (حضرت طفیل ؓ کی زندگی کے مزید حالات کُتبِ سیر میں نہیں ملتے۔ اولاد میں صرف بیٹے عمر ؓ کا پتہ چلتا ہے۔ وہ بھی مرتدین کی سرکوبی میں بڑے سرگرم رہے۔ جب فتنہ ارتداد کا خاتمہ ہو گیا تو شام جانے والے مجاہدین میں شامل ہو گئے اور جنگ یرموک میں داد شجاعت دیتے ہوئے رتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ (شمع رسالت کے تیس پروانے از طالب الہاشمی)

## حضرت ابو ہریرہ ؓ کا قبول اسلام:

حضرت ابو ہریرہ ؓ ہجرت سے پہلے اپنے وطن میں ہی حضرت طفیل ؓ کی تبلیغ



سے شرف با سلام ہوئے۔ جمہور علماء سیر کا یہی خیال ہے۔ جبکہ بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت طفیل ؓ مسلمان ہو کر مکہ سے واپس آئے اور دعوتِ توحید کا آغاز کیا تو پہلی دفعہ ان کے گھر والوں کے علاوہ دوس قبیلے کے صرف ایک شخص نے اسلام قبول کیا اور حافظ ابن حجر نے وضاحت کے ساتھ لکھا کہ وہ شخص ابو ہریرہ ہی تھے۔

(الاصابہ، صفحہ ۲۲۶، جلد ۲)

جبکہ بعض دیگر روایات میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت طفیل مکہ سے دوسری مرتبہ واپس آئے اور اپنے قبیلے میں تبلیغ کا آغاز کیا تو اس وقت حضرت ابو ہریرہ مسلمان ہوئے۔ بہر حال یہ زمانہ ہجرت سے پہلے کا قرار پائے گا۔

بعثت نبوی کے وقت حضرت ابو ہریرہ کی عمر بارہ سال تھی، قیاس یہی ہے کہ اسلام قبول کرنے کے وقت تک وہ بالغ ہو چکے تھے کیونکہ غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ نے ہجرت کی اور حضور علیہ السلام کی زیارت اور بیعت سے مشرف ہوئے، جن روایات میں یہ آتا ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر (محرم ۷ھ یا صلح حدیبیہ کے موقع پر (۶ھ) اور غزوہ خیبر کے درمیانی حصہ میں آپ نے اسلام قبول کیا۔ ان روایات کو معتبر نہیں مانا گیا۔

## مدینہ شریف آمد:

حضرت ابو ہریرہ ؓ خود بیان فرماتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام خیبر کو تشریف لے گئے تو میں مدینہ شریف آیا، فجر کی نماز سباع بن عرفطہ ؓ کی اقتداء میں ادا کی جن کو حضور علیہ السلام اپنا نائب بنا کر گئے تھے، انہوں نے پہلی رکعت میں سورۂ مریم اور دوسری میں سورۂ مطففین کی تلاوت کی۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ ازد کے فلاں شخص کے لیے ہلاکت ہو اس نے لینے کا پیمانہ بڑا اور دینے کا چھوٹا رکھا ہوا ہے۔ (ویل للمطففین. یعنی کم تولنے والوں کے لیے ہلاکت ہے)

(البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۰۲، جلد ۸)

چنانچہ بجائے مدینہ شریف میں رہ کر انتظار کرنے کے حضرت ابو ہریرہ ؓ عازم خیبر ہو گئے۔ روایات میں ہے کہ مدینہ سے خیبر حضرت ابو ہریرہ ؓ بڑے ذوق و شوق سے یہ شعر پڑھتے گئے:

**یا لیلۃ من طولھا و عنا ئھا**

**علی انھا من دارۃ الکفر نجت**

ہائے رات کی لمبائی اور مشقت تو بہت بُری ہے لیکن (الحمدللہ) کہ مجھے دار الکفر سے چھٹکارا مل گیا۔

دوران سفر حضرت ابو ہریرہ کا غلام کہیں گم ہو گیا لیکن جب خیبر پہنچے اور حضور علیہ السلام کی بیعت و زیارت سے مشرف ہوئے تو ان کا غلام بھی وہاں پہنچ گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ابو ہریرہ: تمہارا غلام مل گیا ہے؟ عرض کیا میں اسے اللہ کی راہ میں آزاد کرتا ہوں۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ ؓ کو غزوۂ خیبر میں شرکت کی سعادت بھی نصیب ہو گئی۔ اگر چہ لڑائی کے آخری مراحل میں کیونکہ آپ کی آمد سے پہلے ''قلعۂ نطاۃ'' فتح ہو چکا تھا اور الکتیبہ کا محاصرہ جاری تھا چنانچہ دو تین دن کے اندر یہودیوں کے تمام قلعے فتح ہو گئے۔ صحیح بخاری (صفحہ ۶۰۴، جلد ۲) پر امام زہری نے حضرت سعد بن مسیب سے روایت کی ہے۔ ان اباھریرۃ قال شھدنا خیبر. حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا: ہم خیبر میں حاضر تھے۔

خیبر کا مالِ غنیمت چونکہ صرف بیت الرضوان والوں کے لیے مخصوص تھا اس لیے دوس قبیلہ والوں کو مال غنیمت سے حصہ نہ مل سکا جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے خیال ظاہر کیا کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ خیبر میں شامل نہ ہوئے۔ ثابت ہوا کہ یہ خیال درست نہیں ہے۔ جبکہ صحیح بخاری میں ایک اور روایت بھی حضرت ابو ہریرہ ؓ ہی سے ہے۔

**فتحنا خیبر فلم نغم ذھبا ولا فضۃ انما غنمنا البقر و الابل و المتاع**



**والحوائط.**

ہم نے خیبر کو فتح کیا تو ہمیں سونا چاندی تو نہ ملا اس کے علاوہ گائے، اونٹ اور دوسرا تمام سامان ملا۔ (صفحہ ۶۰۸، جلد ۲)

خیبر سے واپسی پر حضرت ابو ہریرہ ؓ نے مستقل طور پر مدینہ شریف میں سکونت اختیار کر لی۔ اور اصحاب صفہ کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئے، کل تین امور انکی زندگی کا مقصد بن گئے! النظر علی وجہ رسول اللہ. حضور علیہ السلام کے جمال جہاں آرا سے اپنی روح کو تسکین پہنچانا۔ (مسند احمد)

(۲) حضور ﷺ کی خدمت و صحبت میں رہنا۔ (۳) نبوت و رسالت کے سر چشمۂ علم و معرفت سے زیادہ سے زیادہ خود بھی سیراب ہونا اور امت کو بھی یہ فیضان منتقل کرنا چنانچہ انہی مقاصد کی تکمیل کی خاطر نہ تو آپ نے عہد رسالت میں شادی کرائی اور نہ ہی باقاعدہ کوئی پیشہ اختیار فرمایا بلکہ ایک درویش طالبِ علم کی حیثیت سے فقر و فاقہ کی زندگی اختیار فرمائی۔ جیسا کہ اصحاب صفّہ کے کچھ حالات حضرت ابوذر غفاری کے باب میں گزر چکے ہیں اور چند واقعات مندرجہ ذیل ہیں۔

## غربت وافلاس کا عالم:

حضور ﷺ ان راہ حق کے درویشوں سے بہت پیار فرماتے اور ہر معاملہ میں ان کا خیال رکھتے اور صاحبان ثروت اصحاب کو ان کی دعوت کرنے کی ترغیب دیتے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب بھی اکثر اصحاب صفہ کو مدعو کرتے رہتے اور اتنی کثرت کے ساتھ کہ ان کو حضور ﷺ نے ابوالمساکین کا لقب عطا فرما دیا۔ اسی طرح دوسرے صحابہ کرام خصوصاً انصار بھی اصحاب صفّہ کی دل کھول کر مدد کرتے۔ انصار اپنے باغوں سے کھجوروں کے خوشے لاتے اور مسجد نبوی میں لٹکا دیتے تا کہ اصحابِ صُفّہ کھجوروں سے اپنی شکم پُری کر سکیں۔ (جامع ترمذی ابواب تفسیر القرآن)

ایک دفعہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس گھر میں دو آدمیوں کا کھانا پکتا ہو وہ اصحابِ صُفّہ میں سے تیسرے آدمی کو اور جس کے ہاں چار کا کھانا پکتا ہو وہ ان میں سے پانچویں آدمی کو ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تین آدمیوں کو ساتھ لیا لیکن آپ ﷺ دس آدمیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔

(صحیح مسلم، حلیۃ الاولیاء)

ایک مرتبہ کسی نے ایک پیالہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ ایک بڑی دیگ کے برابر تھا اور چار آدمی اس کو مل کر اٹھاتے تھے۔ جب دوپہر ہوتی تو وہ پیالہ آتا اور نبی ﷺ اصحابِ صُفّہ کو ساتھ لے کر اس کے گرد بیٹھ جاتے اور اس میں سے کھانا تناول فرماتے۔ بعض اوقات کھانے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی کہ آپ کو اکڑوں بیٹھنا پڑتا تاکہ لوگوں کے لیے جگہ نکل آئے۔ (سُنن ابی داؤد)

اگر کبھی کوئی صحابی حضور ﷺ کو کھانے کی دعوت دیتے تو آپ ﷺ اصحابِ صُفّہ کو ساتھ لے جاتے اور ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ اللہ تعالیٰ تھوڑے کھانے میں بھی برکت دیتا تھا۔

## اصحابِ صفہ کی دل جوئی اور اپنی بیٹی فاطمہ کو جواب:

حضور ﷺ کو اصحابِ صُفّہ کا کس قدر خیال تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک دفعہ آپ کی لختِ جگر سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں اور شدید محنت و شفقت نے نحیف و نزار کر دیا ہے، آپ مجھے ایک کنیز مرحمت فرمائیں۔

حضور ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی کی درخواست کے جواب میں فرمایا، بیٹی مجھے سب سے پہلے اصحابِ صُفّہ کی خورد و نوش کا انتظار کرنا ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ اصحابِ صُفّہ تو بھوکے رہیں اور میں اپنی بیٹی کے آرام کے لیے اسے کنیز دوں، بیٹی صبر و شکر سے اپنا وقت گزارو۔



اس واقعہ کو منظوم انداز میں ملاحظہ فرمائیں:

افلاس سے تھا سیّدۂ پاک کا یہ حال! — گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا!
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں — چکّی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار — گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا
اَٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے — جھاڑو کا مشغلہ بھی ہر صبح و شام تھا
آخر آ گئیں جنابِ رسولِ خدا کے پاس — یہ بھی کچھ اتفاق وہاں اذنِ عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض — واپس گئیں کہ پاسِ حیا کا مقام تھا
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضور نے — کل کس لیے تم آئی تھی کیا خاص کام تھا؟
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں — حیدرؓ نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا
ارشاد یہ ہوا کہ غریبانِ بے وطن — جن کا کہ صُفّۂ نَبَوی میں قیام تھا
میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز — ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پہ گزرتی ہیں — میں اس کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا!
کچھ تم سے بھی زیادہ مُقدّم تھا ان کا حق — جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا
خاموش ہو کے سیّدۂ پاک رہ گئیں — جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھ

(شبلی نعمانی)

اصحابِ صُفّہ میں سے ایک بزرگ حضرت طلحہ بن عمر و نضری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی باہر سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں (مدینہ مُنوّرہ) آتا، اگر اس کا مدینہ مُنوّرہ میں کوئی جاننے والا ہوتا تو وہ اس کے پاس ٹھہرتا، اگر کوئی اس کا جاننے والا نہ ہوتا تو وہ صُفّہ میں قیام کرتا۔ میں جب مدینہ مُنوّرہ آیا تو میرا کوئی جاننے والا نہ تھا اس لیے میں اہلِ صُفّہ کے پاس ٹھہرا۔ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہر روز ایک مُد (تقریباً نو چھٹانک کے برابر) کھجوریں آتی تھیں جو دو آدمیوں کے لیے ہوتی تھیں۔ ایک روز نماز کے بعد ہم میں سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی

خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! کھجوریں کھاتے کھاتے ہمارے پیٹ جل گئے اور ہماری چادریں پھٹ گئیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کی باتیں سنتے رہے۔ جب انہوں نے اپنی گفتگو ختم کی تو آپ ﷺ منبر پر تشریف لائے، اللہ کی حمد وثنا کے بعد آپ ﷺ نے ان تکلیفوں کا ذکر کیا جو آپ ﷺ کو (اور آپ ﷺ کے رفقاء کو) آپ ﷺ کی قوم کی طرف سے پہنچی تھیں۔ پھر فرمایا کہ مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر دس راتیں ایسی گزریں کہ ہمارے پاس سوائے پیلو کے درخت کے پھل کے اور کچھ نہیں تھا۔ پس ہم نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور اپنے ان انصار بھائیوں کے پاس آئے جن کا بہترین کھانا کھجور ہے۔ انہوں نے ہماری مدد کھجور سے کی (اور کھجور ہی سے ہم تمہاری مدد کرتے ہیں) خدا کی قسم! اگر مجھے روٹی اور گوشت میسر ہوتا تو تم کو ضرور کھلاتا لیکن سر دست یہ میسر نہیں ہے تاہم وہ زمانہ جلد آنے والا ہے۔ جب تم کعبے کے پردے جیسے (خوبصورت) کپڑے پہنو گے اور صبح وشام طشت سے کھاؤ گے۔

(حلیۃ الاولیاء جلد ۱ صفحہ ۳۶۱)

"مسندِ احمد" اور "مستدرک حاکم" کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اصحابِ صُفّہ کو بتایا کہ وہ زمانہ جلد آنے والا ہے، جب تم لوگ آسودگی اور خوشحالی کی زندگی بسر کرو گے تو انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! ہمارے لیے موجودہ زمانہ اچھا ہے یا آسودگی اور خوشحالی کا دور اچھا ہوگا"۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"موجودہ زمانہ ہی خیر وبرکت کا عہد ہے جس میں تم باہم انس ومحبت سے رہتے ہو"۔

رسول اکرم ﷺ اصحابِ صُفّہ کو خود بھی نہایت محبت اور شفقت سے تعلیم دیتے تھے اور دوسرے معلّموں سے بھی دلاتے تھے۔ ان معلّمین میں حضرت عبادہ بن صامت انصاری ؓ اور حضرت اُبی بن کعب انصاری ؓ کے اسمائے گرامی خاص طور پر



قابلِ ذکر ہیں۔ جن بزرگوں کو بعض دوسرے کاموں کی وجہ سے دن کے وقت تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ ملتا تھا وہ رات کو ایک استاد کے پاس جاتے تھے اور صبح تک پڑھتے تھے۔ (مسندِ احمد جلد ۳ صفحہ ۱۳۷)

اصحابِ صُفّہ جس انہماک اور ذوق وشوق سے تعلیم حاصل کرتے تھے اس کی بدولت ان کو علومِ قرآن، حدیثِ نبوی اور قرأت میں امتیازی درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ حفظِ قرآن سے بھی انہیں خاص شغف تھا اور وہ قُرّاء کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

صُفّہ کے ایک مُعلّم حضرت عبادہ بن صامت انصاری ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے صُفّہ کے بعض طالب علموں کو قرآنِ حکیم کی تعلیم دی اور لکھنا بھی سکھایا۔ ان میں سے ایک طالب علم نے مجھے ایک کمان ہدیۃً بھیجی۔ (ابوداؤد کتاب البیوع)

مُسندِ احمد بن حنبل میں یہ روایت اور انداز سے بیان کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ اصحابِ صُفّہ میں سے ایک صاحب تحصیلِ علم کے لیے حضرت عبادہ بن صامت ؓ کے گھر میں رہتے تھے اور شام کا کھانا بھی ان کے ساتھ کھاتے تھے۔ جب انہوں نے اپنے مکان پر جانے کا قصد کیا۔ (یعنی حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے رخصت ہوتے وقت) تو ایک عمدہ کمان استاد کی نذر کی۔ حضرت عبادہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ان کو یہ کمان قبول کرنے سے منع فرمایا۔ (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۲۴)

حضرت ابوسعید خُدری ؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں غریب مہاجرین (اصحابِ صُفّہ) کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا تھا اور وہ سب کپڑے نہ ہونے کی وجہ سے مل کر بیٹھے ہوئے تھے (تاکہ بدن کے ان حصوں کو چھپا سکیں جن کا چھپانا ضروری ہے) اور ایک صاحب ہم کو قرآن مجید پڑھ کر سنا رہے تھے کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لائے۔ جو صاحب قرآن مجید پڑھ کر سنا رہے تھے وہ آپ ﷺ کو تشریف لاتے دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو ادب سے سلام کیا۔ آپ ﷺ

Scanned with CamScanner

نے پوچھا: تم کیا کر رہے ہو؟ سب نے عرض کیا، ہم قرآن مجید سن رہے ہیں۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب تعریف اللہ کے لیے ہیں جس نے میری اُمّت میں ایسے لوگ پیدا کیے جن کے ساتھ مجھے صبر کرنے (معیت رکھنے) کا حکم دیا گیا ہے۔
پھر آپ ﷺ ہمارے درمیان بیٹھ گئے تا کہ آپس میں چھوٹائی اور بڑائی کا فرق باقی نہ رہے۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور سب لوگوں نے اس طرح حلقہ بنالیا کہ ہر ایک کو آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک نظر آنے لگا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے غریب مہاجرین! تم کو قیامت کے دن ایک مکمل نور کی بشارت ہو اس لیے کہ تم مال داروں سے پانچ سو برس پہلے جنّت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(مشکوٰۃ المصابیح باب فضائل القرآن بحوالہ ابوداؤد)

بلا شبہ اصحابِ صُفّہ کی زندگی درویشانہ تھی لیکن اس کو راہبانہ نہیں کہا جاسکتا۔ (یعنی یہ نہیں کہ وہ ساری دنیا سے منہ موڑ کر ایک گوشے میں بیٹھ گئے تھے) فی الحقیقت انہیں محتاجِ محض ہو کر بیٹھ رہنا گوارا نہ تھا۔ وہ لوگوں کا پانی بھرتے، جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتے اور انہیں بیچ کر جو پیسے ملتے ان کو اپنے کھانے پینے میں خرچ کرتے۔ جس دن کچھ نہ ملتا، صبر شکر کر کے پڑ رہتے۔ تحصیل علم کے ساتھ مدینہ کے قیام اور سفر و حضر میں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت و اطاعت بھی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ جب جہاد کا موقع آتا تو یہی مسکین طبع اصحاب مجاہدین اولوالعزم بن جاتے اور شمشیر بکف ہو کر راہِ حق میں اپنی جانوں کی بازی لگا دیتے۔ ۴ھ میں سانحہ بئرِ معونہ میں جو صحابۂ کرام شہید ہوئے ان میں بیشتر اصحابِ صُفّہ تھے۔

## سانحۂ بئرِ معونہ:

صفر ۴ ہجری میں بنو کلاب کا ایک رئیس ابو براء عامر بن مالک نجد سے مدینہ منورہ آیا اور رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ اپنے کچھ آدمیوں کو میرے ساتھ بھیجیں جو میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضور ﷺ نے اس کی درخواست قبول



کرنے میں تامل فرمایا کیونکہ چند دن پہلے بنو عامر کا سردار عامر بن طفیل، جو ابو براء کا بھتیجا تھا آپ ﷺ کو یہ پیغام دے چکا تھا کہ محمد ﷺ مجھے اپنا جانشین بنائیں یا نرم زمین والوں پر وہ حکومت کریں اور سخت زمین والوں پر میں ورنہ میں ہزاروں جنگجوؤں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کر دوں گا...... لیکن ابو براء نے بار بار یقین دلایا کہ جو مسلمان اس کے ساتھ جائیں گے وہ ان کی حفاظت اور سلامتی کا ضامن ہوگا۔ حضور ﷺ نے اس کی یقین دہائی پر ستر (بروایتِ دیگر چالیس) صحابۂ کرام کو حضرت منذر بن عمرو انصاری (بروایتِ دیگر حرام بن ملحان انصاری ؓ) کی قیادت میں نجد کی طرف بھیجا۔
ان میں زیادہ تعداد اصحابِ صُفّہ اور انصار کی تھی۔ آنحضور ﷺ نے عامر بن طفیل کے نام ایک خط بھی اس جماعت کے ہاتھ بھیجا۔ یہ اصحاب مدینہ سے چل کر بئرِ معونہ کے مقام پر ٹھہر گئے۔ یہ مقام مکّہ معظمہ اور عسفان کے درمیان واقع تھا۔ (بقول واقدی۔ بنو سُلیم کا ایک چشمہ تھا جو بنو عامر اور بنو سُلیم کے علاقوں کے درمیان واقع تھا) حضرت حرام بن ملحان ؓ حضور ﷺ کا مکتوبِ مبارک لے کر عامر بن طفیل کے پاس گئے تو اس بد بخت نے اسے پڑھنا تک گوارا نہ کیا اور اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا جس نے نیزہ مار کر حضرت حرام ؓ کو شہید کر ڈالا۔ اس کے بعد عامر بن طفیل نے اپنے قبیلے بنو عامر سے کہا کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی اسی طرح قتل کر ڈالو۔ لیکن بنو عامر نے ابو براء کی پناہ کی وجہ سے اس میں عذر کیا۔ اس پر عامر نے اردگرد کے بعض قبائل، بنو سُلیم، رعل اور ذکوان وغیرہ کے مشرکین کو جمع کر کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے ان غداروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن ان کی تعداد مشرکین کے مقابلہ میں بہت کم تھی، اور ان کے پاس کافی ہتھیار بھی نہیں تھے۔ دو کے سوا باقی سب ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ بچنے والے دو بزرگ حضرت کعب بن زید انصاری اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہما تھے۔ حضرت کعب ؓ شدید زخمی ہو گئے تھے اور کفّار نے انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ حضرت عمرو بن امیہ ؓ کو مشرکین نے گرفتار کر لیا لیکن

Scanned with CamScanner

عامر نے اپنی ماں کی ایک مَنّت پوری کرنے کے لیے انہیں رہا کر دیا (بروایت دیگر وہ خود موقع پا کر بھاگ نکلے)۔ حضرت عمرو ؓ نے مدینہ مُنوّرہ پہنچ کر آنحضور ﷺ کو اس دردناک واقعہ کی اطلاع دی تو آپ ﷺ کو سخت صدمہ ہوا۔ آپ ﷺ بالعموم کسی کے لیے بددعا نہیں کرتے تھے لیکن بئرِ معونہ میں مسلمانوں کی مظلومانہ شہادت سے آپ ﷺ کو اس قدر دُکھ پہنچا کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپ مسلسل ایک ماہ تک بدبخت قاتلوں کے لیے بددعا کرتے رہے۔

(صحیح بخاری، سیرۃ ابن ہشام۔ البدایۃ النہایہ وغیرہ)

## حضرت ابوہریرہ کے اعزازات:

اگرچہ حضرت ابوہریرہ ؓ بیعت الرضوان والوں میں شامل نہ تھے کیونکہ آپ ۷ھ کے آغاز میں بارگاہِ مصطفوی میں حاضر ہوئے مگر ان کی خوش نصیبی دیکھئے کہ عمرۃ القضاء میں شریک ہونے کا موقع ان کو مل گیا بلکہ آپ فرماتے ہیں کہ میں اس سفر میں خادموں کی اس فہرست میں شامل تھا جو قربانی کے جانور لے جا رہے تھے۔

(البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۳۱ جلد ۴)

اس عمرہ کو عمرۃ القضاء کے علاوہ عمرۂ صلح اور عمرۂ قصاص بھی کہا گیا ہے۔

(دیکھئے فتح الباری صفحہ ۵۰۰ جلد ۷)

✿ حضور ؑ نے ھجر کے مجوسیوں کو اسلام قبول کرنے کا خط لکھا اور حضرت علاء ؓ کے ساتھ حضرت ابوہریرہ ؓ کی ڈیوٹی لگائی کہ یہ خط پہنچا کر آؤ اور حضرت علاء کو ابوہریرہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی نصیحت فرمائی۔ (طبقات ابن سعد صفحہ ۲۶۰ جلد ۴)

حافظ ابن کثیر کے مطابق بس یہی ایک موقع تھا کہ حضرت ابوہریرہ حضور ؑ سے جُدا ہوئے اس سفر (بحرین) کے علاوہ حضرت ابوہریرہ ؓ کبھی حضور ﷺ سے جُدا نہ ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۳۳ جلد ۸)

ابن سعد کے مطابق اس سفر میں حضرت علاء نے حضرت ابوہریرہ سے پوچھا کہ



حضور ؑ نے مجھے آپ کے ساتھ حُسن سلوک کا حکم دیا ہے آپ بتائیں کہ آپ کونسی ذمہ داری نبھائیں گے؟ حضرت ابوہریرہ ؓ نے کہا: آپ مجھے مؤذنی کی ذمہ داری سونپ دیں چنانچہ حضرت علاء (امیر بحرین) نے ان کو یہ ڈیوٹی سونپ دی۔

(طبقات صفحہ ۳۶۰ جلد ۴)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ ؓ نے مؤذنی کے ساتھ حضرت علاء سے یہ وعدہ بھی لیا کہ وہ صفیں سیدھی کرنے میں میری مصروفیت کا لحاظ رکھیں گے اور نیت کرنے میں جلدی نہ کریں گے تاکہ ابوہریرہ ؓ امام کے ساتھ آمین کہنے کی سعادت سے محروم نہ ہوں۔ (فتح الباری صفحہ ۲۱۷ جلد ۲)

(اس سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضور ؑ اور خلفائے راشدین کے دورِ حکومت میں حکمرانوں کی ترجیحی ذمہ داریاں کیا ہوا کرتی تھیں کہ باقی سارے کام بعد میں ہیں اور ادائیگی صلوٰۃ سب سے مقدم ہے۔ **الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ......الحج**)

✿ غزوۂ تبوک سے واپسی پر ۹ھ ذیقعدہ یا ذی الحجہ میں حضور ؑ نے تین سو مسلمانوں کا قافلہ جانب مکہ روانہ فرمایا، جس کا امیر آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو مقرر کیا اور خود بعض مصروفیات کی وجہ سے تشریف نہ لے جا سکے حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے مجھے یہ سعادت بخشی کہ میں مکہ جا کر اعلان کردوں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے نہیں آ سکتا اور نہ ہی کوئی بیت اللہ شریف کا طواف ننگے ہو کر کرے۔ (مشکوٰۃ باب دخول مکہ والطواف)

(حضرت ابوہریرہ اور دیگر صحابہ کرام جن کی ڈیوٹی اعلان کرنے کی لگائی گئی تھی اس قدر جوش وجذبے سے اعلان کرتے رہے کہ گلے بیٹھ گئے۔)

## حجۃ الوداع میں حضور ؑ کی رفاقت:

اسی طرح ۱۰ھ کو حجۃ الوداع میں حضرت ابوہریرہ ؓ کو حضور ؑ کی معیت

Scanned with CamScanner

اور ہمرکابی کا شرف بھی حاصل ہوا اور اس بابرکت سفر کے متعلق حضرت ابو ہریرہ کی متعدد مرویات بھی بخاری، مسلم اور سنن ابی داؤد کے اندر موجود ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

❁ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک آدمی کو دیکھا وہ اپنے قربانی کے جانور کو لے کر جارہا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا: اس پر سوار ہو جا۔ اس نے کہا یہ قربانی کا جانور ہے۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: اس پر سوار ہو جا۔ اس نے پھر یہی کہا: آپ ﷺ نے تیسری بار فرمایا: اس نے پھر یہی کہا: چوتھی بار آپ ﷺ نے فرمایا سوار ہو جا تجھ پر افسوس ہے۔

❁ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روحاء کے مقام پر ایک قافلہ ملا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تم کون لوگ ہو، انہوں نے کہا: ہم مسلمان ہیں۔ پھر قافلے والوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں خدا کا رسول ہوں ایک عورت نے آپ ﷺ کو اپنا چھوٹا سا بچہ دکھا کر پوچھا: کیا یہ بچہ بھی حج کر سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اور اس کا ثواب تجھ کو بھی ہے۔

❁ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا: ''یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے اور یہ فرض میرے باپ پر اس وقت عائد ہوا۔ جب وہ چلنے پھرنے سے قاصر ہو گیا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

❁ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ میں داخل ہوئے تو حجرِ اسود کے پاس پہنچ کر اس کا استلام کیا۔ پھر آپ ﷺ نے طواف کیا پھر صفا کی پہاڑی پر آئے اور اس کے اتنا اوپر چڑھ گئے کہ بیت اللہ نظر آنے لگا۔ اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور جتنی دیر چاہا دعا میں مشغول رہے۔



## حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنی والدہ سے بے حد محبت تھی اور وہ ان کی خدمت اور اطاعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے تھے۔ انہیں اس بات کا گہرا احساس تھا کہ ماں جوانی میں بیوہ ہو گئی تھیں اور اس نے بڑی تکالیف اُٹھا کر میری پرورش کی ہے۔ اس لیے وہ ان کے ادب واحترام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے اور کبھی کوئی ایسی بات نہ کرتے تھے جس سے ان کی دلآزاری ہو۔ ماں بھی فرمانبردار فرزند پر جان چھڑکتی تھی لیکن جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ماں نے بیٹے کا ساتھ نہ دیا کیونکہ وہ پرانے خیال کی خاتون تھی اور اپنا آبائی مذہب (بُت پرستی) ترک کرنا اسے کسی صورت میں گوارا نہ تھا۔ تاہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کے ادب واحترام میں کوئی کمی نہ کی اور برابر اس کی خدمت کرتے رہے۔ جب ماں نے اپنے وطن سے مدینہ مُنوّرہ پہنچ کر بھی اپنا آبائی مذہب نہ چھوڑا۔ تو اس کے شرک کی وجہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دل ہی دل میں کڑھتے رہتے تھے۔ وہ والدہ کو بڑی نرمی سے اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیتے اور اس کے محاسن وبرکات سے ان کو آگاہ کرتے رہتے لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ آخر ایک دن بی بی اُمَیمہ کے نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہونے کا وقت آ ہی گیا...... اس دن جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ماں کو دعوتِ اسلام دی تو اس نے نہ صرف اس دعوت کو ٹھکرا دیا بلکہ رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں بھی بہت برے الفاظ کہہ گئی۔ ادھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو آنحضور ﷺ سے بے پناہ عقیدت اور محبت تھی، ان کو ماں کی باتوں سے سخت صدمہ پہنچا، روتے ہوئے حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ واقعہ عرض کیا اور درخواست کی:......

''یا رسول اللہ! بارگاہِ ایزدی میں دعا کیجئے کہ وہ رحیم وکریم میری والدہ کو قبولِ حق کی توفیق دے''۔

Scanned with CamScanner

حضور ﷺ نے اسی وقت دعا کی، الٰہی ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔

حضرت ابو ہریرہؓ گھر واپس آئے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور اندر سے پانی گرنے کی آواز آ رہی ہے۔ وہ سمجھ گئے کہ ماں غسل کر رہی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے دروازہ کھولا کہ دوسرے کپڑے تو پہن چکی تھی لیکن سر پر دوپٹہ نہیں لیا تھا۔

جونہی حضرت ابو ہریرہؓ نے گھر کے اندر قدم رکھا ماں بولیں:......

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"۔

"میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں"۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرطِ مُسَرَّت سے بے خود ہو گئے، خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:......

"یارسول اللہ! بشارت ہو کہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے میری ماں کو ہدایت بخشی"۔

حضور ﷺ یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اب حضرت ابو ہریرہؓ نے استدعا کی:......

"یارسول اللہ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ سب مؤمنین اور مؤمنات کے دل میں میری اور میری والدہ کی محبت پیدا کر دے"۔

حضور ﷺ نے دعا فرمائی اور اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ خود حضرت ابو ہریرہؓ کے قول کے مطابق جو مومن عورت یا مرد ان کے بارے میں سنتا ان سے محبت کرنے لگتا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۵۵، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۰۴)

## ماں کا احترام:

حضرت اُمَیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت خوش قسمت تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت ابو ہریرہؓ جیسا مؤدب اور اطاعت گزار فرزند بخشا تھا۔ وہ والدہ کی خدمت



میں حاضر ہوتے تو کہتے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اُمَّتَاهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ.

"اے میری ماں! اللہ کی آپ پر سلامتی، رحمت اور برکتیں نازل ہوں"۔

ان کی والدہ جواب دیتیں:

وَعَلَیْکَ یَا بُنَیَّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ.

"اے میرے فرزند! تم پر بھی اللہ کی سلامتی، رحمت اور برکتیں نازل ہوں"۔

پھر حضرت ابو ہریرہؓ کہتے:

"اماں جان! اللہ آپ کو بہتر بدلہ دے کہ آپ نے بچپن میں مجھے پالا پوسا"۔

ماں جواب دیتیں:

"اے بیٹے! اللہ تجھے بھی اچھا بدلہ دے کہ تو نے بڑے ہو کر میرے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا"۔ (ادب المفرد باب جزاء الوالدین)

## ماں کی محبت:

حضرت ابو ہریرہؓ کو والدہ سے جس قدر تعلّقِ خاطر تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ وہ چند دوسرے اصحابِ صُفّہ کے ساتھ بھوک سے پریشان ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔

حضور ﷺ نے پوچھا: "اس وقت کیسے آنا ہوا؟"

عرض کیا: "یارسول اللہ! بھوک کھینچ لائی ہے"۔

حضور ﷺ نے کھجوروں کا ایک طباق منگوایا اور ہر شخص کو دو دو کھجوریں دے کر فرمایا:

"یہ دو کھجوریں کھاؤ اور اس کے بعد پانی پیو۔ یہی دو کھجوریں تمہیں آج کے لیے کافی ہوں گی"۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک کھجور کھالی اور دوسری اٹھا کر اپنے دامن میں رکھ

لی۔ حضور ﷺ نے پوچھا:

''ابو ہریرہ! تم نے یہ کھجور کس لیے دامن میں رکھ لی؟''

انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! اپنی والدہ کے لیے''۔

ارشاد ہوا:

''تم یہ کھجور کھالو ہم تمہاری والدہ کے لیے بھی دو کھجوریں دیں گے''۔

انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی اور حضور ﷺ نے انہیں دو کھجوریں اور عطا کیں تا کہ اپنی والدہ کی خدمت میں پیش کریں۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ زندگی بھر والدہ کے خدمت گزار رہے اور جب تک وہ حیات رہیں، ان کی تنہائی اور بڑھاپے کے خیال سے حج کے لیے بھی نہ گئے۔ قیاسِ غالب ہے کہ ان کی والدہ بہت ضعیف ہوں گی اور ان کی زندگی میں حضرت ابو ہریرہ ؓ نے صرف اس وجہ سے حج نہیں کیا کہ ان کے بڑھاپے میں تنہا چھوڑنے سے تکلیف ہوگی اور اس عمر میں ان کو دیکھ بھال کی سخت ضرورت ہے۔

اس سلسلے میں علاّمہ ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ والدہ کی خدمت گزاری کے خیال سے (اور ان کی محبت کی بناء پر) حج پر نہیں گئے یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئیں۔ (طبقات ابن سعد صفحہ ۵ جلد ۴ عن ابن شہاب زہری)

## حضرت ابو ہریرہ ؓ مردِ مجاہد:

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے صرف اشاعت حدیث کے سلسلہ میں ہی کام کیا ہے اور میدانِ جہاد میں آپ کی خدمات دوسرے صحابہ کرام کی طرح نہیں لیکن یہ خیال خیالِ خام ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ نہ صرف علم وفضل کے مقام رفیع پر فائز تھے بلکہ ایک عظیم الشان سرفروش اور مجاہد فی سبیل اللہ بھی تھے۔ چنانچہ عہدِ رسالت میں پہلی مرتبہ آپ ۷ھ محرم الحرام غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے اس کے



بعد یہ سلسلہ جاری وساری رہا چنانچہ آپ

✿ غزوۂ وادی القریٰ ۷ھ محرم الحرام میں جو غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا جس کو مہم فدک کا نام بھی دیا گیا۔ شریک ہوئے یہ جنگ بھی یہود کے خلاف تھی معمولی مقابلہ کے بعد یہود نے شکست تسلیم کر لی۔

(سیرت النبی جلد ۱، رحمۃ للعالمین جلد ۲، تاریخ الامم والملوک صفحہ ۱۶ جلد ۳)

✿ غزوۂ ذات الرقاع جو فتح خیبر کے بعد اسی ہفتے ہوا۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں:

میں نے حضور ﷺ کے ساتھ غزوۂ نجد (ذات الرقاع) میں صلوٰۃ خوف پڑھی۔ (صفحہ ۲۹۳ جلد ۲)

✿ غزوۂ فتح مکہ ۸ھ میں ہوا اور حضرت ابو ہریرہ ان دس ہزار قدسیوں کے لشکر میں شامل تھے جو فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ کے ہمرکاب تھا۔

✿ فتح مکہ کے فوراً بعد غزوۂ حنین ہوا جس کے بارے حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: (جب آپ نے حنین کا ارادہ فرمایا) اگر اللہ نے چاہا تو ہم ''خیف بنی کنانہ'' میں ٹھہریں گے جہاں کفار نے کفر پر قائم رہنے کی قسم کھائی تھی۔

(بخاری صفحہ ۶۱۴ جلد ۲)

اور بعض دیگر روایات میں حنین سے واپسی پر مقام جعرانہ پہ حضور ﷺ کا خطبہ ارشاد فرمانا بھی حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔

✿ غزوۂ تبوک یا جیش عُسرہ جو مدینہ شریف سے بجانب شمال ساڑھے تین سو میل کے فاصلے پر اور خلیج عقبہ سے ایک سو میل دور ہوا اور جس غزوہ کے لیے صحابہ کرام نے دل کھول کر خرچ کیا، احادیث کی کتابوں میں ان کے انفاق فی سبیل اللہ کے روشن واقعات موتیوں کی طرح چمکتے دکھائی دیتے ہیں بالخصوص خلفائے ثلاثہ کے۔ اور جھلسا دینے والی لُو، بھوک و پیاس کے قیامت خیز مناظر کو دیگر صحابہ کرام کی طرح ابو ہریرہ

Scanned with CamScanner

نے بھی خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

غزوات کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ کی ''سرایا'' میں شرکت بھی بخاری شریف صفحہ ۴۲۳ جلد ۱، ابنِ ماجہ صفحہ ۵۴۳ جلد ۲، مسند احمد صفحہ ۲۰۶ پر مذکور ہے۔

اسی طرح عہدِ صدیقی، فاروقی و عثمانی میں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میدانِ جہاد میں پیش پیش رہے۔ دیکھئے

(تاریخ دمشق صفحہ ۴۲۹ معرکۂ یرموک، مسند احمد صفحہ ۱۸۱ جلد ۱، فاتح شام از ابو محمد امام الدین رام نگری، البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۶۰ جلد ۷، ابن جریر طبری صفحہ ۸۷ جلد ۵، الکامل لابن کثیر صفحہ ۲۶ جلد ۳ طبع مصر)

تاآنکہ آرمینیہ اور جرجان وغیرہ کی لڑائیوں کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ شریف آ گئے اور پھر تا وقتِ وفات کسی لڑائی میں شریک نہ ہوئے لیکن جذبۂ جہاد مرتے دم تک دل میں موجزن رہا، جس کا ثبوت حدیث غزوۂ ہند سے ملتا ہے جو آپ ہی سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں ''حضور ﷺ نے ہم سب سے غزوۂ ھند (میں شامل ہونے) کا وعدہ لیا مجھے اگر اس غزوہ میں شرکت کا موقع ملے تو میں اپنی جان و مال سے لڑوں اور اگر اس میں قتل ہو جاؤں تو بہترین شہید قرار پاؤں اور اگر زندہ واپس آ جاؤں تو دوزخ سے آزادی کا پروانہ لینے والا ابو ہریرہ ہوں گا۔

(سنن نسائی صفحہ ۵۶ جلد ۲ کتاب الجہاد، مسند احمد صفحہ ۱۷)

## حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مشقتیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تین سال سے کچھ زیادہ عرصہ اصحابِ صُفّہ کی مقدس جماعت کے ایک ممتاز رُکن اور درس گاہِ نبوی کے ایک درویش طالبِ علم کی حیثیت سے گزارا۔ اس دَور میں دوسرے اصحابِ صُفّہ کی طرح انہوں نے بھی سخت مصیبتیں برداشت کیں۔ اس سلسلے میں ان سے کئی احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے کچھ ملاحظہ ہوں:

''میرا یہ حال تھا کہ جب کچھ میرے پیٹ میں پڑ جاتا تو فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ نہ میں نے کبھی خمیری روٹی کھائی نہ عمدہ لباس پہنا، نہ میرا



کوئی خادم تھا نہ خادمہ۔ بعض اوقات جب بھوک ستاتی تو کسی صاحب سے قرآن کی کوئی آیت پوچھتا حالانکہ وہ آیت مجھے خود یاد ہوتی۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ شاید وہ میری جانب متوجہ ہو کر مجھے کھانا کھلا دیں گے''۔

''میں اُن ستّر اصحابِ صُفّہ میں سے تھا جن میں سے کسی کے پاس اوڑھنے کے لیے چادر تک نہ تھی۔ ہر شخص کے پاس ایک دھاری دار لنگی یا کمبل ہوتا تھا جسے وہ اپنی گردن میں باندھے رکھتا تھا۔ یہ لوگ بھوک سے بھی پریشان رہتے تھے۔ نماز کے وقت کے علاوہ ان میں سے کوئی گھر سے نکل کر مسجدِ نبوی کا رُخ کرتا تو اس کا واحد سبب بھوک ہوتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہاں اسی حال میں مبتلا کچھ اور لوگ بھی مل جاتے تھے۔ ایک دن میں اسی حال میں مسجد پہنچا تو کچھ لوگ ملے۔ انہوں نے پوچھا، ابو ہریرہ! تم اس وقت کیسے آئے؟ میں نے کہا: بھوک کی وجہ سے آ رہا ہوں۔ وہ کہنے لگے، خدا کی قسم ہمیں بھی بھوک ہی یہاں لائی ہے۔ (چنانچہ طے ہوا کہ چلو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلیں) پس ہم سب اٹھ کر چلے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا، اس وقت کیسے آئے ہو؟

عرض کیا: یارسول اللہ! بھوک لائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں کا ایک طباق منگوایا اور ہم میں سے ہر شخص کو دو دو کھجوریں دیں اور فرمایا، یہ دو کھجوریں تمہیں آج کے لیے کافی ہوں گی۔ میں نے ایک کھجور کھائی اور دوسری اپنے دامن میں رکھ لی۔

رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا، ابو ہریرہ! تم نے یہ کھجور کے لیے اٹھا کر رکھ لی؟

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ میں نے اپنی والدہ کے لیے رکھی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کو کھالو ہم تمہاری والدہ کے لیے بھی تم کو دو کھجوریں دیں گے۔ چنانچہ میں نے وہ کھجور بھی کھالی اور آپ ﷺ نے مجھے والدہ کے لیے دو

کھجوریں اور عنایت فرمائیں"۔

(فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۷۷، طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۵۵، سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۴۲۷)

## کیسا تھا وہ جامِ شیر:

بعض دفعہ بھوک کی شِدّت کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ ؓ کمر سیدھی نہ کر سکتے تھے۔ اس حالت میں پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے اور کہنی سے زمین پر ٹیک لگا کر نیم دراز ہو جاتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ:

"ایک دن میں اسی حالت میں شارعِ عام پر پڑا تھا کہ حضرت ابو بکر ؓ میرے پاس سے گزرے۔ میں نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت کے بارے میں دریافت کیا۔ مقصد یہ تھا کہ وہ مجھے ساتھ چلنے کو کہیں گے اور کچھ کھلا دیں گے۔ لیکن وہ یوں ہی گزر گئے، مجھے ساتھ نہ لیا۔ انکے بعد عمر ؓ گزرے، انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا (ادھر سے) گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے میرے چہرے سے بھوک کا اندازہ فرما لیا۔ ارشاد ہوا، ابو ہریرہ ہے؟ میں نے عرض کیا، میں حاضر ہوں یا رسول اللہ ﷺ۔

پھر میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے خانۂ اقدس میں پہنچا۔ آپ ﷺ نے وہاں ایک پیالے میں دودھ رکھا ہوا پایا۔ گھر والوں سے دریافت فرمایا، یہ کہاں سے آیا ہے؟ جواب ملا، فلاں صاحب نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ابو ہریرہ! اہلِ صُفّہ کے پاس جاؤ اور سب کو بلا لاؤ...... اہلِ صُفّہ اسلام ہی کے مہمان تھے۔ نہ ان کا گھر تھا اور نہ ان کے پاس مال تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی صدقہ آتا تو آپ ﷺ اس کو ان کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں سے کچھ استعمال نہ فرماتے اور جب آپ ﷺ کے پاس کوئی ہدیہ آتا تو اسے استعمال فرماتے اور اہلِ صُفّہ کو بھی شریک کر لیتے۔ (حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ) اس وقت مجھے رسول اللہ ﷺ کا ان لوگوں (اہلِ صُفّہ) کو بلانے کے لیے بھیجنا کچھ گراں معلوم ہوا۔



میں نے اپنے جی میں کہا کہ میرا خیال تھا کہ یہ دودھ مجھ ہی کو ملے گا اور اسے پی کر کچھ قُوّت آئے گی۔ بھلا اتنے دودھ سے (تمام) اہلِ صُفّہ کا کیا بنے گا؟ لیکن رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل تو ضروری تھی۔ میں اہلِ صُفّہ کے پاس آیا (اور ان سے کہا کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ بلا رہے ہیں۔)

تمام اہلِ صُفّہ حضور ﷺ کے کاشانۂ اقدس میں حاضر ہو گئے۔ جب وہ سب بیٹھ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ابو ہریرہ! اس پیالے کو لو اور ہر شخص کو دودھ پلاؤ"۔

میں باری باری ہر شخص کو دودھ پلانے لگا۔ ان میں سے ہر شخص نے خوب سیر ہو کر پیا۔ یہاں تک کہ میں نے سب کو فارغ کر دیا اور باقی دودھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا اور فرمایا: اب میں اور تم باقی رہے!

میں نے عرض کیا، جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ!

آپ ﷺ نے فرمایا، لو پیو...... میں نے پیا۔

آپ ﷺ نے پھر فرمایا، پیو...... میں نے پھر پیا۔

آپ ﷺ فرماتے رہے، پیو...... اور میں پیتا رہا۔

یہاں تک کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا اب مزید گنجائش نہیں ہے۔ (میں اور نہیں پی سکتا) پس وہ باقی دودھ آپ ﷺ نے لے لیا اور خود نوش فرمایا"۔

(سیر اعلام النبلاء، جلد ۲ صفحہ ۴۷۷، سیرۃ کبریٰ صفحہ ۸۳۰ بحوالہ ترمذی و مستدرک حاکم)

## حضرت ابو ہریرہ کے فاقے:

"ایک دفعہ (جبکہ مجھے سخت بھوک لگی ہوئی تھی) میں عمر بن خطّاب کے پاس پہنچا۔ اُس وقت وہ نماز کے بعد تسبیحات پڑھ رہے تھے۔ میں ان کے پاس کھڑا ہو گیا اور انتظار کرنے لگا۔ جب وہ فارغ ہو گئے تو میں نے قریب جا کر کہا کہ مجھے کھانے کی

دعوت دیں گے (لیکن) انہوں نے (صرف اتنا کیا کہ) مجھے سورۂ آلِ عمران کی چند آیتیں پڑھا دیں۔ پھر ہم دونوں وہاں سے چل پڑے۔ جب عمر (رضی اللہ عنہ) اپنے گھر کے قریب پہنچے تو وہ مجھے دروازے پر چھوڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ شاید وہ کپڑے بدلیں گے اور پھر مجھے کھانے کے لیے بلائیں گے لیکن جب کافی دیر ہو گئی اور میں نے کچھ نہ پایا تو واپس چل پڑا سامنے سے رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ مجھ سے باتیں کرنے لگے اور فرمایا: ابو ہریرہ! تمہارے منہ سے یہ سخت بُو کیسی آ رہی ہے، معلوم ہوتا ہے تم روزہ سے ہو۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں بغیر افطار کے مسلسل روزہ سے ہوں اور کوئی ایسی چیز میرے پاس نہیں ہے کہ میں اس سے روزہ افطار کروں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میرے ساتھ چلے آؤ۔

میں آپ ﷺ کے ساتھ چلتا گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ اپنے گھر پہنچ گئے۔

آپ ﷺ نے اپنی ایک سیاہ فام (حبشی) باندی کو پکارا اور اس سے فرمایا کہ وہ پیالہ لاؤ۔ وہ پیالہ لے آئی۔ اس میں کچھ تھوڑا سا بچا ہوا کھانا تھا، شاید وہ جَو کی پکی ہوئی کوئی چیز تھی۔ پیالہ میں جو کھانا تھا آپ ﷺ تناول فرما چکے تھے البتہ تھوڑا بہت کناروں کے ساتھ لگا ہوا رہ گیا تھا۔ میں نے بسم اللہ پڑھی اور سمیٹ سمیٹ کر کھانے لگا یہاں تک کہ اسی سے شکم سیر ہو گیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۵۳، تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۳۲، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۱۰)

✿ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سخت فقر و افلاس کے باوجود حریص نہیں تھے اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔ جو کچھ کھانے کو مل جاتا، اسی پر قناعت کرتے تھے۔ اور جب کچھ بھی نہ ملتا تو روزہ رکھ لیتے۔ ایک دن صبح کے وقت ان کے پاس پندرہ کھجوریں تھیں، انہوں نے پانچ کھجوروں سے روزہ افطار کیا، پانچ سحری کے وقت کھا کر روزہ رکھ لیا اور پانچ روزہ افطار کرنے کے لیے باقی رکھ لیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۱۲)



اربابِ سِیَر کا بیان ہے کہ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھوک کی شدت کی وجہ سے اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے اور منبرِ رسول کے درمیان غش کھا کر گر پڑتے۔ آنے والے (بعض) لوگ ان کو مجنون سمجھ کر ان کی گردن پر پاؤں رکھ دیتے۔ (بروایتِ دیگر ان کے سرہانے بیٹھ جاتے) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سر اٹھاتے اور کہتے، میں مجنون نہیں ہوں بلکہ بھوک کی وجہ سے مجھے غش آ گیا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۵۳، سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۴۲۶)

✿ مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری نے اپنی تصنیف ''سیرتِ کبریٰ'' میں ''جامع ترمذی'' کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے:

''دوسرے اصحابِ صُفّہ کی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی کوئی معیّن اور مستقل ذریعۂ معاش نہیں رکھتے تھے۔ چونکہ قُوتِ لایموت اور دوسری ضروریاتِ زندگی کی طرف سے بالکل خالی الذہن اور لا اُبالی ہو کر داعیِ حق ﷺ کے ارشاداتِ گرامی سننے کے لیے شب و روز بارگاہِ نبوّت میں بیٹھے رہتے تھے اس لیے بسا اوقات فاقے پہ فاقے گزرتے تھے اور بہت کم ایسا ہوتا کہ شکم سیر ہو کر کھانے کو کچھ مل گیا ہو۔

لیکن ایک دفعہ انہیں اپنی فاقہ کشی دُور کرنے کی عجیب ترکیب سوجھی۔ آستانِ نبوت میں کچھ کھجوریں لے گئے اور التماس کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! ان میں برکت کی دعا کر دیجئے''۔

آپ ﷺ نے ان کھجوروں کو لے کر اکٹھا کیا اور برکت کی دعا کر کے ان سے فرمایا کہ:

''ان کو لے جا کر اپنے توشہ دان میں رکھ لو اور جب ضرورت ہو، ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرو لیکن اس کو نہ کبھی الٹنا اور نہ جھاڑنا''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کھجوروں کو ایک تھیلی میں رکھ لیا اور جب خواہش ہوتی اس میں سے نکال کر خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے۔ انہوں نے اس

میں سے بیسیوں من کھجوریں برآمد کر کے فاقہ کش مسکینوں میں تقسیم کیں۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ اس تھیلی کو متاعِ گراں مایہ کی طرح ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے...... آخر پیشوائے اُمّت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے قریباً چھبیس سال بعد یعنی اس روز جب ۳۵ ہجری میں امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنّورین ؓ رہگزینِ عالَمِ جاوداں ہوئے، سوءِ اتفاق سے وہ تھیلی الٹ گئی۔ کھجوریں گر کر تھیلی خالی ہوگئی۔ اس روز سے کھجوروں کی آمد بھی موقوف ہوگئی"۔

(سیرتِ کبریٰ جلد دوم صفحہ ۸۳۱۔۸۳۲ بحوالہ ترمذی)

بظاہر یہ روایت ان روایات سے متعارض معلوم ہوتی ہے جن میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کے فقر و فاقہ کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اس روایت سے ان روایات کی تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ "کھجوروں میں برکت کی دعا" کا واقعہ اواخرِ عہدِ رسالت میں پیش آیا ہوگا......

واللہ اعلم بالصّواب۔

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ امیر المؤمنین حضرت عُمرِ فاروق ؓ کے عہدِ خلافت میں اِمارتِ بحرین پر فائز ہونے تک فقر و فاقہ کی زندگی گزارتے رہے۔ اِمارتِ بحرین کے منصب پر فائز ہونے کے بعد وہ آسودہ حال ہوگئے۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد بھی ان کے حالات اچھے رہے غالبًا حکومت کی طرف سے وظیفہ بھی مقرر ہوگیا تھا۔

## خدمت و غلامیٔ رسول ﷺ:

رحمتِ عالَم ﷺ کے علمی سرچشمہ سے کسبِ فیض کے ساتھ ساتھ حضرت ابو ہریرہ ؓ حضور کی ہر قسم کی خدمت نہایت ذوق وشوق سے انجام دیتے اور اسے اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتے۔ خود ان سے روایت ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ جب استنجے کو جاتے تو میں آپ ﷺ کو پانی لا کے دیتا تھا۔ پانی



کے برتن "تورا" میں (جو کانسی یا پتھر سے بنا ہوا ایک برتن ہوتا تھا) یا رکوہ میں (یعنی چمڑے کے چھوٹے مشکیزے میں) تو آپ ﷺ اس سے طہارت کرتے تھے، پھر اپنے ہاتھ کو زمین کی مٹی پر ملتے تھے، پھر میں دوسرا برتن پانی کا لاتا تھا تو آپ ﷺ اس سے وضو فرماتے تھے"۔ (سُنَن ابی داؤد)

ایک اور حدیث میں کہتے ہیں کہ:

"مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ روزے سے ہیں۔ میں نے کچھ کھجوریں کدو کے برتن میں بھگو دیں اور جب افطار کا وقت ہوا تو میں نے کھجوروں کا یہ شیرہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو وہ شیرہ جوش مار رہا تھا اور اس میں نشہ کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو دیوار پر مارو، اس کو تو وہ شخص پیتا ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر یقین نہ رکھتا ہو۔ (سُنَن ابی داؤد)

حضرت ابو ہریرہ ؓ کی نیت یہ تھی کہ افطار کے وقت حضور ﷺ کی خدمت میں یہ مشروب پیش کر کے آپ ﷺ کو راحت پہنچائی جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ مشروب جوش مار گیا اور حضور ﷺ نے اسے پھینکنے کا حکم دیا۔

رسولِ اکرم ﷺ کو حضرت ابو ہریرہ ؓ پر بہت اعتماد تھا۔ آپ ﷺ اصحابِ صُفّہ میں کوئی چیز تقسیم فرمانا چاہتے تو بسا اوقات حضرت ابو ہریرہ ؓ کی وساطت سے تقسیم فرماتے اور اگر اصحابِ صُفّہ کو کسی جگہ بلانا چاہتے تو اکثر حضرت ابو ہریرہ ؓ کو ارشاد فرماتے کہ وہ انہیں بلا لائیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کبھی کبھی حضرت ابو ہریرہ ؓ کو بطورِ خاص کوئی حدیث سناتے اور پھر انہیں حکم دیتے کہ اس حدیث کا عام لوگوں میں اعلان کردو۔ مختصر یہ کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ درسگاہِ نبوی ﷺ کے ایک درویش طالبِ علم اور آپ ﷺ کے جاں نثار ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کے مستعد اور مخلص خادم بھی تھے اور بلاشبہ خدمتِ رسول اللہ ﷺ بھی ان کی زندگی کا ایک روشن پہلو ہے۔

Scanned with CamScanner

## علم و فضل:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ابو ہریرہ وعاء العلم یعنی علم کا ظرف یا تھیلا ہے۔ (مستدرک للحاکم صفحہ ۵۰۹ جلد ۳)

سچی بات یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی علمی زندگی آپ کی کتاب سیرت کا ایک بڑا ہی حسین باب اور جلی عنوان کی حیثیت رکھتی ہے۔ تحصیل علم کا شوق اللہ نے ان کے رگ و پے میں ودیعت کیا ہوا تھا اور انہوں نے اس مقصد کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر کے بلکہ طرح طرح کی تکالیف برداشت کر کے ایک درویش طلب علم کی سی زندگی گزاری اور حضور علیہ السلام کی بارگاہ کے ہو کر رہ گئے چنانچہ فیض صحبت مصطفیٰ نے ان کو معدن علم، منبع حکمت، مصدر وعظ و نصیحت اور مرکز اشاعت دین بنا دیا۔ علم حدیث کے علاوہ دیگر علوم میں بھی آپ (رضی اللہ عنہ) ید طولیٰ رکھتے تھے چنانچہ مادری زبان عربی ہونے کے باوجود آپ فارسی زبان نہ صرف جانتے تھے بلکہ روانی کے ساتھ گفتگو بھی فرماتے تھے۔

ابوداؤد شریف صفحہ ۵۳۰ جلد ا پہ ہے۔ حضرت ابو میمونہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ایرانی عورت اپنے کمسن بچے کے ساتھ آئی اور اس نے فارسی میں گفتگو شروع کر دی کہ ''میرے خاوند نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اب وہ مجھ سے میرا بیٹا بھی لینا چاہتا ہے''۔ حضرت ابو ہریرہ نے فارسی زبان میں ہی اس کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''تم دونوں (مرد اور عورت) قرعہ اندازی کر لو۔ (جس کا نام نکلے وہ بچہ لے لے) اتنے میں اس بچے کا باپ بھی آ گیا اور کہنے لگا کون ہے؟ جو میرے بیٹے پر اپنا حق جتا سکتا ہو؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے یہ فیصلہ ایک واقعہ کے پیش نظر کیا ہے جو میرے سامنے ہوا اور وہ یہ کہ ایک عورت نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا شوہر مجھ سے میرے



بیٹے کو چھیننا چاہتا ہے حالانکہ میرا بیٹا مجھے فلاں کنویں سے پانی لا کر دیتا ہے اور میرے کئی دوسرے کام بھی کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان کو قرعہ اندازی کا مشورہ دیا تو شوہر کہنے لگا: میرے بچے کا میرے سوا اور کون حق دار ہو سکتا ہے؟ حضور علیہ السلام نے لڑکے کو فرمایا: یہ تیری والدہ ہے اور یہ تیرا والد ہے جس کا چاہے ہاتھ پکڑ لو، بچے نے ماں کا ہاتھ پکڑا اور وہ اسے لے کر چلی گئی۔ یہ ساری گفتگو بزبان فارسی ہوئی۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کے بارے میں بھی کافی معلومات رکھتے تھے۔ حافظ ابن حجر کے مطابق آپ کو تورات کے مسائل سے کافی واقفیت تھی اور اس بارے میں انہوں نے حضرت کعب الاحبار کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

''میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو تورات پڑھے بغیر اس کے مندرجات سے آگاہ ہو''۔ (الاصابہ جلد ۷ صفحہ ۲۰۵)

## حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بہت سی احادیث اپنے ہاتھ سے لکھ کر یا اپنے شاگردوں سے لکھوا کر ایک مجموعہ مرتب فرمایا جس کی تفصیل آگے آئے گی یہاں پر صرف آپ کی مرویات کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلقہ اور دین کے تمام احکامات و مسائل، آداب و اخلاق، عقائد، عبادات و معاملات، تفسیر، فقہ، جہاد، مناقب، رقاق، ذکر و تسبیحات اور سیر و مغازی وغیرہ میں سے ہر ایک باب میں آپ کی مرویات کا ایک معتد بہا ذخیرہ موجود ہے جن کی کل تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) ہے۔ جن میں سے صحاح ستہ اور موطا امام مالک میں آپ کی مرویات (۲۲۱۸) ہیں صحیح بخاری و مسلم میں (۶۰۹) جن میں تین سو پچیس یا تین سو چھبیس متفق علیہ یعنی بخاری و مسلم دونوں میں ہیں (یا دونوں کی شرائط کے مطابق ہیں) بقول علامہ عجاج الخطیب ترانوے (۹۳) احادیث میں امام بخاری اور ایک سو نوے

(۱۹۰) میں امام مسلم منفرد ہیں۔ لیکن بقول بعض امام بخاری ۹۷ میں اور امام مسلم ۹۳ میں منفرد ہیں۔ (سیر الصحابہ بحوالہ تہذیب الکمال)

حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری میں آپ کی مرویات چار سو چھیالیس بتائی ہیں اور شیخ عبدالمنعم صالح العلی عراقی نے ایک ہزار گیارہ۔ اس اختلاف کی وجہ علماء نے صحیح بخاری کی اکثر روایات میں تکرار اور تقطیع (صرف ایک جملہ ترجمۃ الباب کے مطابق لانا) بیان کی ہے۔

مسند احمد بن حنبل میں آپ کی مرویات کی کل تعداد (۳۸۴۸) ہے جو ۲۱۳ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ (جلد ۲ صفحہ ۲۲۸ تا ۵۴۱) اگرچہ ان میں بہت ساری احادیث لفظاً و معناً مکرر ہیں مگر مکررات کو نکال کر بھی احادیث کی خاصی تعداد باقی رہتی ہے۔

سنن اربعہ (یعنی ترمذی، نسائی، ابوداؤد اور ابن ماجہ) اور موطا امام مالک میں آپ کی مرویات ۱۶۰۹ ہیں ان میں سے بعض احادیث پانچوں ائمہ نے روایت کی ہیں اور بعض کسی نے روایت کی ہیں اور کسی نے نہیں کیں۔

امام بقی بن مخلد نے اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہ کی پانچ ہزار تین سو چوہتر مرویات درج فرمائی ہیں یعنی کل مرویات ابوہریرہ ﷛۔ یاد رہے کہ ابن مخلد کا سن وفات ۲۷۶ھ ہے۔

امام ابن اسحاق فرماتے ہیں جن تین ہزار روایات سے احکام ثابت ہوتے ہیں ان میں سے ڈیڑھ ہزار روایات حضرت ابوہریرہ سے منقول ہیں۔ (حقائق السنن)

شیخ جمال الدین ابی الحجاج یوسف بن الزکی عبدالرحمٰن بن یوسف المزی (متوفی ۷۴۲ھ) نے تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف میں تین سو چون (۳۵۴) راویوں کے واسطے سے حضرت ابوہریرہ ﷛ کی تین ہزار تین سو ستر (۳۳۷۰) مرویات نقل کی ہیں جو دو جلدوں کے سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ (دفاع ابوہریرہ صفحہ ۱۰۹)



## آپ کے اساتذہ، رواۃ وتلامذہ:

حضرت ابوہریرہ کے سب سے بڑے اور سب سے پہلے استاذ تو خود نبی اکرم ﷺ ہیں اسی لیے آپ کی اکثر روایات مرفوع ہیں اور حضور ﷺ کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابوبکر، عمر، اسامہ بن زید، سلمان فارسی، ابن ابی کعب، کعب بن عجزہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن سلام، علاء بن الحضرمی، زید بن ثابت، فضل بن عباس، خریم بن فاتک اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔

حضرت ابوہریرہ ﷛ کے رُواۃ اور تلامذہ کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ ﷛ سے آٹھ سو سے بھی زیادہ روایانِ حدیث نے استفادہ کیا۔

ابنِ ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ اور ابنِ حبان نے ان کے رُواۃ اور تلامذہ کی کوئی معیّن تعداد نہیں بتائی البتہ یہ ضرور لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ ﷛ سے کسبِ فیض کرنے والوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔

ان کے رُواۃ وتلامذہ میں متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم (بشمول صحابیات) کے علاوہ کثیر التعداد ائمہ تابعین اور جید علمائے حدیث وفقہ شامل ہیں۔ ان میں سے ایک سَو بارہ (۱۱۲) کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت انس بن مالک ﷛، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷛، حضرت ابوایوب انصاری ﷛، حضرت جابر بن عبداللہ انصاری ﷛، حضرت زید بن ثابت انصاری ﷛، حضرت اُبی بن کعب ﷛، حضرت واثلہ بن الاسقع ﷛، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی،

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما، حضرت شفی بن ماتع ؓ، حضرت عبداللہ بن سرجس ؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن غنم ؓ۔

حضرت سعید بن مسیّب ؓ، ابورافع، ابوادریس خولانی، ابوعثمان نہدی، ابراہیم بن اسمٰعیل، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف ؓ، سلیمان بن یسار، طاؤس، عکرمہ، اسود بن ہلال، عطاء بن ابی رباح، عامر شعبی، ابواسامہ بن سہل ؓ بن حنیف، سعید بن جبیر، قیس بن ابی حازم، حفص بن عاصم بن عمر ؓ، ابوسعید المقبری، شہر بن حوشب، ابوصالح، عروہ بن زبیر ؓ اعرج، عامر بن سعد بن ابی وقاص، مکحول الشامی، ابوزرعہ، بشیر بن نہیک، حمید بن عبدالرحمٰن حمیری، محمد بن منکدر، حنظلہ بن علی اسلمی، ابن فارض، سعید بن عمرو ؓ بن سعید بن عاص، ابوجعفر مدنی، شریح بن ہانی، سنان بن ابی سنان ؓ، عبداللہ بن شقیق، عمرو بن میمون، ابوقیس، بسر بن سعید، سلیمان بن الاغر، مالک بن ابی عامر اصبحی، قبیصہ بن ذویب، ابومسلم، ثابت بن عیاض، زرارہ بن ابی اوفیٰ ؓ، عبداللہ بن ثعلبہ، عبداللہ بن رباح انصاری، خواجہ حسن بصری، محمد بن سیرین، نافع بن جبیر بن مطعم ؓ، موسیٰ بن طلحہ بن عبیداللہ، عبیداللہ بن ابی رافع، زید بن اسلم، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، عمرو بن ابی سفیان، نافع مولیٰ ابن عمر ؓ، ابوالشعثاء المحاربی، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابوغطفان بن طریف المری، ابوحازم الاشجعی، نافع مولیٰ ابی قتادہ ؓ، محمد بن ابی عائشہ، ضحاک بن شرحبیل، یزید بن اصم، موسیٰ بن وردان، موسیٰ بن یسار، ہمام بن منبہ، عبید بن حنین عنبسہ بن سعید بن العاص، عطاء بن میناء، عبدالرحمٰن بن سعد المقعد، عبدالرحمٰن بن مہران، عبیداللہ بن سفیان حضرمی، عطاء بن یزید لیثی، محمد بن کعب القرظی، عراک بن مالک، عطاء بن یسار، محمد بن زیاد حجمی، محمد بن قیس بن مخرمہ، یوسف بن ماہک، عبدالرحمٰن بن ابی نعیم، محمد بن عباد، میتم بن ابی سنان، سعید بن حارث، سعید بن سمعان، عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ انصاری ؓ ابو الحباب، سالم ابوالغیث، بعجہ جہنی، خلاس بن عمرو، حکیم بن میناء، زیاد بن رباح، ابوالولید عبداللہ ؓ



بن حارث، عبدالرحمٰن بن یعقوب، محمد بن عبدالرحمٰن، سعید بن مرجانہ، مالک بن ابی عامر۔ (تہذیب التہذیب)

## حصولِ حدیث کا شوق:

حضرت ابوہریرہ ؓ کو رسولِ اکرم ﷺ کے ارشادات سننے کا اس قدر شوق تھا کہ اس کی کوئی حد و نہایت نہ تھی۔ مدینہ مُنوَّرہ آنے کے بعد انہوں نے ہمیشہ یہی کوشش کی کہ سفر ہو یا حضر، وہ اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ بارگاہِ رسالت میں گزاریں، یوں ایک طرف تو آپ ﷺ کی ہمنشینی کی سعادت حاصل کریں اور دوسری طرف زیادہ سے زیادہ ارشاداتِ نبوی ﷺ کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لیں۔ اس شوق کے سامنے دنیا کا مال و زر اُن کی نظروں میں ہیچ تھا۔ ایک دفعہ رسولِ اکرم ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ لوگ مانگ مانگ کر بھی اپنا حصہ لے جا رہے تھے لیکن حضرت ابوہریرہ ؓ خاموش بیٹھے تھے۔

حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے ابوہریرہ! تمہارے ساتھی مالِ غنیمت کا سوال کرتے ہیں تم کیوں اس کا سوال نہیں کرتے؟''

انہوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! میں آپ سے اس علم کا سوال کرتا ہوں جو اللہ نے آپ کو دیا ہے''۔

(سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۵۹۴)

حضرت ابوہریرہ ؓ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں نے تین سال رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں گزارے۔ ان تین سالوں سے بڑھ کر میری زندگی میں کوئی ایسا وقت نہیں آیا جس میں مجھے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو سمجھنے اور یاد کرنے کا زیادہ ذوق و شوق ہو''۔ (طبقات ابنِ سعد جلد ۴ صفحہ ۵۴)

آنحضور ﷺ کے لطف و کرم نے حضرت ابوہریرہ ؓ کو حرصِ حدیث میں بڑا

بے باک کر دیا تھا۔ جو سوال ذہن میں آتا بلا جھجک حضور ﷺ سے پوچھ لیتے۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''بے شک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے سوال پوچھنے میں اتنے جری تھے کہ وہ آپ ﷺ سے ایسی باتیں بھی پوچھ لیتے تھے جن کے پوچھنے کی ہم کو (بروایتِ دیگر کسی دوسرے کو) جرأت نہ ہوتی تھی''۔ (ابنِ عساکر جلد ۴۷ صفحہ ۲۷۷۔ دفاع عن ابی ہریرہ صفحہ ۱۴۹)

خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن ہم لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا:

''کون ہے جو مجھ سے سیکھ لے یہ چند خاص باتیں۔ پھر وہ خود ان پر عمل کرے یا دوسرے عمل کرنے والوں کو بتائے''۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں حاضر ہوں...... تو آپ ﷺ نے میرا ہاتھ (ازراہِ شفقت) اپنے ہاتھ میں لیا اور گن کر یہ پانچ باتیں بتائیں۔

فرمایا:

جو چیزیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں، ان سے بچو اور ان سے پورا پورا پرہیز کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم بہت بڑے عبادت گزار رہو۔

اور

اللہ نے جو تمہاری قسمت میں لکھا ہے اس پر راضی اور مطمئن ہو جاؤ اگر تم ایسا کرو گے تو بڑے بے نیاز اور دولت مند ہو جاؤ گے۔

اور

اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو مومنِ کامل ہو جاؤ گے۔

اور

زیادہ ہنسا نہ کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مُردہ کر دیتا ہے۔ (مسندِ احمد و جامع ترمذی)

مُسندِ احمد میں یہ روایت اس طرح نقل کی گئی ہے:



## شفاعت کا مسئلہ:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے شفاعت کے بارے میں سوال کیا تو بارگاہِ ایزدگی سے کیا جواب ملا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، میں سمجھتا تھا کہ تم میری اُمّت میں سے پہلے شخص ہو گے جو اس کے بارے میں پوچھو گے، اس لیے کہ میں تمہارے اشتیاقِ علم سے آگاہ ہوں۔ اُس ذات کی قسم جس کے تصرّف میں محمد کی جان ہے، مجھے شفاعت کا حق حاصل ہونے کے بجائے یہ بات زیادہ عزیز تھی کہ میری اُمّت کسی طرح جنّت میں چلی جائے۔ میری شفاعت تو اس شخص کے لیے ہوگی جو دل و جان سے پورے اخلاص کے ساتھ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ کہے۔ اس کا دل زبان کی تصدیق کرتا ہو اور زبان دل کے ساتھ ہم آہنگ ہو...... دوسری روایت میں یوں ہے کہ میری شفاعت کی عظیم ترین سعادت اس شخص کے حصے میں آئے گی جو خلوص دل کے ساتھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہَ کہے''۔

(سوانح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صفحہ ۱۳۴ بحوالہ مسند احمد جلد ۱۵ صفحہ ۲۰۸ حدیث نمبر ۸۰۵۶ نیز فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۰۳)

## خصوصی شفقت:

رحمتِ عالَم ﷺ کا سحاب لطف و کرم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر جُھوم جُھوم کر برستا رہتا تھا۔ بعض اوقات آپ ﷺ اُن کو بطورِ خاص کچھ وصیتیں فرماتے اور پھر ان کا اعلان کرنے کی ہدایت دیتے۔ حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عیادت کیلیے حاضر ہوئے۔ ان کو اندر آنے کی اجازت ملی تو وہ سلام کر کے کھڑے ہو گئے۔ (اُس وقت) رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سینہ سے ٹیک لگائے تشریف فرما تھے اور حضرت علی ہاتھ رضی اللہ عنہ کے آپ ﷺ کے سینۂ مبارک پر تھے اور آپ ﷺ نے پاؤں مبارک لمبے کئے ہوئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے فرمایا:

''ابو ہریرہ! (میرے) قریب ہو جاؤ''۔

حضرت ابو ہریرہ قریب ہو گئے آپ نے دوبارہ فرمایا:

''ابو ہریرہ قریب ہو جاؤ''۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ ؓ اور قریب ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں تیسری مرتبہ قریب ہونے کے لیے ارشاد فرمایا:

حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ (اب) میں (آپ ﷺ کے) اتنا قریب ہو گیا کہ میرے پاؤں کی انگلیاں رسول اللہ ﷺ (کے پاؤں) کی انگلیوں سے مل گئیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''بیٹھ جاؤ!''۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیٹھ گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ابو ہریرہ! اپنی چادر کا کنارہ مجھے دے دو''۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے اپنی چادر کا کنارہ رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک میں دے دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے ابو ہریرہ! میں تمہیں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ تم انہیں نہ چھوڑنا''۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ارشاد فرمائیے''۔

پس آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱)۔ جمعہ کے دن غسل کرو۔ جمعہ کی نماز کے لیے جلدی جاؤ اور مسجد میں فضول باتیں نہ کرو۔

(۲)۔ ہر مہینے میں تین روزے رکھو۔ یہ تمہارے لیے تمام عمر (نفلی) روزہ رکھنے کے لیے کافی ہوں گے۔



(۳)۔ صبح کی سنتیں نہ چھوڑو اگرچہ پوری رات نماز پڑھتے رہو۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ ارشادات دہرائے پھر فرمایا:

''اے ابو ہریرہ! چادر کھینچ لو''۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے چادر کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لی...... اور عرض کیا:

یارسول اللہ! ان باتوں کو چھپاؤں یا عام لوگوں میں ان کا اعلان کروں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ان کا اعلان کر دو''۔ (الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۰۸)

اس قسم کے اور بھی متعدد واقعات کتبِ سیر میں مذکورہ ہیں۔ ان میں ''واقعۂ نعلین'' بہت مشہور ہے جو خود حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا ہے۔

### واقعۂ نعلین:

''وہ (حضرت ابو ہریرہ ؓ) کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ ﷺ (کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ ﷺ) کے گرد اگرد بیٹھے تھے اور ابو بکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بھی ہمارے ساتھ مجلس میں موجود تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان سے اٹھے (اور کسی طرف کو تشریف لے گئے) پھر آپ ﷺ کی واپسی میں بہت دیر ہو گئی تو ہمیں خوف ہوا کہ کہیں ہم سے علیحدہ آپ ﷺ کو کوئی ایذا نہ پہنچائی جائے (یعنی ہماری عدم موجودگی میں کسی دشمن کی طرف سے آپ ﷺ کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے) پس اس خیال سے ہم لوگ سخت مضطرب اور متفکر ہو گئے اور آپ کو ڈھونڈنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے میں گھبراہٹ کے عالم میں رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں روانہ ہوا یہاں تک کہ (چلتے چلتے) انصار کے خاندان بنی النجار کے ایک باغ کے پاس پہنچ گیا جو چار دیواری سے گھرا ہوا تھا اور میں نے اس کے چاروں طرف چکر لگایا کہ (باغ کے) اندر جانے کے لیے مجھے کوئی راستہ (دروازہ) مل جائے

Scanned with CamScanner

لیکن نہیں ملا۔ پھر مجھے پانی کی ایک گول نالی (چھوٹی سی نہر) نظر آئی جو باہر کے ایک کنویں سے باغ کے اندر جاتی تھیں۔ میں سمٹ کر اور سکڑ کر اس نالی کے شگاف سے باغ کے اندر گھس گیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا پہنچا۔ (آپ ﷺ اس باغ کے اندر رونق افروز تھے) آپ ﷺ نے فرمایا:

''ابوہریرہ؟''

میں نے عرض کیا: ''جی ہاں! یارسول اللہ ﷺ میں ہی ہوں''۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم کیسے آئے؟''

میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ ہمارے درمیان تشریف رکھتے تھے، پھر اٹھ کر وہاں سے چلے آئے اور پھر دیر تک آپ واپس تشریف نہ لائے تو ہمیں ڈر ہوا کہ مبادا ہم سے علیحدہ آپ ﷺ کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے۔ اسی اندیشے سے گھبرا کر ہم سب چل پڑے اور سب سے پہلے گھبرا کر میں ہی نکلا تھا یہاں تک کہ اس باغ تک پہنچ گیا اور (جب مجھے کوئی دروازہ نہ ملا تو) لومڑی کی طرح سمٹ سکڑ کر میں (اس شگاف میں سے کسی طرح) گھس آیا ہوں اور دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے آ رہے ہیں۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے نعلین (جوتے) مجھے عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا:

اے اباہریرہ! میرے یہ جوتے لے جاؤ اور اس باغ سے نکل کر جو آدمی بھی تمہیں ایسا ملے جو دل کے پورے یقین کے ساتھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی شہادت دیتا ہو، اس کو جنّت کی بشارت دے دو۔

میں وہاں سے (حضور ﷺ کے نعلین پاک لے کر) چلا تو سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمر سے ہوئی، انہوں نے مجھ سے پوچھا! تمہارے ہاتھ میں یہ دو جوتے کیسے ہیں؟ میں نے کہا: یہ حضور ﷺ کے نعلین پاک ہیں جو آپ ﷺ نے مجھے دے کر بھیجا ہے کہ جو کوئی بھی صدقِ دل سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی شہادت دینے والا مجھے ملے، میں اس کو جنّت کی خوشخبری سنا دوں۔



پس عمر (رضی اللہ عنہ) نے میرے سینے پر ہاتھ مارا جس سے میں اپنی سرینوں کے بَل پیچھے کو گر پڑا اور مجھ سے انہوں نے کہا...... چلو واپس چلو۔

میں روتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آیا اور عمر (رضی اللہ عنہ) بھی میرے پیچھے پیچھے آئے۔

رسول اللہ ﷺ نے (مجھے اس حالت میں دیکھ کر) پوچھا:

''ابوہریرہ! تمہیں کیا ہوا؟''

میں نے عرض کیا کہ عمر مجھے ملے تھے۔ آپ نے جو پیغام دے کر مجھے بھیجا تھا، میں نے انہیں وہ بتایا تو انہوں نے میرے سینے پر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ میں اپنی سرینوں کے بَل گر پڑا اور مجھ سے کہا کہ چلو واپس چلو۔

رسول اللہ ﷺ نے عمر (رضی اللہ عنہ) سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے عمر! تم نے ایسا کیوں کیا؟''

انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا آپ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے نعلین دے کر اس لیے بھیجا تھا کہ جو کوئی دل کے یقین کے ساتھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی شہادت دینے والا اس کو ملے، وہ اس کو جنّت کی بشارت دے دے۔

آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں (میں نے ہی یہ کہہ کے بھیجا تھا) عمر (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا، یارسول اللہ! ایسا نہ کیجئے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں لوگ بس (کلمہ) شہادت ہی پر بھروسہ کر کے (سعی و عمل سے بے پرواہ ہو کر) بیٹھ جائیں (لہٰذا انہیں اسی طرح عمل کرنے دیجیے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو جانے دو''۔ (صحیح مسلم)

## حدیث شریف کی نشر و اشاعت:

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوالدرداء، حضرت زید بن ثابت اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

Scanned with CamScanner

اللہ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جو ہم سے کوئی بات سنے اور دوسروں تک پہنچائے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص سمجھ کی بات کسی ایسے شخص کو پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص خود فقیہ نہیں ہوتا مگر فقہ پہنچانے والا بن جاتا ہے۔

(سُنَنِ ابی داؤد، جامع ترمذی، مُسندِ احمد، سُنن ابن ماجہ، سُنَن دارمی)

کُتبِ حدیث میں اسی طرح کی اور بھی متعدد احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی احادیث (احکام، تعلیمات اور ہدایات) کی اشاعت کو نہ صرف ایک مستحسن کام قرار دیا بلکہ اس کی بار بار تاکید فرمائی اور روایتِ حدیث کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ حضرت ابوہریرہ ؓ کو یہ خاص امتیاز حاصل ہوا کہ جس طرح وہ خود عُلُومِ نبُوّت کے چشمۂ صافی سے سیراب ہوئے، اُسی طرح وہ عمر بھر دوسرے لوگوں کی بھی علمی پیاس بجھاتے رہے۔ انہوں نے فیضانِ نبوی کو وقفِ عام کر دیا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے جہاں بھی کچھ مسلمان مل جاتے وہ ان تک ارشاداتِ نبوی پہنچاتے رہتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ جمعہ کو نماز سے پہلے اس وقت تک حدیثیں بیان کرتے رہتے جب تک امام اپنے حجرے سے باہر نہ آتا۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۳۱۲)

## آپ کثیر الروایت تھے:

فیضانِ نبوی ﷺ سے بہرہ یاب ہونے کے بعد وہ اپنی زندگی میں جہاں بھی رہے یا گئے، احادیثِ نبوی کی نشر و اشاعت میں مشغول رہے۔ مدینہ منوّرہ، مکّہ معظّمہ، بحرین، شام، عراق وغیرہ میں جو وقت گزارا، لوگوں کو ارشاداتِ نبوی ﷺ پہنچاتے رہے۔ بہت سے لوگ خود ان کے پاس پہنچ جاتے اور بڑے ذوق و شوق سے ان سے رسولِ اکرم ﷺ کی احادیث سنتے۔ جو لوگ ان کے پاس آتے وہ خندہ پیشانی سے ان کی پذیرائی کرتے اور ان کو حدیث کا درس دیتے۔ بعض لوگ کئی کئی دن تک ان کے پاس قیام کرتے وہ نہایت خوش دلی سے ان کی میزبانی کرتے اور ان کو احادیث سناتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ ؓ بعض اوقات حدیث کی اشاعت اس طرح بھی کرتے تھے



کہ کسی کو کوئی خلافِ سُنّت کام کرتا دیکھتے تو فوراً ٹوک دیتے اور بتاتے کہ اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کا حکم (یا طریقہ) یہ ہے۔

امام ابنِ ماجہ، ابوالشعثاء سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم مسجد میں حضرت ابوہریرہ ؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ مؤذّن نے اذان کہی۔ ہم میں سے ایک آدمی مجلس سے اٹھا اور مسجد سے باہر چلا گیا۔ ابوہریرہ دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا: اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی (کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اذان کے بعد نماز پڑھے بغیر مسجد سے باہر جانے کی ممانعت فرمائی ہے)

(ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۲، نیز صحیح مسلم، سُنن ابی داؤد، جامع ترمذی و سُنَن نسائی)

ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک خاتون ملی۔ اس کے پیراہن سے خوشبو کی لپیٹ آ رہی تھی۔ انہوں نے اس سے پوچھا: کیا تم مسجد سے آ رہی ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ پھر پوچھا، کیا مخصوص مسجد کے لیے خوشبو لگائی تھی؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔

حضرت ابوہریرہ ؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ وہ عورت جو مخصوص مسجد جانے کے لیے خوشبو لگاتی ہے، اس کی نماز اس وقت تک قبول نہ ہوگی جب تک کہ غسل نہ کر ڈالے (یعنی غسل کر کے اس خوشبو کو دھو نہ ڈالے)

(سُنَن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۲۱)

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ ؓ مدینہ منوّرہ کے بازار سے گزرے۔ لوگوں کو دنیاوی کاموں میں مشغول پایا تو ان کو پکار کر کہا، اے اہلِ مدینہ! تم یہاں بیٹھے ہو اور وہاں رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ لوگوں نے پوچھا، کہاں؟ فرمایا، مسجدِ نبوی میں۔ لوگ بھاگم بھاگ وہاں پہنچے۔ اس اثناء میں حضرت ابوہریرہ ؓ وہیں (بازار میں) کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سب لوگ واپس حضرت ابوہریرہ ؓ کے پاس آ گئے۔ انہوں نے پوچھا: کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا: ہم نے تو مسجد میں کوئی چیز تقسیم ہوتے نہیں دیکھی۔ حضرت ابوہریرہ ؓ نے استفسار کیا، کیا مسجد میں کوئی نہ تھا؟

انہوں نے کہا: کیوں نہیں، بہت سے لوگ تھے، ان میں سے کچھ نماز پڑھ رہے تھے، کچھ قرآن مجید کی تلاوت اور ذکرِ الٰہی میں مشغول تھے اور کچھ حلال وحرام کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔

حضرت ابوہریرہ ؓ نے فرمایا، مجھے تمہاری سمجھ پر افسوس ہے (کہ اس پر بھی تم نہیں سمجھے) یہی تو تمہارے نبی ﷺ کی میراث ہے تم اور کیا چاہتے ہو؟

(سیر اعلام النبلاء جلد۲ صفحہ۴۳۷۔ مجمع الزوائد جلد۱ صفحہ۱۲۳)

## حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصدیق:

مدینہ منوّرہ میں حضرت ابوہریرہ ؓ بالعموم مسجدِ نبوی ﷺ میں بیٹھ کر حدیثیں بیان کیا کرتے تھے۔ لوگ حدیثیں سننے کے علاوہ مسئلے پوچھنے کے لیے بھی ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ تو حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے اصحابِ فضل وکمال بھی سائلوں کو ان کے پاس بھیج دیا کرتے تھے (تاکہ وہ اپنی معلومات اور احادیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں مسائل کا حل بتائیں) کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت ابوہریرہ ؓ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے قریب بیٹھ کر حدیثیں بیان کرتے اور پھر کہتے: ''اُمّ المؤمنین! میری باتیں غلط تو نہیں؟ حضرت ابنِ عباس ؓ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نماز سے فارغ ہو کر فرماتیں، غلط تو نہیں البتہ رسول اللہ ﷺ آپ کی طرح تیزی سے باتیں نہیں کرتے تھے۔ (سوانح حضرت ابوہریرہ ؓ صفحہ۱۴۳)

مشہور تابعی حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ ؓ ہر جمعرات کو انہیں حدیثیں سنایا کرتے تھے۔

بعض اوقات مشتاقانِ حدیث حضرت ابوہریرہ ؓ سے وقت اور جگہ کا تعین کر کے حدیثیں سننے کے لیے حاضر ہوتے۔ حضرت مکحول الدمشقی کا بیان ہے کہ لوگوں نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ ؓ سے طے کیا کہ وہ فلاں رات امیر معاویہ ؓ کے



تعمیر کیے ہوئے فلاں قُبّہ میں آکر ان سے حدیثیں سنیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ ؓ وہاں تشریف لے گئے اور رات بھر لوگوں کی حدیثیں سناتے رہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد۸ صفحہ۱۰۶)

## زیادہ احادیث بیان کرنے کی وجہ:

حضرت ابوہریرہ ؓ احادیثِ نبوی ﷺ کی نشر واشاعت اس لیے نہیں کرتے تھے کہ لوگ انہیں بڑا عالم یا حافظِ حدیث کہیں بلکہ وہ صرف رضائے الٰہی کی خاطر ایسا کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم اگر قرآن میں یہ آیت نہ ہوتی تو میں کبھی کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۙ (البقرہ آیہ:۱۵۹)

**ترجمہ**: بے شک جو لوگ ہمارے حکموں اور ہدایتوں کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض فاسد سے) چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے ان کو اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ ایسوں پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والے لعنت بھیجتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن۔ طبقات ابن سعد جلد۲ صفحہ۵۷)

اس ضمن میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی یہ دو حدیثیں بھی ملاحظہ ہوں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

۱۔ جس نے نفع دینے والے علم کو چھپایا، قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام دی جائے گی۔

۲۔ جس شخص سے کوئی علمی بات پوچھی گئی اور اس نے اسے چھپایا تو اسے روزِ قیامت آگ کی لگام دی جائے گی۔ (فتح الباری جلد۱ صفحہ۲۲۴۔ مسند احمد جلد۱۴ صفحہ۵)

اشاعتِ علم یا حدیث کے سلسلے میں مولانا سید سلیمان ندوی اپنی کتاب ''سیرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا'' میں یوں رقمطراز ہیں:

"صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کے بعد تمام اسلامی ملکوں میں علم کی اشاعت اور اسلام کی دعوت کے لیے پھیل گئے تھے۔ مکّہ معظمہ، طائف، بحرین، یمن، دمشق، مصر، کوفہ، بصرہ وغیرہ بڑے بڑے مرکزی شہروں میں ان مقدس معلّمین کی ایک ایک مختصر جماعت قیامت پذیر تھی۔ خلافت اور حکومت کا سیاسی مرکز ۲۷ برس کے بعد مدینہ مُنوّرہ سے کوفہ اور پھر دمشق کو منتقل ہوگیا تاہم مدینہ مُنوّرہ کی روحانی عظمت اور علمی مرکزیت ان انقلابات سے بھی مِٹ نہ سکی۔ مدینہ پاک میں اس وقت ابنِ عمر ؓ، حضرت ابوہریرہ ؓ، حضرت ابنِ عباس ؓ اور حضرت زید بن ثابت ؓ وغیرہ کی مستقل درسگاہیں قائم تھیں لیکن درسگاہِ اعظم مسجدِ نبوی کا وہ گوشہ تھا جو حجرۂ نبوی ﷺ کے قریب اور زوجۂ رسول ﷺ (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) کے مسکن کے پاس تھا"۔

حضرت ابوہریرہ ؓ کے حجرۂ نبوی ﷺ کے قریب درس دینے کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔ یہاں یہ ذکر کردینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ ؓ کو جہاد فی سبیل اللہ یا بعض دوسرے امور کے سلسلے میں مدینہ مُنوّرہ سے باہر (بحرین، شام وغیرہ) بھی جانا پڑا۔ وہ جہاں بھی گئے، اشاعتِ حدیث کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔

## حفاظتِ حدیث:

کُتبِ حدیث میں بہت سی ایسی احادیث موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے جہاں اپنی احادیث کی نشر و اشاعت کی تاکید فرمائی وہاں ان کی حفاظت اور ان میں جھوٹ کی آمیزش سے اجتناب کی بھی سخت تاکید فرمائی...... اس سلسلے میں چند احاذیث ملاحظہ ہوں۔

حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا نام لے کر جھوٹ نہ بولو کیونکہ جو شخص میرا نام لے کر جھوٹ بولے گا (یعنی میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کرے گا جو میں نے نہ کہی ہو) وہ آگ میں داخل ہوگا۔ (صحیح بخاری)



حضرت ابوسعید خُدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری باتیں روایت کرو اس میں کوئی حرج نہیں مگر جو شخص میری طرف جان بوجھ کر جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے گا۔ (صحیح مسلم)

حضرت سلمہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص میرا نام لے کر وہ بات کہے جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابنِ عباس ؓ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اور حضرت ابنِ مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میری طرف سے کوئی بات بیان نہ کرو جب تک کہ تمہیں علم نہ ہو کہ میں نے وہ کہی ہے کیونکہ جو میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے گا"۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ ؓ، حضرت زبیر ؓ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما اور حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص میرا نام لے کر قصداً جھوٹی بات میری طرف منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے"۔ (صحیح بخاری و جامع ترمذی)

سیدنا حضرت ابوہریرہ ؓ اگرچہ مکثر حدیث تھے اور احادیثِ نبوی کی نشر و اشاعت کا بھی مقدور بھر اہتمام کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی وہ اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ حدیثِ رسول ﷺ میں کوئی دوسری چیز ملنے نہ پائے۔ وہ دوسرے لوگوں کو بھی تلقین کرتے کہ حدیث بیان کرنے میں سخت احتیاط سے کام لو...... رسول اللہ ﷺ کی طرف کوئی غلط بات ہرگز منسوب نہ کرو۔ ابنِ عساکر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت ابوہریرہ ؓ کا معمول تھا کہ بازار میں سے گزرتے تو لوگوں سے مخاطب ہوکر فرماتے:

"لوگو جو شخص مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے۔ جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں ابوہریرہ ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے مجھ سے

قصداً جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا گھر دوزخ میں بنالے"۔ (ابن عساکر جلد ۲۷ صفحہ ۳۸۸)

## حضرت ابوہریرہ ؓ نے بارگہِ رسالت میں پکا پکّا ڈیرہ لگالیا:

حضرت ابوہریرہ ؓ کی کثرتِ روایت کا ایک خاص پس منظر ہے۔ اس کو جاننے کے لیے جلیل القدر صحابیِ رسول حضرت طلحہ بن عبید اللہ ؓ (یکے از عشرہ مبشرہ) کے یہ ارشادات پیشِ نظر رکھنے چاہئیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت طلحہ بن عبید اللہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

"اے ابو محمد! یہ تو بتائیں کہ کیا یہ یمنی شخص (ابوہریرہ) ارشاداتِ نبوی ﷺ کا بڑا حافظ ہے یا آپ لوگ؟ ہم اس سے وہ باتیں سنتے ہیں جو آپ سے نہیں سنتے، کہیں یہ اپنی طرف سے تو حدیثیں (بنا کر) روایت نہیں کرتا؟"

حضرت طلحہ ؓ نے فرمایا:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے بہت سی ایسی حدیثیں سنیں جو ہم لوگوں نے نہیں سنیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم لوگ دولت جائیداد والے تھے۔ ہمارے گھر بار اور اہل وعیال تھے۔ ہم ان میں پھنسے رہتے تھے اور صرف دو مرتبہ صبح اور شام کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر اپنے گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔ اس کے برعکس ابوہریرہ ایک مسکین شخص تھے جو مال ومتاع اور بال بچوں کے جھنجٹ سے آزاد اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیے آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ ہم سب کو یہ یقین ہے کہ انہوں نے ہم سب سے زیادہ احادیثِ نبوی سنیں اور ہم میں سے کسی نے ان پر یہ تہمت نہیں دھری کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے سنے بغیر ان کو بیان کرتے ہیں۔

(ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں، جس آدمی میں نیکی کا شائبہ بھی ہو وہ رسول اللہ ﷺ سے ایسی بات منسوب نہیں کرسکتا جو آپ ﷺ نے نہ فرمائی ہو...... ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں...... ہم نے بھی ابوہریرہ ؓ کی طرح رسول اللہ ﷺ سے



احادیث سنیں مگر انہوں نے ان (سب) کو یاد رکھا اور ہم نے بھلا دیں۔

(ترمذی مناقب ابی ہریرہ، فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۸۷، البدایۃ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۰۹، مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۵۱۲)

حضرت ابوایوب انصاری ؓ وہ عظیم المرتبت صاحب رسول ہیں جن کو رسولِ اکرم ﷺ کے وُرودِ مدینہ (ہجرتِ نبوی) کے بعد آپ ﷺ کی میزبانی کا عظیم شرف حاصل ہوا اور جو بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں حضور ﷺ کے ہم رکاب رہے۔ وہ بعض اوقات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے روایت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے ان سے سوال کیا کہ آپ خود رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں پھر آپ ابوہریرہ سے کیوں روایت کررہے ہی، براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت کیوں نہیں کرتے؟ حضرت ابوایوب ؓ نے فرمایا: بلاشبہ ابوہریرہ نے وہ احادیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں جو ہم نہ سن سکے۔ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جو حدیث میں نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنی اسے آپ ﷺ کی بجائے ابوہریرہ ؓ سے روایت کروں۔ (البدایۃ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۰۹۔ سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۴۳۶)

فقیہ الامّت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک موقع پر حضرت ابوہریرہ ؓ کی کثرتِ روایت کا سبب یہ بتایا کہ "ابوہریرہ ہم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اس لیے وہ سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کی احادیث کے عالم بن گئے"۔ (جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۴۷، مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۵۱۱)

ایک دفعہ مروان بن الحکم کو حضرت ابوہریرہ ؓ کی کوئی بات ناگوار گزری۔ اس نے غصے میں آکر کہا:

"لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ بہت حدیثیں روایت کرتے ہیں حالانکہ آپ صحبتِ نبوی ﷺ میں بہت کم عرصہ رہے اس لیے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے تھوڑی ہی مدّت پہلے مدینہ آئے"۔

حضرت ابوہریرہ ؓ نے جواب دیا:

Scanned with CamScanner

''ہاں یہ درست ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں غزوۂ خیبر کے موقع پر حاضر ہوا، اس وقت میری عمر تیس (۳۰) سال سے کچھ اوپر تھی۔ پھر میں اُس وقت تک سایہ کی طرح آپ ﷺ کے ساتھ رہا، جب آپ دنیا سے رخصت ہوئے، میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے گھروں میں جاتا تھا، آپ کی خدمت کرتا تھا، آپ کے پیچھے نماز پڑھتا تھا۔ آپ ﷺ کی ہمرکابی میں حج کیا، آپ ﷺ کے ساتھ غزووں میں شریک رہتا تھا۔ خدا کی قسم میں دوسرے لوگوں سے زیادہ حدیثوں سے واقف ہوں۔ اگرچہ قریش اور انصار آپ ﷺ کا شرفِ صحبت حاصل کرنے اور ہجرت کرنے میں مجھ سے سبقت رکھتے ہیں لیکن ان کو بارگاہِ رسالت میں میری (مسلسل) حاضر باشی کا اعتراف تھا۔ اس لیے وہ مجھ سے حدیثیں پوچھا کرتے تھے۔ ان پوچھنے والوں میں عمر، عثمان، علی، طلحہ، اور زبیر رضی اللہ عنہم (جیسے اکابر صحابہ بھی) شامل تھے''۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۰۸، الاصابہ جلد ۷ صفحہ ۲۰۵)

ایک اور روایت میں حضرت ابوہریرہ ؓ اپنی کثرتِ روایت کا پسِ منظر یوں بیان کرتے ہیں:

''تم کہتے ہو ابوہریرہ بہت حدیثیں روایت کرتا ہے حالانکہ مہاجرین (صحابہ) ایسا نہیں کرتے۔ اللہ شاہد ہے حقیقتِ حال یہ ہے کہ مہاجرین اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں (کافی) وقت گزارتے تھے۔ لیکن میں ایک مسکین آدمی تھا۔ اپنا پیٹ بھرنے کے سوا مجھے دنیا کی کوئی چیز درکار نہ تھی اس لیے مجھے سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہنے کا موقع میسر آتا۔ جب وہ غیر حاضر ہوتے تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ جب وہ آپ ﷺ کے ارشادات کو بھول جاتے تو میں یاد رکھتا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو اپنی چادر بچھائے اور پھر اسے سمیٹ لے...... ایسے شخص کو مجھ سے سنی ہوئی بات کبھی نہیں بھولے گی۔ میں نے اپنی چادر بچھادی۔ آپ ﷺ گفتگو فرماتے رہے پھر (جب آپ ﷺ نے گفتگو ختم کی)



میں نے چادر کو سمیٹ لیا۔ اللہ کی قسم اس کے بعد میں نے آپ ﷺ کا جو ارشاد بھی سنا اسے کبھی نہیں بھولا''۔ (فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۲۴، مُسند احمد جلد ۱۲ صفحہ ۲۷۰)

## حضرت ابوہریرہ کی قوّتِ حافظہ کا راز:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ ؓ کو ذہانت و فطانت کے ساتھ غیر معمولی قوّتِ حافظہ بھی عطا کی تھی۔ شروع شروع میں رسولِ اکرم ﷺ کے بعض ارشادات حضرت ابوہریرہ ؓ کے ذہن سے محو ہو جاتے تھے۔ یہ بات ان کے لیے سوہانِ روح تھی۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ سے بہت روایات سنتا ہوں لیکن (حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے) آپ کے (بعض) ارشادات بھول جاتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''چادر بچھاؤ''۔

میں نے چادر بچھائی تو آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے لپ بنا کر اس چادر میں ڈال دی۔ پھر فرمایا کہ اس چادر کو لپیٹ کر اپنے سینے سے لگاؤ۔ میں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ اس کے بعد میں کبھی آپ ﷺ کا کوئی ارشاد نہیں بھولا۔

(صحیح بخاری کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۲۲)

علامہ ابوبکر قسطلانی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا سے حضرت ابوہریرہ ؓ میں نسیان کی کمزوری باقی نہ رہی (حالانکہ تھوڑی یا زیادہ یہ کمزوری انسانی فطرت کا خاصہ ہے) درحقیقت ایسا ہونا رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا اور ایسے امور کا عقلِ انسانی احاطہ نہیں کر سکتی۔ (قسطلانی جلد ۱ صفحہ ۲۸۰)

حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ''البدایہ والنّہایہ'' میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

''جو شخص چادر پھیلائے گا یہاں تک کہ میں بات ختم کروں اور پھر اس کو لپیٹ

لے تو یہ شخص کبھی میری کوئی بات نہیں بھولے گا''۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے چادر پھیلائی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات ختم کی۔ پس میں نے چادر کو لپیٹ لیا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کے بعد کوئی روایت (رسول اللہ ﷺ کی فرمائی ہوئی کوئی بات) مجھے نہیں بھولی۔ (البدایۃ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۰۵)

یہ روایت طبقات ابنِ سعد، مُسندِ احمد اور فتح الباری میں بھی موجود ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی شدید خواہش تھی کہ انہیں ایسا علم نصیب ہو جائے جسے وہ کبھی نہ بھولیں۔ ایک موقع پر ان کی یہ خواہش عجیب انداز میں پوری ہوگئی۔ وہ اس طرح کہ ایک دفعہ کوئی شخص حبرُ الاُمّت حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ابوہریرہؓ سے دریافت کرو۔ پھر خود ہی یہ واقعہ سنایا کہ ایک دن میں، ابوہریرہ اور فلاں شخص مسجدِ نبوی میں بیٹھے دعا اور ذکرِ الٰہی میں مشغول تھے کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ہمارے پاس بیٹھ گئے۔ ہم خاموش ہوگئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم لوگ اپنا کام جاری رکھو۔ اس پر میں اور دوسرے شخص نے باآواز بلند دعا مانگی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر ''آمین'' کہا۔ اس کے بعد ابوہریرہؓ بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض پیرا ہوئے:

''بارِالٰہا! جو کچھ میرے ساتھی مجھ سے پہلے مانگ چکے ہیں وہ مجھے بھی عطا کر اس کے علاوہ میں تجھ سے ایسے علم کا سوال کرتا ہوں جو کبھی فراموش نہ ہو''۔

حضور ﷺ نے اس پر بھی آمین کہا۔ پھر میں اور میرے دوسرے ساتھی نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! ہم بھی ایسے علم کا سوال کرتے ہیں جو فراموش نہ ہو''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دَوسی نوجوان اس باب میں تم پر سبقت لے گیا''۔ (بالفاظِ دیگر وہ تو اسی دَوسی نوجوان کے حصہ میں آچکا۔)



(تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۶۶، الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۰۸، البدایۃ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۱۱، فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۲۶)

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ ایک دوسرے صحابی سے ملے تو ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ رات عشاء کی نماز میں کون سی سورۃ پڑھی تھی۔

انہوں نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے پوچھا: کیا تم نماز میں شریک نہیں تھے؟

انہوں نے کہا: شریک تو تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ نے فلاں سورۃ تلاوت فرمائی تھی''۔ (ابنِ عساکر جلد نمبر ۴ صفحہ ۴۸۹)

حضرت ابوہریرہؓ حفظِ احادیث کو عبادت کا درجہ دیتے تھے اور صرف ان کے ایک دفعہ سن لینے ہی کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا اعادہ وتکرار بھی کثرت سے کرتے رہتے تھے۔ خود فرماتے ہیں:

''میں نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک تہائی میں نماز پڑھتا تھا، ایک تہائی میں آرام کرتا تھا اور ایک تہائی میں احادیث کا دَور کیا کرتا تھا''۔

(سُنَنِ دارمی جلد ۱ صفحہ ۸۲)

اپنے قوی حافظہ اور مسموع احادیث کے اعادہ وتکرار کی بدولت وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑھ کر حافظِ حدیث ہوگئے تھے۔ اُن کے مشہور شاگرد حضرت ابوصالح السّمان کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ:

''ابوہریرہؓ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ صحابہ میں سب سے افضل ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ حفظِ حدیث میں سب سے بڑھ گئے تھے''۔ (تذکرہ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۳۴، الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۰۵)

## آپ کے حافظے کا امتحان:

امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں امیرِ مدینہ مروان بن الحکم نے حفظ حدیث کے

معاملے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا امتحان لینا چاہا۔ اس کے لیے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اپنے معتمد یا کاتب ابوالزعیزعہ کو پردے کے پیچھے بٹھا دیا اور اسے حکم دیا کہ میں ابو ہریرہ سے جو احادیث پوچھوں اور وہ جس طرح انہیں روایت کریں تم ان کو لکھتے جانا۔

پھر اس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر حدیثیں پوچھنی شروع کیں۔ وہ بیان کرتے جاتے تھے اور ابوزعیزعہ اُن سے در پردہ لکھتا جاتا تھا۔

ابوزعیزعہ کا بیان ہے کہ ایک سال گزرنے کے بعد مروان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پھر بلایا اور مجھے پسِ پردہ بٹھا دیا۔ مروان ان سے دوبارہ وہی احادیث پوچھنے لگا جو پچھلے سال پوچھ چکا تھا اور جنہیں میں نے لکھ لیا تھا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جواب دیتے رہے اور میں پچھلے سال کی مکتوبہ احادیث دیکھتا رہا یہاں تک کہ تمام احادیث سن لیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بلاکم وکاست تمام احادیث اسی طرح بیان کیں جس طرح پچھلے سال بیان کر چکے تھے۔ یہاں تک کہ ترتیب میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں ''انہوں نے نہ کوئی زیادتی کی اور نہ کسی کلمہ کو آگے پیچھے کیا''۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ''انہوں نے ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف نہ رکھا''۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۴۳۱، ۵۰۸ الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۰۸ البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۰۶)

## آپ نے بعض احادیث کو بیان کیوں نہ فرمایا:

اس میں کوئی شک نہیں کہ سیّدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صحابہٴ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑے راویِ حدیث ہیں۔ اس کے باوصف اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ انہوں نے (مجموعی طور پر) جو احادیث رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم) سے سنیں، وہ ان کی مرویات کی معلوم اور مشہور تعداد (۵۳۷۴) سے کہیں زیادہ ہیں۔ جو روایات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان نہیں کیں ان کی تعداد کسی نے بیان نہیں کی۔ اس سلسلے میں خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کئی احادیث مروی ہیں لیکن ان میں



سے کسی میں بھی ان احادیث کی معیّن تعداد نہیں بتائی گئی جن کو انہوں نے بیان نہیں کیا۔

ایک روایت میں کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو تھیلے سیکھے (یعنی دو قسم کے علوم حاصل کئے) ایک کو میں نے لوگوں میں پھیلا دیا اور دوسرے کو اگر میں پھیلاؤں تو میرا یہ نرخرہ کاٹ ڈالا جائے گا) (صحیح بخاری باب حفظ العلوم جلد ۱ صفحہ ۲۳)

ایک اور روایت میں کہتے ہیں کہ:

''لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ زیادہ حدیثیں روایت کرتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہٴ قدرت میں میری جان ہے اگر میں تم لوگوں کو وہ سب کچھ بتا دیتا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا تو تم مجھے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک دیتے اور پھر مجھے آنکھ بھر کر دیکھنا بھی پسند نہ کرتے''۔

(سوانح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از محمد عجاج الخطیب بحوالہ فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۲۴)

''طبقات ابنِ سعد'' میں ہے کہ ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر عوام النّاس کو بتا دوں تو وہ میری تکذیب کریں گے، کہیں گے کہ ابو ہریرہ پاگل ہو گیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جو کچھ میرے سینے (پیٹ) میں ہے اگر لوگوں کو بتا دوں تو وہ مجھ پر مینگنیاں پھینکنے لگیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ نے سچ کہا، اگر وہ بتا دیتے کہ خانہٴ کعبہ کو گرا دیا جائے گا یا جلا دیا جائے گا تو لوگ اس بات کو ہرگز تسلیم نہ کرتے۔ (طبقات ابنِ سعد جلد ۴ صفحہ ۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعض احادیث بیان نہ کرنے کی علماء نے مختلف توجیہات کی ہیں۔ معین الدّین احمد ندوی سیر الصحابہ (مہاجرین حصہ دوم) میں لکھتے ہیں:

''آپ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) کے دامن کمال میں جس قدر علمی جواہر تھے، سب عام مسلمانوں میں تقسیم کر دیے لیکن وہ احادیث جو فتنہ سے متعلق تھیں اور جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کے طور پر فرمایا تھا، زبان سے نہ نکالیں کہ یہ خوف ابنہ کی

بنیاد بن جاتیں۔فرماتے تھے کہ میں نے احادیث نبوی ﷺ دو ظروف میں محفوظ کی ہیں۔ایک ظرف کی پھیلائیں اگر دوسری کی پھیلا دوں تو میرا نرخرہ کاٹ ڈالا جائے۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن) صوفیہ کہتے ہیں کہ یہ اسرار توحید کی امانت تھے۔ متکلمین کہتے ہیں کہ وہ اسرارِ دین تھے لیکن محدثین کا فتویٰ یہی ہے کہ وہ فتنہ کی حدیثیں تھیں''۔

(مہاجرین حصہ دوم ترجمہ حضرت ابو ہریرہ ص)

مفتی غلام الرحمٰن صاحب اپنی کتاب ''دفاع ابو ہریرہ'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت ابو ہریرہ ؓ کا (بعض روایات) بیان نہ کرنا کتمانِ علم نہیں کیونکہ یہ ایسی روایات تھیں جن کا تعلق فتن اور خاص کر ۶۰ ہجری کے بعد رونما ہونے والے واقعات سے تھا۔ امت میں مثالی اتفاق و اتحاد دیکھ کر اس وقت ان واقعات کی تصدیق کے لیے کوئی تیار نہیں تھا۔ اخوتِ اسلامی کی وجہ سے کوئی شخص یہ تصور نہیں کرسکتا تھا کہ صحابہ رسول ﷺ کے درمیان بھی اختلافات رونما ہوں گے۔ یہ ایسے امور تھے جو عقل کے ادراک سے بلند و بالا تھے اور پھر ان سے احکام کا تعلق بھی نہیں تھا اس لیے حضرت ابو ہریرہ ؓ نے یہ واقعات بیان نہیں کیے تاکہ جھٹلانے کی نوبت نہ آئے''۔(صفحہ ۱۱۱)

عرب کے فاضل شہیر علامہ محمد عجاج الخطیب نے اپنی کتاب ''سوانح حضرت ابو ہریرہ ؓ'' میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ انہوں نے متعدد معتبر کتابوں کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے جن باتوں کا اظہار نہیں کیا تھا، ان کا تعلق نہ تو دینی احکام سے تھا اور نہ آدابِ و اخلاق کے ساتھ، بہت ممکن ہے کہ ان کا تعلق علاماتِ قیامت کے ساتھ ہوگا یا ان فتنوں کے ساتھ جو آگے چل کر امت کو پیش آنے والے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے امراءِ سوء کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا ہو۔ میرے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ ابو ہریرہ ان باتوں کو چھپاتے تھے اور جان کے خطرہ کے باعث ان کا اظہار نہیں کرتے تھے.....حضرت ابو ہریرہ ؓ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ لوگوں کو وہی



باتیں بتائی جائیں جو ان کے یہاں جانی پہچانی ہوں۔ اس لیے کہ غیر معروف باتیں بتانے کی صورت میں اس امر کا خطرہ دامن گیر تھا کہ لوگ ان کو تسلیم نہیں کریں گے اور اس طرح اللہ اور رسول ﷺ کی تکذیب پر اتر آئیں گے۔

امام بخاری حضرت علی ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں کو وہی باتیں بتاؤ جن سے وہ شناسا ہوں۔ کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔

یہ بحث تو بہت طویل ہے ہم یہاں مذکورہ توجیہات کے ضمن میں علامہ محمد عجاج الخطیب کے دیے ہوئے حوالوں پر اکتفا کر رہے ہیں۔

(فتح الباری، البدایہ والنہایہ، سیر اعلام النبلاء، الثقات لابن حبان)

معلوم ہوا کہ ایسی روایات جن کا تعلق احکام شرع سے بالذات نہیں ہے اور ان کو عوام الناس کے سامنے بیان کرنے سے غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، نیز ان کو بیان کرنے سے عوام کے قصور فہم کی وجہ سے تکذیب کا خطرہ ہو ان کو بیان نہ کرنا شرعاً حرام نہیں ہے۔

## حضرت ابو ہریرہ کی مرویات کی کتابت کا مسئلہ:

ابتداءً حضرت ابو ہریرہ احادیث سننے پر ہی اکتفا کرتے تھے لیکن بعد میں آپ نے باقاعدہ ان کی کتابت کا انتظام فرمایا چنانچہ آپ کے ایک شاگرد حضرت حسن بن عمرو کے بیٹے فضل بن حسن فرماتے ہیں کہ میرے والد (حسن) نے حضرت ابو ہریرہ سے ایک حدیث سنی اور کچھ عرصہ بعد عرض کیا کہ میں نے آپ سے ہی یہ حدیث سنی ہے تو آپ نے اس سے لاعلمی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا: اگر تمہاری بات درست ہے تو یہ حدیث ضرور میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی۔ چنانچہ آپ گھر تشریف لے گئے اور ایک رجسٹر نکالا جس میں وہ حدیث لکھی ہوئی تھی۔ (مستدرک للحاکم صفحہ ۵۱۱ جلد ۳)

اور اسی شاگرد کا قول فتح الباری میں درج ہے کہ آپ کے پاس احادیث (کتابت

Scanned with CamScanner

شدہ) کا ایک رجسٹر نہیں تھا بلکہ کئی تھے۔ (صفحہ ۱۴۸ جلد ۱)

(ہوسکتا ہے یہ واقعہ حضرت ابو ہریرہ کی آخری عمر کا ہو اور ایسے شاذ واقعہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کو تو دعائے رسول کی برکت سے نہ بھولنے والا حافظہ عطا ہوا تھا۔ القلیل کالمعدوم.

بعض نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ جہاں تک نفس حدیث کا تعلق ہے تو وہ انہیں یاد تھی اور انہوں نے اس کو سُنا کر تحریری شکل میں محفوظ بھی کر لیا تھا۔ یا پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی ایک آدھ لفظ نے اشکال پیدا کر دیا ہو)

آپ کے ایک اور شاگرد (بشر بن نہیک) کہتے ہیں کہ میں نے بھی حضرت ابو ہریرہ ؓ سے احادیث سُن سُن کر باقاعدہ ایک رجسٹر تیار کیا ہوا تھا اور ایک دن جب میں نے ان کے سامنے وہ تمام احادیث پڑھ کر تصدیق چاہی تو آپ نے فرمایا: ہاں یہ احادیث میں نے ہی تم سے بیان کی ہیں۔

(سنن دارمی باب من من رخص کتاب العلم صفحہ ۳۸۵ جلد ۲)

اسی طرح آپ کے ایک متعدد شاگردوں کے بیانات طحاوی اور حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں درج فرمائے ہیں۔

آپ کے ایک شاگرد ہمام بن منبہ (تابعی) نے الصحیفۃ الصحیحہ کے نام سے ایک رجسٹر مرویات ابی ہریرہ کا تیار کیا جو صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے مشہور ہوا اور جس کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں شامل فرمالیا۔

۲۸۵ھ میں ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم بن عبداللہ نے متعدد صحابہ کرام کی مرویات کو مسانید کی صورت میں جمع کیا اور حضرت ابو ہریرہ کی مرویات کے مجموعہ کا نام "مسند ابی ہریرہ" رکھا۔

## آپ کی مرویات میں اصح الطرق:

حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایات جن واسطوں سے محدثین تک پہنچیں ان میں



آٹھ نو واسطوں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے جن کو سلسلۂ سند کے اعتبار سے مستند اور صحیح ترین سمجھا جاتا ہے اور علم درایت و اسماء الرجال کی دنیا میں ان کو اعلیٰ اور عمدہ مقام کی حاصل قرار دیا گیا ہے چنانچہ ان اصح الاسانید یا اصح الطرق کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

- مالک علیہ الرحمۃ عن الزہری علیہ الرحمۃ عن سعید بن المسیب علیہ الرحمۃ عن ابی ہریرہ ؓ۔
- سفیان بن عیینہ علیہ الرحمۃ عن الزہری علیہ الرحمۃ عن سعید بن المسیب علیہ الرحمۃ عن ابی ہریرہ ؓ۔
- معمر رحمۃ اللہ علیہ عن زہری رحمۃ اللہ علیہ عن سعید بن المُسیَّب عن ابی ہریرہ ؓ۔
- معمر عن ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ عن ابی ہریرہ ؓ۔
- حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ عن ایوب رحمۃ اللہ علیہ عن محمد بن سیرین علیہ الرحمۃ عن ابی ہریرہ ؓ۔
- اسمٰعیل بن ابی الحکم رحمۃ اللہ علیہ عن عبید بن سفیان الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ عن ابی ہریرہ ؓ۔ (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۴۹-۱۵۰)

سُلیمان بن داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایات میں اَصَحّ الاسانید حسب ذیل ہیں:

یحییٰ بن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ عن ابی سلمہ رحمۃ اللہ علیہ عن ابی ہریرہ ؓ۔

ابو الزناد عن اعرج عن ابی ہریرہ ؓ۔

زہری عن سعید بن المُسیَّب رحمۃ اللہ علیہ عن ابی ہریرہ ؓ۔

ابن عون رحمۃ اللہ علیہ عن محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ عن ابی ہریرہ ؓ۔

ایوب رحمۃ اللہ علیہ عن محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ عن ابی ہریرہ ؓ۔

(سوانح حضرت ابو ہریرہ ؓ بحوالہ الکفایہ صفحہ ۳۹۸، تدریب الراوی صفحہ ۲۶ توضیح الافکار جلد ۱ صفحہ ۳۵)

مُحدّث ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایات کی صحیح ترین سند یہ ہے:

حماد بن زید عن ایوب عن محمد بن سیرین عن ابی ہریرہ ؓ۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرویات ابی ہریرہ ؓ میں سب سے معتبر سلسلہ سَند وہ ہے جو محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے نقل ہوا ہو۔ اس کے بعد وہ ہے جو سعید بن المُسَیَّب کے واسطے سے ہم تک پہنچا ہو۔

امام المدینی رحمۃ اللہ علیہ اور ابنِ معین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ ؓ کے ان آٹھ شاگردوں کو اعلیٰ ترین مقام ومرتبہ کا حامل قرار دیا ہے:

محمد بن سیرین، سعید بن المُسَیَّب، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف ؓ، عبدالرحمٰن بن ہرمز المعروف الاعرج، ابوصالح، المقبری، ابورافع، طاؤس رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جن صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایات نقل کی ہیں وہ حضرت انس ؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے تقریباً ستاون ایسے تابعینِ عظام کے واسطے سے مرویاتِ ابی ہریرہ نقل کی ہیں جو ان کی شرائط پر پورے اترتے تھے۔ انہوں نے ''مازوی عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرہ ؓ'' کے سلسلہ سَند کو خاص اہمیت دی ہے۔

سطورِ بالا کا یہ مطلب نہیں کہ جن واسطوں کو اَصَحُّ الطُّرُق سمجھا جاتا ہے ان کے علاوہ جن واسطوں سے روایات ہم تک پہنچی ہیں وہ قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ ان میں سے بھی زیادہ تر روایات صحیح ثابت ہوئی ہیں البتہ بعض جرح وتعدیل کی کسوٹی پر پوری نہیں اتریں اس لیے ضعیف قرار دی گئیں یا ان کی نسبت حضرت ابو ہریرہ ؓ سے غلط یا مشکوک ہے۔



## حضرت ابو ہریرہ ؓ بحیثیت مفتیٔ اسلام:

حضرت ابو ہریرہ ؓ صرف ایک عظیم راویٔ حدیث ہی نہیں تھے بلکہ اپنے دور کے اکابر علماء میں بھی شمار ہوتے تھے۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ علم کا ظرف تھے اور صاحبِ فتویٰ ائمہ کی جماعت میں بلند پایہ رکھتے تھے۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۸)

ایک اور روایت میں زیاد بن مسینا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ ابنِ عباس ؓ، ابنِ عمر ؓ، ابوسعید خُدری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، حضرت ابو ہریرہ ؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ کرام مدینہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۴۳۷)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ فتویٰ دینے میں خاصے محتاط تھے اس لیے ان سے کچھ زیادہ فتاویٰ منقول نہیں ہیں۔ اور وہ صاحب افتاء صحابہ کے طبقۂ متوسط میں شمار ہوتے ہیں۔

ابنِ حزم کا قول ہے کہ:

''حضرت ابوبکر صدیق ؓ، اُمُّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت انس بن مالک ؓ، حضرت ابوسعید خُدری ؓ، حضرت ابو ہریرہ ؓ اور حضرت عثمان بن عفان ؓ اُن صحابہ میں شمار کیے جاتے ہیں جو فتویٰ دینے میں متوسط تھے''۔

(اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۱۲)

مختصر یہ کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ کا بہت سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں فتویٰ دینا قوی شواہد سے ثابت ہے۔ ایک روایت کے مطابق وہ سالہا سال تک دینی مسائل میں فتویٰ دیتے رہے حالانکہ اس وقت اکابر صحابہ کی ایک معقول تعداد بقیدِ حیات تھی۔

علامہ سید سلیمان ندوی اپنی کتاب ''سیرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا'' میں لکھتے ہیں:

Scanned with CamScanner

"مدینہ طیبہ اکابر صحابہ کا مرکز تھا۔ خلافتِ شیخین تک حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت اُبی بن کعب، حضرت ابوذر، حضرت ابودرداء، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کاشانہ اسلام کے اساطینِ علم وفتویٰ تھے۔ حضرت عثمان ؓ کے عہد میں ان میں سے اکثر نے وفات پائی۔ ان کے بعد نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ جس کے سرِ عسکر حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم تھے"۔ (سیرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا زیرِ عنوان افتاء)

اسی کتاب میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابوہریرہ ؓ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، زیادہ تر یہی چار بزرگوار فقہ وفتاویٰ کی مجلس کے مسند نشین تھے۔ غیر منصوص احکام کے فیصلہ میں ان چاروں بزرگوں کے پیشِ نظر مختلف اصول تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ ؓ کا مسلک یہ تھا کہ پیش شدہ مسئلہ کے متعلق اگر کتاب وسنت واثر سے کوئی جواب معلوم ہوجاتا تو سائل کو بتادیتے۔ اگر کوئی آیت یا حدیث یا خلفائے سابقین کا اثر معلوم نہ ہوتا تو خاموش رہ جاتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایسی حالت میں گزشتہ منصوص احکام یا فیصلہ شدہ مسائل پر ہر جدید مسئلہ کو قیاس کرکے اس کا جواب اپنی عقل کے مطابق جو سمجھ میں آتا بتا دیتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استنباط کا اصول یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے قرآن مجید پر نظر کرتی تھیں اگر اس میں کامیابی نہ ہوتی تو احادیث کی طرف رجوع کرتیں پھر قیاسِ عقلی کا درجہ تھا"۔ (سیرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا زیرِ عنوان فقہ وقیاس)



## فتویٰ سے رجوع کرنا:

حضرت ابوہریرہ ؓ میں علمی پندار کا شائبہ تک نہ تھا اور وہ اپنے کسی فتوے کو کبھی اپنی انا کا مسئلہ نہیں بناتے تھے۔ اگر ان کے کسی فتوے پر کسی طرف سے استدراک کیا جاتا اور جس بنیاد پر انہوں نے فتویٰ دیا ہوتا اس کے خلاف قوی دلیل یا شہادت پیش کردی جاتی تو وہ اسے خوش دلی سے قبول کرلیتے اور اپنے فتوے سے رجوع کرلیتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے وعظ میں بیان کیا کہ اگر ایامِ صوم میں کسی کو صبح نہانے کی ضرورت پیش آجائے۔ (یعنی حالتِ جنابت میں اس کو صبح ہوجائے) تو اس دن وہ روزہ نہ رکھے۔ لوگوں نے جاکر اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اُمّ المؤمنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل اس کے خلاف تھا۔ لوگوں نے حضرت ابوہریرہ ؓ کو اُمّہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے مؤقف سے آگاہ کیا تو انہوں نے اپنے فتوے سے رجوع کرلیا۔ (صحیح مسلم ومؤطا امام مالک کتاب الصوم)

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت ابوہریرہ ؓ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مؤقف سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ مجھ سے بہتر جانتی ہیں۔ میں نے یہ حدیث خود رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنی بلکہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنی تھی۔ گویا حضرت فضل ؓ سے سنی ہوئی حدیث کی بناء پر انہوں نے فتویٰ دیا تھا جس سے رجوع کرلیا کیونکہ اُمّہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی شہادت بہرصورت حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے زیادہ معتبر تھی۔

بعض فقہاء نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی یہ توجیہ کی ہے کہ شروع میں یہی حکم تھا لیکن بعد میں منسوخ ہوگیا۔ حضرت فضل ؓ کو اس نسخ کا علم نہ

تھا۔اس لیے انہوں نے یہ حکم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کر دیا۔ان کو بھی اس حکم کے منسوخ ہونے کا علم نہ تھا۔اس لیے اسی کے مطابق فتویٰ دیا۔جب اُمّہاتُ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے ذریعے صحیح صورتِ حال سامنے آئی تو انہوں نے بلا تامّل اپنے فتوے سے رجوع کر لیا۔

(سوانح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از محمد عجاج الخطیب بحوالہ اخبار اہل الرسوخ فی الفقہ والتحدیث صفہ ۲۹ بمقدار منسوخ من الحدیث)

## حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بحیثیت فقیہ اسلام:

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار پر مُتقدِمین اور مُتاخِرین (اربابِ علم) نے بہت کچھ لکھا ہے۔ان میں سے بعض نے ان کی فقاہت کے بارے میں طویل بحثیں کی ہیں۔کچھ نے تو ان کو بلند پایہ فقیہ قرار دیا ہے اور بعض نے ان کے فقیہ ہونے سے انکار کیا ہے۔ہمارے نزدیک مناسب یہ ہے کہ اس بحث میں الجھنے کے بجائے راہِ اعتدال اختیار کی جائے۔جب ہم دیکھتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دینی مسائل میں فتویٰ دیا کرتے تھے اور بعض مواقع پر انہوں نے قاضی کے فرائض بھی انجام دیے تو پھر ان کے فقیہ ہونے سے یکسر انکار کرنے کا کوئی جواز نہیں، البتہ یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے فقہاءِ صحابہ کے ہم پلّہ فقیہ نہیں تھے۔یا یوں کہہ لیجیے کہ ان کو فقیہ ہونے کی حیثیت سے وہ شہرت حاصل نہیں ہوئی جو بعض دوسرے فقہاءِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوئی۔

حافظ ابنِ قیم نے فقہاءِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جو فہرست مرتب کی ہے اس میں انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام طبقۂ ثانیہ میں پیش کیا ہے۔

(اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۳۵)

سلیمان ندوی ''سیرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا'' میں لکھتے ہیں:

''مکثرینِ روایت میں جن سات بزرگوں (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت



عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ) کے نام داخل ہیں۔ان میں پانچ اصحاب اصولیین کے نزدیک صرف روایت گُش سمجھے جاتے ہیں۔ان کا شمار فقہائے صحابہ میں نہیں ہے۔چنانچہ روایت کا جو ذخیرہ اس وقت ہمارے پاس موجود ہے اس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ سے کوئی فقہی اجتہاد اور قرآن وسُنّت سے کسی غیر منصوص مسئلہ کا استنباط ثابت نہیں''۔ (سیرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا زیرِ عنوان حدیث)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اصولِ فقہ کی بعض کتابوں میں جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو فقہاء میں شمار نہیں کیا گیا، ان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں لیکن دوسری طرف اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جمہور علماءِ اہلِ سُنّت کا ان بزرگوں کی جلالتِ علمی پر اتفاق ہے اور کُتبِ سِیَر میں ان کی فقاہت کا برملا اعتراف کیا گیا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا تو لقب ہی ''فقیہ الاُمّت'' ہے۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو اپنے دَور کا بہت بڑا فقیہ سمجھا جاتا تھا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فقہ و اجتہاد میں درجۂ کمال پر فائز تھے۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما تفسیر حدیث اور فقہ میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیسیوں فقہی احکام و مسائل مروی ہیں۔یہ تمام اصحاب سالہا سال تک درس و افتاء کی مسندوں پر رونق افروز رہے۔ان کے تراجم میں مختلف قسم کے مسائل میں قرآن وسُنّت سے استنباط کی مثالیں بھی موجود ہیں اور فقہی اجتہاد کی بھی۔اس لیے ان اصحاب کو فقیہ تسلیم نہ کرنا انصاف سے بعید ہے جو اصولیین ان کو غیر فقیہ قرار دیتے ہیں ہم آنکھیں بند کر کے ان کی رائے قبول کرنے کے

مکلّف نہیں ہیں۔ اگر یہ بزرگ کسی سائل کے استفتاء کے جواب میں سکوت اختیار کرتے تھے یا انہیں کسی دوسرے صحابی (یا صحابیہ) کے پاس بھیج دیتے تھے تو اس کی کئی وجوہ ہوسکتی ہیں۔ مثلاً وہ پیش شدہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں کے بارے میں اتنا علم یا معلومات نہیں رکھتے تھے کہ سائل کو مطمئن کر سکیں۔ یہ ان کی عظمت کی دلیل تھی کہ اپنے آپ کو ''ہمہ دان'' ثابت کرنے کی کبھی کوشش نہیں کرتے تھے اور جس مسئلہ کے بارے میں پورا علم نہ ہوتا اس میں فتویٰ صادر کرنے سے احتراز کرتے تھے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس مسئلہ کے حل کے لیے اپنے ہمعصر کسی دوسرے صحابی یا صحابیہ کو موزوں سمجھتے ہوں اس لیے سائل کو ان کے پاس بھیج دیتے ہوں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بعض صحابہ کسی خاص علم میں خصوصی مہارت رکھتے تھے اور اس علم سے متعلقہ مسائل میں لوگ ان کو حُجّت (AUTHORITY) تسلیم کرتے تھے۔ مثلاً حضرت زید بن ثابت انصاری ؓ علم الفرائض میں، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، علم اسرار الدّین اور فقہ و قیاس میں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر قرآن میں۔ لہٰذا کسی صاحبِ افتاء صحابی نے خود کسی مسئلہ میں فتویٰ دینے کے بجائے سائل کو کسی دوسرے صحابی (یا صحابیہ) کے پاس بھیج دیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خود فقیہ نہیں تھے...... ہمارے خیال میں تو صحابہ کے مبارک دَور میں کسی صاحبِ رسول ﷺ کا مَسنَدِ قضا یا مَسنَدِ افتاء پر بیٹھنا ہی ان کی فقاہت کی سب سے بڑی دلیل تھی۔ آخر ہزاروں دوسرے صحابہ بھی تو موجود تھے وہ کیوں فتویٰ نہیں دیتے تھے؟ یہ درست ہے کہ بعض فقہی مسالک کے علماء نے حضرت ابو ہریرہ ؓ کی بعض احادیث پر عمل کرنے کے بجائے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی احادیث پر عمل کیا ہے لیکن اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ فقیہ نہیں تھے کیونکہ بعض دوسرے مُسلّمہ فقہاءِ صحابہ کی بعض احادیث سے بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ دراصل ایسے اختلافات کے مختلف اسباب ہیں جن پر بحث کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔



## حضرت ابو ہریرہ صاحبانِ علم و فضل کی نظر میں:

اسی طرح آنحضور ﷺ کا سحابِ لطف و کرم ان پر جُھوم جُھوم کر برستا رہتا تھا، اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ اب ہم چند صُلحائے اُمّت کی آراء یہاں درج کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ ان بزرگوں کے نزدیک روایتِ حدیث اور علم و فضل میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔

۱۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ ؓ (یکے از عشرہ مبشرہ) کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا:

''اے ابو محمد! کیا یہ یمنی شخص (ابو ہریرہ) آپ سے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہے۔ ہم تو اس سے ایسی روایات سنتے ہیں جو آپ اصحاب سے نہیں سنتے (کیا اس کی روایتیں واقعی رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں یا) کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اپنی باتیں رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر کے بیان کر رہا ہو''۔

حضرت طلحہ ؓ نے فرمایا:

''خبردار! اس نے رسول اللہ ﷺ سے ایسی روایات سنی ہیں جو ہم نے نہیں سنیں''۔ (جامع ترمذی جلد۲ صفحہ۲۴۷)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت طلحہ ؓ نے فرمایا:

''ابو ہریرہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا وہ ہم نے بھی سنا مگر ہم بھول گئے اور اس نے یاد رکھا''۔ (فتح الباری جلد۸ صفحہ ۷۷)

۲۔ سلیم بن الاسود رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مدینہ مُنوّرہ آیا۔ وہاں میری ملاقات حضرت ابو ایوب انصاری ؓ (میزبانِ رسول ﷺ) سے ہوئی جو حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایات بیان کر رہے تھے۔

Scanned with CamScanner

میں نے ابوایوب رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوایوب! آپ ابوہریرہ سے روایت کر رہے ہیں حالانکہ آپ خود بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک مقام رکھتے ہیں۔ (اس لیے آپ خود اپنی طرف سے کیوں روایت نہیں کرتے)

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بے شک ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ کچھ سنا جو ہم نہ سن سکے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث نہیں سنیں، مجھے بہت پسند ہے کہ میں ان کو ابوہریرہ سے روایت کروں''۔

(دفاعِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از مولانا مفتی غلام الرحمٰن صفحہ ۱۰۷ بحوالہ الرد القویم علی المجرم الاثیم صفحہ ۲۹۴ از حمود بن عبداللہ)

۳۔ فقیہ الاُمّت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ:

''ابوہریرہ! آپ ہم سے زیادہ صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رہے، اس لیے ہم سب سے بڑھ کر حدیث کے عالم ہیں''۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۴۷، مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۵۱۰)

۴۔ سید القرّاء حضرت اُبی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''ابوہریرہ بڑے جری تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ باتیں بھی پوچھ لیا کرتے تھے جن کے دریافت کرنے کی ہمیں جرأت نہیں ہوتی تھی''۔

۵۔ ایک دفعہ ایک شخص نے حبرُ الاُمّۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس موجود تھے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا، اس کو جواب دیجئے، بڑا مشکل مسئلہ آپ سے دریافت کیا گیا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۴۳۷، تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۲۶۶)

۶۔ حبرُ الاُمّت کاتبُ الوحی حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے کوئی بات پوچھی تو انہوں نے فرمایا: ابوہریرہ کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑو۔ (یعنی یہ بات یا مسئلہ ان سے دریافت کرو۔)



(تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۲۶۶، سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۴۳۷)

۷۔ محمد بن عمارہ بن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مجھے ایک مجلس میں جانے کا اتفاق ہوا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ موجود تھے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان کو حدیثیں سنا رہے تھے۔ جب کسی کو حدیث کے الفاظ بھول جاتے تو وہ ابوہریرہ سے دریافت کرتے۔ مجھے اس دن معلوم ہوا کہ ابوہریرہ تمام صحابہ میں عظیم حافظِ حدیث ہیں۔ (فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۲۵)

۸۔ اعمش، ابوصالح السمان سے روایت کرتے ہیں کہ ابوہریرہ تمام صحابہ میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ ابوہریرہ صحابہ میں سب سے افضل ہیں بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ سب سے بڑھ کر حافظِ حدیث ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۳۴، ابنِ عساکر جلد ۴۷ صفحہ ۳۸۲)

۹۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۸)

۱۰۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ علم کا ظرف تھے اور صاحبِ فتویٰ ائمہ کی جماعت میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۸)

۱۱۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے آٹھ سو اصحابِ علم نے استفادہ کیا۔ وہ اپنے عہد میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔

۱۲۔ حافظ ابنِ البر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب جلد ۴ صفحہ ۳۱۵)

۱۳۔ ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے ہم عصر رُواۃ میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی نے حدیث کا اتنا ذخیرہ فراہم نہیں کیا جتنا کہ آپ نے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کی کثرتِ روایت پر محدّثین کا اتفاق

ہے۔(الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۴، تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۲۶۶)

۱۴۔ امام ابنِ تیمیہ لکھتے ہیں کہ:

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تمام اُمّت کے نامور حافظِ حدیث تھے۔ انہوں نے حدیث کی ایسی روایت کی جیسی سنی۔(دفاعِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحوالہ الرد القویم علی المجرم الاثیم صفحہ ۲۶۰)

۱۵۔ حافظ ابنِ قیم اپنے شیخ امام ابنِ تیمیہ کی رائے کی موافقت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وہ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) علی الاطلاق حافظِ اُمّت تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے جو احادیث روایت کی ہیں، وہ صحیح ہیں''۔

(دفاعِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحوالہ الرد القویم علی المجرم الاثیم صفحہ ۲۶۰)

۱۶۔ حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حفظ و اتقان، امانت و دیانت، زہد و عبادت اور عملِ صالح کا زندہ پیکر تھے۔ انہوں نے بکثرت احادیث روایت کیں۔ ان کا شمار حفاظِ حدیث صحابہ کے زُمرہ میں ہوتا ہے۔(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۱۰)

۱۷۔ یحییٰ بن ابی بکر عامری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اصحابِ صُفّہ کے سردار تھے۔ وہ فقر و فاقہ اور صبر میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کو رسول اللہ ﷺ سے بے حد عقیدت اور محبت تھی۔ انہوں نے آپ ﷺ کے دامنِ اقدس کو کبھی نہ چھوڑا۔ حضور ﷺ کی متواتر صحبت اور حفظ و ضبط کے اوصاف کی بناء پر وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ وہ ثِقہ راوی، عظیم حافظ، ذہین و فطین بلند پایہ مفتی اور صاحبِ قیام وصیام تھے''۔(سوانح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از محمد عجاج الخطیب بحوالہ الریاض المطابہ صفحہ ۷۰)

۱۸۔ مشہور مؤرخ ابن العماد حنبلی (متوفی ۱۰۸۹ھ) کا بیان ہے کہ:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بڑے عابد شب زندہ دار اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنے والے تھے۔ اس کے ساتھ اللہ نے ان کو اَخلاقِ حَسَنہ سے بھی نوازا تھا۔ وہ مدینہ



کے امیر رہ چکے تھے۔ صحابہ میں عظیم حافظِ حدیث اور کثیر الرِّوایت تھے۔

(سوانح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از محمد عجاج الخطیب بحوالہ شذرات الذہب جلد ۱ صفحہ ۶۳)

۱۹۔ تیسری صدی ہجری کے یگانۂ روزگار محدّث، فقیہ اور مجتہد امام ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ (۲۲۳-۳۱۱ ہجری) لکھتے ہیں کہ:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث وہی لوگ تسلیم نہیں کرتے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اندھا کر دیا ہو اور وہ ان احادیث کے مطالب و معانی سمجھنے سے قاصر ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کے منکرین کی چند قسمیں یہ ہیں:

۱۔ فرقہ جہمیہ و مُعَطِّلہ

۲۔ خوارج

۳۔ قدریہ (منکرینِ تقدیر)

۴۔ جہلاء...... یہ وہ لوگ ہیں جو جاہل ہونے کے باوجود اپنے آپ کو فقیہ سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی (بعض مرویات) کو اپنے مسلک کے خلاف دیکھتے ہیں تو ان کو رَدّ کر دیتے ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کے اعتراضات کرنے لگتے ہیں اور جب ان کی (بعض) مرویات کو اپنے مسلک کے مطابق پاتے ہیں تو ان کو تسلیم کر لیتے ہیں''۔

(مستدرک حاکم، جلد ۳ صفحہ ۵۱۳)

۲۰۔ مشہور مصری عالم علامہ محمد عجاج الخطیب اپنی تصنیف ''سوانح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ'' کے آخر میں لکھتے ہیں:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں عظیم ترین حافظِ حدیث تھے۔ علم و فضل اور اخلاق میں بہت بلند پایہ تھے۔ آپ نے اپنے حفظ و ضبط اور اتقان کی بدولت اہلِ اسلام کے لیے ان کے دین کو محفوظ کر دیا۔ اس لیے آپ کا شمار ان اکابر و اعلام صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے جنہوں نے دینِ حنیف کی حفاظت اور

Scanned with CamScanner

اس کی نشر واشاعت میں زبردست حصہ لیا اور تاریخِ اسلام نے علماء عظام کے زُمرہ میں ان کے اسمِ گرامی کو تا اَبَد محفوظ کرلیا۔ رَضِیَ اللّٰہُ وَاَرْضَاہُ.

(اردو ترجمہ غلام احمد حریری)

## حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی نجی زندگی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا رنگ گندمی (سفید و سرخ) دانت چمکدار اور اوپر کے اگلے دو دانتوں (ثنایا علیا) میں ذرا سا فاصلہ تھا۔ آپ کی چھاتی چوڑی یعنی دونوں کندھوں کے درمیان خاصی کشادگی تھی۔ سر پر زلفیں رکھتے جو دو حصوں میں منقسم ہو کر کندھوں پر آجاتیں، آپ کے بال سفید اور ریشم کی طرح نرم تھے ان پہ سُرخ اور کبھی زرد خضاب کیا کرتے۔ (باختلاف روایات) سیر اعلام النبلاء، الاصابہ، سیر الصحابہ۔

آپ کا لباس عموماً سادہ ہوتا کہ صرف دو رنگے ہوئے کپڑے پہنتے خوشحالی کے زمانے میں کبھی کبھی تحدیث نعمت کے طور پر کتان وغیرہ کے قیمتی کپڑے پہن لیتے۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک قیمتی (کتان کے) کپڑے سے ناک صاف کی اور فرمایا: واہ واہ ابوہریرہ! آج تم ان قیمتی کپڑوں سے ناک صاف کر کے پھینکتے ہو، وہ وقت بھی یاد کرو کہ پہننے کو پورے کپڑے میسّر نہ ہوتے تھے اور بھوک و پیاس کی وجہ سے تیری یہ حالت ہوتی تھی کہ لوگ تجھے دیوانہ سمجھتے تھے۔

سر پر سیاہ رنگ کا عمامہ شریف پہنتے تھے۔

(طبقات ابن سعد صفحہ ۵۳ جلد ۲، سیر اعلام النبلاء صفحہ ۴۲۶ جلد ۲، عن خباب بن عروہ)

آپ نے صرف ایک نکاح کیا وہ بھی عہد رسالت کے بعد، آپ کی بیوی کا نام بُسرہ بنت غزوان تھا جو حضرت عتبہ بن غزوان (مشہور صحابی) کی بہن تھیں اور عرب کے ایک معزز قبیلے بنو مازن سے تعلق رکھتی تھیں۔ جس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اللہ کا شکر ادا کرتے تھے کہ ایک معزز خاندان میں میری شادی ہوئی ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ شادی سے پہلے انہی کے ملازم تھے کہ شادی کے بعد جن کے



شوہر ہو گئے۔ (دیکھئے الاصابہ صفحہ ۲۵۲ جلد ۴، طبقات ابن سعد صفحہ ۳۲۶ جلد ۴)

صحیح بخاری اور سنن نسائی میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جوان آدمی ہوں اور اپنے نفس سے ڈرتا بھی ہوں کہ کہیں کسی گناہ میں ملوث نہ ہو جاؤں اور شادی کی طاقت بھی نہیں رکھتا، لہٰذا آپ مجھے خصّی ہو جانے کی اجازت دے دیں۔ حضور علیہ السلام نے میری بات سن کر سکوت فرمایا۔ میں نے پھر یہی عرض کیا تو آپ نے فرمایا: اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو ہونا ہے ہو کر رہے گا خواہ تم خصّی ہو جاؤ یا نہ ہو۔ (یہ واقعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے تقویٰ اور خوف خدا پر دلالت کرتا ہے کیونکہ آپ نے اپنا زمانۂ تجرد نہایت صبر و ضبط اور پرہیزگاری کے ساتھ گزارا)

(بخاری جلد ا صفحہ ۷۵۹۔۷۶۰، نسائی صفحہ ۶۹ جلد ۲ طبع مصر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تین لڑکے (محرر، عبدالرحمٰن اور بلال) تھے اور ایک لڑکی تھی جن کا نام تو کسی روایت میں نہیں ملتا البتہ یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کی شادی رئیس التابعین حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔

## خوف خدا اور فکرِ آخرت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں شفیا الاصبحی علیہ الرحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ مدینہ منورہ میں ایک شخص کے گرد بہت سارے لوگوں کو جمع دیکھ کر پوچھا کہ لوگ کس کے گرد جمع ہیں تو مجھے بتایا گیا کہ صحابی رسول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے گرد۔ میں بھی آگے بڑھا اور ادب سے بیٹھ گیا حضرت ابوہریرہ لوگوں کو احادیث سناتے رہے اور جب لوگ سُن سنا کر چلے گئے تو میں نے عرض کیا: مجھے حضور علیہ السلام کا وہ ارشاد سنایئے جو آپ نے خود سُنا، سمجھا اور جانا ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچھا میں تجھے ایسی ہی حدیث سناتا ہوں۔ بس یہ کہا، چیخ ماری اور بیہوش ہو گئے، جب ہوش آئی تو پھر کہا کہ میں تجھے ایسی حدیث سناتا ہوں کہ جب وہ حدیث حضور

نے بیان فرمائی تو میرے علاوہ آپ کے پاس کوئی نہ تھا۔ اتنا کہا اور پھر چیخ ماری، غش کھا کر منہ کے بل گر گئے۔ میں کافی دیر آپ کو سہارا دیتا رہا اور جب آپ کو ہوش آیا تو فرمایا کہ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا تھا ''قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا تو سب سے پہلے تین آدمی پیش کیے جائیں گے جن میں ایک عالم قرآن دوسرا شہید اور تیسرا سخی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ عالم سے پوچھا گا، کیا میں نے تجھے قرآن کی تعلیم کی توفیق نہیں دی تھی؟ وہ کہے گا: ہاں۔ اے میرے اللہ! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے اس پر عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں دن رات قرآن کی تلاوت کرتا رہا۔ تو اللہ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو تلاوت اس لیے کرتا تھا تا کہ لوگ تجھے قاری کہیں۔ سو ایسا ہی ہوا اور تجھے لوگوں سے قاری کا خطاب مل گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ مالدار (سخی) سے سوال کرے گا: کیا میں نے تجھے مال و دولت دے کر لوگوں کی محتاجی سے بے نیاز نہیں کیا تھا۔

وہ کہے گا: بے شک میرے اللہ۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے یہ مال کیسے صَرف کیا؟

وہ کہے گا: میں صلۂ رحمی کرتا تھا، صدقہ و خیرات کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو جھوٹا ہے، تیرا مقصد تو اس مال کے خرچ کرنے سے یہ تھا کہ لوگ تجھے بڑا سخی اور فیاض کہیں اور تیری آرزو کے مطابق لوگوں نے تجھے ایسا کہا۔

پھر اللہ تعالیٰ میدانِ جہاد کے مقتول سے پوچھے گا کہ تو کیوں قتل ہوا؟

وہ کہے گا: اے اللہ! تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا۔ پس میں نے جہاد کیا اور مارا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو جھوٹ کہتا ہے تو نے میری راہ میں جہاد نہیں کیا بلکہ اس لیے لڑا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں اور یہ خطاب تو لوگوں سے پا چکا۔

یہ حدیث بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے میرے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا: ابو ہریرہ!



سب سے پہلے ان تینوں کے لیے جہنم کی آگ دہکائی جائے گی۔

(جامع ترمذی باب ما جاء فی الریاء والسمعۃ صفحہ ۶۱) صحیح مسلم میں یہ حدیث ذرا مختلف طریقے سے بیان کی گئی ہے لیکن مفہوم ایک ہی ہے۔)

ایک دفعہ ان کی ایک حبشی خادمہ نے ان کو بہت پریشان کیا۔ غصے میں آ کر اس کو مارنے کے لیے چابک اٹھایا لیکن خوفِ آخرت غالب آ گیا۔ چابک ہاتھ سے رکھ کر فرمانے لگے اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ قیامت کے دن مجھ سے بدلہ لیا جائے گا تو میں تمہیں اس چابک کے ساتھ مارتا جاؤں لیکن میں نے اللہ کی رضا کی خاطر تمہیں آزاد کیا۔

(البدایۃ و النہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۱۲)

ایک دفعہ ان کی بیٹی نے کہا: ابا جان! لڑکیاں مجھے طعنے دیتی ہیں کہ تمہارے والد تمہیں زیور کیوں نہیں پہناتے۔ فرمایا: بیٹی ان سے کہو کہ میرا باپ اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں مجھے جہنم کی آگ میں نہ جلنا پڑے۔ (البدایۃ و النہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۱۱)

وفات سے پہلے علالت کے دوران حضرت ابو ہریرہ ؓ بہت روتے تھے۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا، میں اس لیے روتا ہوں کہ آخرت کا سفر طویل ہے اور میرے پاس زادِ راہ کم ہے، اس وقت میں جنّت و دوزخ کے نشیب و فراز میں ہوں، معلوم نہیں کس راستے پر جانا پڑے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۲)

## حُبِ رسول ﷺ:

حضرت ابو ہریرہ ؓ کو رسولِ اکرم ﷺ سے بے پناہ عقیدت اور محبت تھی۔ وطن سے ہجرت کے بعد حضورِ اکرم ﷺ کے دامنِ اقدس سے ایسے وابستہ ہوئے کہ آپ ﷺ سے تھوڑی دیر کی جدائی بھی آپ پر شاق گزرتی تھی۔ عہدِ رسالت میں وہ کچھ مدت کے لیے حضرت علاء بن عبداللہ حضرمی ؓ کے ساتھ بحرین گئے۔ حضور ﷺ سے یہ جدائی انہوں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں برداشت کی۔ ایک دفعہ حضور ﷺ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ! آپ کا دیدار میری زندگی اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے''۔

(مُسندِ احمد جلد۲ صفحہ۴۹۳)

وہ زیادہ سے زیادہ وقت بارگاہِ رسالت میں گزارتے تھے اور آپ ﷺ کی زیارت، معیّت اور خدمت کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ وہ ہر اس شخص سے بھی محبت کرتے تھے جو حضور ﷺ کو عزیز ہوتا تھا۔

ایک دن حضور ﷺ نے ان کے سامنے اپنے نواسے سیّدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی گود میں اٹھا کر فرمایا:

''الٰہی میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب رکھ اور اس کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ''۔

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا: ذرا اپنے پیٹ پر سے کپڑا تو اٹھایئے میں اس پر اُس جگہ بوسہ دوں گا جس جگہ کو چُومتے میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ انہوں نے کپڑا اٹھایا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی ناف پر بوسہ دیا۔ (مُسندِ احمد جلد۱۳ صفحہ۱۹۵)

ایک دن رسولِ اکرم ﷺ نے کسی بات پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تنبیہ کے لیے چابک اٹھایا (لیکن پھر اسے رکھ دیا)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اگر حضور ﷺ مجھے یہ چابک مارتے تو یہ سزا میرے لیے سرخ اونٹوں کے مل جانے سے بھی بہتر ہوتی۔ مجھے امید ہے کہ میں مؤمن ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی دعا میرے حق میں مقبول ہے''۔ (البدایۃ والنہایہ جلد۸ صفحہ۱۰۵)

سیّدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روتے ہوئے پکار پکار کر کہتے تھے، لوگو! آج جی بھر کر رو لو کہ رسول اللہ ﷺ کا محبوب دنیا سے رخصت ہو گیا۔ (تہذیب التہذیب جلد۲ صفحہ۳۰۱)

ایک دفعہ ان کے سامنے بکری کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا گیا۔ انہوں نے یہ کہہ کر



اس کے کھانے سے معذرت کر دی کہ رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے مگر آپ ﷺ نے کبھی جَو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہ کھائی۔ (صحیح بخاری کتاب الاطعمہ)

## حضور علیہ السلام کی سُنّت کا اِتّباع:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسولِ اکرم ﷺ کے شبانہ روز فیضِ صحبت نے ایک ایسا مثالی مردِ مومن بنا دیا تھا کہ وہ ہر کام میں حضور ﷺ کے اسوۂ حَسَنہ کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ عبادات میں بھی آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتے تھے اور معاملات میں بھی لفظ بہ لفظ آپ ﷺ کے ارشادات کی تعمیل اور آپ ﷺ کے طرزِ عمل کا اِتّباع کرتے تھے۔ ساتھ ہی لوگوں کو بھی برابر اس کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ کسی کو کوئی خلافِ سُنّت کام کرتے دیکھتے تو فوراً ٹوک دیتے اور جو کچھ اس بارے میں رسولِ اکرم ﷺ سے سنا ہوتا سنا دیتے۔

❁ ایک دفعہ کسی مجلس میں تشریف لے گئے اور حاضرینِ مجلس سے فرمایا: ہم میں سے جس شخص نے اپنے اقارب سے قطعِ تعلق کر رکھا ہو وہ جا کر اس کا ازالہ کرے۔ ان کی بات سن کر کوئی شخص بھی نہ اٹھا۔ جب انہوں نے تین مرتبہ اپنے الفاظ دہرائے تو ایک نوجوان مجلس سے اٹھ کر چلا گیا۔ اس نے دو سال سے اپنی پھوپھی سے قطعِ تعلق کر رکھا تھا، سیدھا پھوپھی کے پاس پہنچا، اس نے پوچھا، بھتیجے تم یہاں کیسے؟ کہنے لگا، میں نے ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے یہ الفاظ سنے ہیں۔

پھوپھی نے کہا: جاؤ ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے پوچھو کہ انہوں نے یہ الفاظ کیوں کہے؟ نوجوان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ آپ نے یہ الفاظ کس بناء پر کہے۔ انہوں نے فرمایا:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابن آدم کے اعمال ہر جمعرات کے پچھلے پہر بارگاہِ رَبّ العزّت میں پیش کیے جاتے ہیں جس نے کسی سے

قطع تعلق کیا ہو، اس کے اعمال کو قبول نہیں کیا جاتا"۔ (الادب المفرد صفحہ ۳۰)

❁ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ نے دیکھا کہ دو شخص اکٹھے جا رہے ہیں۔ انہوں نے ان میں سے ایک شخص سے پوچھا: تمہارا ساتھی کون ہے؟ اس نے کہا: میرے والد ہیں۔ فرمایا: ان کا نام لے کر نہ بلایا کرو۔ ان کے آگے مت چلو، ان سے پہلے مت بیٹھو۔ (الادب المفرد صفحہ ۳۰)

❁ حضرت ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "میں نے دیکھا کہ حضرت ابو ہریرہ نے سورۃ الانشقاق پڑھتے وقت سجدۂ تلاوت کیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے یہاں سجدہ کیوں کیا؟"

انہوں نے جواب دیا: "اگر میں نبی ﷺ یہاں کو سجدہ کرتے ہوئے نہ دیکھتا تو سجدہ نہ کرتا"۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۴۶)

"مُسندِ احمد" میں یہ روایت حضرت ابورافعؓ کی زبانی اس طرح نقل ہوئی ہے:

"میں نے حضرت ابو ہریرہ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی۔ اس میں انہوں نے سورہ الانشقاق پڑھی اور اس میں سجدۂ تلاوت کیا۔ (نماز سے فارغ ہو کر) میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے یہاں سجدۂ تلاوت کیوں کیا؟ تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی تھی اور آپ ﷺ نے بھی اس سورہ میں آیت وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ پڑھ کر سجدہ کیا تھا۔ اس لیے میں تو اس میں سجدۂ تلاوت کرتا رہوں گا"۔ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۲۲)

❁ حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی۔ میں انہیں ہرگز ترک نہیں کروں گا۔

۱۔ ہر ماہ میں تین روزے رکھنا۔

۲۔ سونے سے پہلے وتر ادا کرنا۔

۳۔ جمعہ کے روز غسل کرنا۔ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۹۰)



❁ ایک دفعہ عثمان نہدی نے حجرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ (نفلی) روزے کیسے رکھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، میں (رمضان المبارک کے پورے روزوں کے علاوہ) ہر مہینے کے آغاز میں تین روزے رکھتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ (مُسندِ احمد جلد ۱۲ صفحہ ۱۰۸، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۱۲)

❁ عبید اللہ بن ابی رافعؓ سے روایت ہے کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا اور خود مکہ چلا گیا۔ اس دوران میں حضرت ابو ہریرہؓ نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی۔ پہلی رکعت میں سورۂ "الجمعہ" اور دوسری میں سورۂ "المنافقون" پڑھی۔

عبید اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہؓ سے کہا: آپ نے جمعہ کی نماز میں وہی سورتیں پڑھیں جو حضرت علیؓ کوفہ میں جمعہ کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو (نمازِ جمعہ میں) یہ سورتیں پڑھتے سنا تھا"۔

(سُنن ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۴)

❁ ایک دفعہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نماز کی قرأت کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے فرمایا:

"قرأت ہر نماز میں کی جاتی ہے۔ جس نماز میں رسول اللہ ﷺ نے جہراً پڑھا اس میں ہم بھی جہراً پڑھتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے سرّاً قرأت کی اس میں ہم بھی سرّاً قرأت کرتے ہیں"۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۱۱)

❁ حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ بیمار ہوئے۔ میں ان کی عیادت کیلئے گیا تو دیکھا کہ لوگ اس کثرت سے ان کی عیادت کیلئے آئے کہ سارا گھر بھر گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے از راہِ انکسار اپنے پاؤں سمیٹ لئے اور فرمایا:

"ایک دن ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ہمیں دیکھ کر اسی طرح پاؤں سمیٹ لئے جیسا کہ اس وقت میں نے اپنے پاؤں سمیٹ لئے ہیں۔ پھر ہم سے فرمایا کہ لوگ تمہارے پاس علم حاصل کرنے کیلئے آئیں گے، تم ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا۔ ان کو مبارک باد دینا اور علم سکھانا"۔ (سنن ابن ماجہ باب الوصایا بطلبۃ العلم صفحہ ۲۲)

❁ ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ ؓ نے اپنی مجلس میں موجود لوگوں کو حدیث سنائی:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تمہارا پڑوسی تم سے اپنا شہتیر تمہاری دیوار پر رکھنے کی اجازت مانگے تو اسے روکو نہیں"۔

یہ حدیث سن کر وہ لوگ چون و چرا کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوہریرہ ؓ نے فرمایا: کیا بات ہے کہ تمہیں اس حدیث پر عمل کرنے سے گریزاں دیکھ رہا ہوں، واللہ میں تمہیں اس کا پابند کر کے چھوڑوں گا۔

(پڑوسی کے اس حق کے بارے میں فقہا میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے واجب قرار دیا ہے اور بعض اسے مستحب قرار دیتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پہلے مسلک کے حامی ہیں لیکن بقول امام خطابی عام علماء کے نزدیک یہ کام پڑوسی کے ساتھ حُسنِ سلوک اور استحباب کے درجہ میں آتا ہے اور کسی کو حکماً اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ امام احمد تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حاکم یا قاضی کا فرض ہے کہ وہ اس کو واجب جانتے ہوئے فیصلہ کرے اور اگر ایک پڑوسی اپنی دیوار پر دوسرے پڑوسی کو شہیر رکھنے کی اجازت نہ دے تو حاکم یا قاضی اسے حکماً اس بات پر مجبور کریں۔)

(مُسندِ احمد جلد ۲ صفحہ ۲۷۴، معالم السنن)

## عبادت کا شوق:

حضرت ابوہریرہ ؓ کو عبادت اور ذکرِ الٰہی سے خاص شغف تھا۔ رات کو اٹھ کر خود بھی عبادت کیا کرتے تھے اور گھر والوں کو بھی شب بیدار بناتے تھے۔ حافظ ذہبی



نے "سیر اعلام النبلاء" میں ابوعثمان نہدی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں سات دن حضرت ابوہریرہ ؓ کا مہمان رہا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت ابوہریرہ ؓ ان کی اہلیہ اور ان کا غلام رات کو باری باری جاگ کر عبادت کیا کرتے تھے۔

مُسنَدِ احمد بن حنبل میں ہے کہ (جس زمانے میں) حضرت ابوہریرہ ؓ کا کنبہ تین آدمیوں پر مشتمل تھا۔ ایک خود، دوسری اہلیہ اور تیسرا خادم۔ یہ تینوں ہر رات کو باقاعدگی کے ساتھ باری باری اٹھ کر ایک ایک تہائی شب میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک ختم کر کے دوسرے کو جگا دیتا۔ دوسرا تیسرے کو اسی طریقے سے تینوں کی ساری رات عبادت میں گزر جاتی تھی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اشراق کی نماز پڑھنے کی وصیت فرمائی تھی۔ چنانچہ وہ زندگی بھر یہ نماز پابندی سے پڑھتے رہے۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رمضان المبارک کے فرض روزوں کے علاوہ ہر مہینے کے شروع میں تین روزے باالتزام رکھتے تھے اگر کسی وجہ سے شروع میں نہ رکھ سکتے تو مہینے کے آخر میں رکھ لیتے تھے۔

اکثر تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے۔ ایک تھیلی میں کنکریاں اور کھجور کی گٹھلیاں بھری رہتی تھیں جن پر تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ جب تھیلی ختم ہو جاتی تو اپنی خادمہ کو حکم دیتے وہ پھر اسی تھیلی میں کنکریاں اور گٹھلیاں بھر لاتی۔ روزانہ بارہ ہزار تسبیحیں پڑھا کرتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے گناہوں کے برابر تسبیح پڑھتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ ؓ نے اپنی آسودگی کے زمانے میں گھر میں عبادت کے لیے چار جگہیں بنا رکھی تھیں۔ ایک تہہ خانہ میں دوسری رہائشی مکان میں تیسری اپنے حجرے میں اور چوتھی گھر کے دروازے کے پاس۔ وہ گھر میں آتے جاتے اس میں نفلی نماز پڑھا کرتے تھے۔ (البدایۃ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۱۰)

Scanned with CamScanner

حضرت نعیم بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ مسجد کی چھت پر وضو کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے وضو کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو شانوں تک دھویا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری اُمت کے لوگ اپنے بدن کے جو حصے وضو میں دھوتے ہیں وہ قیامت کے دن چمکیں گے۔ اس لیے تم لوگوں سے جہاں تک ہو سکے اپنے بدن کے حصوں کی چمک بڑھاؤ۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۳۴)

مضارب بن جزء رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں باہر نکلا تو کسی کے زور زور سے تکبیریں کہنے کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ قریب جا کر دیکھا تو حضرت ابو ہریرہ (ؓ) تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: اس وقت آپ کیوں تکبیریں کہہ رہے ہیں؟ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ ایک وہ وقت تھا جب میں بُسرہ بنتِ غزوان کے پاس پیٹ بھر روٹی پر ملازم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ دن دکھایا کہ وہ میرے عقد میں آ گئی۔ (الاصابہ جلد ۷ صفحہ ۲۰۶)

## فقر و فاقہ:

حضرت ابو ہریرہؓ کی زندگی کے دو دَور تھے۔ پہلا دور سخت تنگ دستی اور افلاس کا تھا۔ دوسرا دَور آسودہ حالی اور تموّل کا تھا۔ پہلے دور میں انہوں نے سخت مصیبتیں برداشت کیں اور شدید فقر و فاقہ سے دوچار رہے۔ مسلسل فاقوں کی وجہ سے کئی بار غش کھا کر گر پڑتے یا پیٹ کے بل کنکریوں پر لیٹ جاتے کیونکہ کمر سیدھی نہ کر سکتے تھے۔ بعض اوقات پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔ ان ساری تکلیفوں کے باوجود صبر و قناعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، جو کچھ کھانے کو مل جاتا، اسی پر قناعت کر لیتے۔ جب کچھ بھی نہ ملتا تو فاقہ کرتے یا روزہ رکھ لیتے۔ ان کے داماد حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ باہر سے گھوم پھر کر گھر آتے تو اہلِ خانہ سے پوچھتے



کہ کھانے کے لیے کوئی چیز موجود ہے؟ اگر اہلِ خانہ نفی میں جواب دیتے تو وہ فرماتے میں نے روزہ رکھ لیا۔ (حلیۃ الاولیاء جلد ۱ صفحہ ۳۸۲)

حضرت ابو ہریرہؓ کے فقر و فاقہ کے کئی واقعات کو پچھلے صفحات میں بھی بیان کیا جا چکا ہے۔

## سادہ زندگی:

حضرت ابو ہریرہؓ کی زندگی کا دوسرا دور آسودگی اور خوشحالی کا تھا لیکن وہ فطرتاً سادہ مزاج تھے۔ اس دور میں بھی اپنی سادہ وضع قائم رکھی۔ مدینہ کی امارت کے زمانے میں شہر سے نکلتے تو گدھا سواری میں ہوتا، اس پر نمدے کا پالان کسا ہوتا تھا اور اس کی لگام کھجور کی چھال کی ہوتی تھی۔ (طبقات ابن سعد جز ۴ ق ۲ صفحہ ۶۰)

ماضی میں انہوں نے جو سختیاں جھیلی تھیں اور تنگ دستی کا جو زمانہ گزرا تھا اس کو کبھی نہ چھپاتے تھے اور بے تکلفی کے ساتھ لوگوں کو اپنے زمانۂ عسرت کے حالات سنایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ کے دسترخوان پر چپاتیاں آئیں۔ وہ چپاتیوں کو دیکھ کر رونے لگے اور کہنے لگے، اللہ اللہ! آج ہم چپاتیاں کھاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ساری زندگی میں شاید کبھی چپاتی کھائی ہو۔

(سُنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب الرقاق)

## حق گوئی و بے باکی کا پیکرِ جمیل:

حضرت ابو ہریرہؓ حق بات کہنے میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ مروان بن الحکم کی امارتِ مدینہ کے زمانے میں (غلہ کھجور وغیرہ کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں) ہنڈی کا رواج چل پڑا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو معلوم ہوا تو وہ فوراً مروان کے پاس گئے اور اس سے کہا: تم نے سود حلال کر دیا۔

اس نے کہا: معاذ اللہ میں ایسا کیوں کرنے لگا۔

انہوں نے فرمایا: تم نے ہنڈی کو رائج کیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اشیائے خوردنی کی اس وقت تک فروخت کی ممانعت فرمائی ہے جب تک پہلا خریدار ان کو ناپ نہ لے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ کا ارشاد سن کر مروان نے ہنڈی کے ذریعے غلّے وغیرہ کی خرید و فروخت کو ممنوع قرار دیا۔ (صحیح مسلم کتاب البیوع باب بیع المبیع قبل القبض)

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ ؓ امیر مدینہ مروان بن الحکم کے ہاں گئے تو اس کے مکان میں تصویریں آویزاں دیکھیں (ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے مروان کو تصویریں بناتے دیکھا) حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو میری مخلوق کی طرح مخلوق بناتا ہے، اگر تخلیق کا دعویٰ ہے تو کوئی ذرّہ غلّہ یا جو تو پیدا کر کے دکھائے۔

(مسندِ احمد جلد ۲، احادیث ابو ہریرہ)

## حُسنِ معاشرت کا بے مثال نمونہ:

والدین، اعزّہ و اقرباء، دوست احباب، پاس پڑوس اور محلّہ و شہر کے لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے اور مناسب برتاؤ کرنے کا نام معاشرت ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کو حُسنِ معاشرت کی جو تعلیم دی، حضرت ابو ہریرہ ؓ اس کا مکمل نمونہ تھے۔

والدہ کے ساتھ ان کے حُسنِ سلوک کا حال پچھلے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔

دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی ان کا سلوک انکسار و تواضع کا ہوتا تھا۔ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو بچوں سے بے پناہ محبت کرتے دیکھ چکے تھے۔ اس لیے وہ بھی بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ ان کو کھیلتا دیکھتے تو ان میں گھس جاتے اور ان کو ہنسانے کی کوشش کرتے بلکہ بچّوں میں بچّہ بن جاتے اور ایسی حرکتیں کرتے کہ وہ خوش ہو جاتے۔ ابنِ عساکر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ وہ



بچوں میں بیٹھ کر کھانا کھاتے اور ان کو بڑی شفقت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

(ابنِ عساکر جلد ۴۷ صفحہ ۵۲۴)

مہمانوں کی خاطر تواضع نہایت خوشدلی سے کرتے تھے۔ مہمان ان کے پاس کتنا ہی عرصہ قیام کرتے وہ انقباض محسوس نہیں کرتے تھے اور اس کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہ کرتے تھے۔ الطفاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ منوّرہ میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کے پاس چھ مہینے قیام کیا، میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو ابو ہریرہ ؓ سے بڑھ کر مہمان نوازی اور مہمانوں کی مدارت کرنے میں مستعد نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ تذکرہ ابو ہریرہ ؓ، سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۴۲۸)

ابو عثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں سات دن ابو ہریرہ ؓ کا مہمان رہا۔ ابو ہریرہ ؓ، ان کی اہلیہ اور ان کا خادم باری باری رات کو جاگ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۴۳۸)

مُسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ مہمان نوازی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عام وصف تھا، تاہم لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے بڑھ کر مہمان نواز کم صحابی تھے۔

(مسندِ احمد جلد ۲ صفحہ ۵۲۸)

## فیاضی اور سیر چشمی:

فیاضی اور سیر چشمی، حضرت ابو ہریرہ ؓ کا خاص وصف تھا۔ مدینہ منوّرہ میں اپنا مکان اپنے غلاموں کو کوئی معاوضہ لئے بغیر دے دیا تھا۔ اپنا مال بے دریغ راہِ خدا میں لٹاتے رہتے تھے۔ صدقہ و خیرات کرنے میں روحانی مسرت محسوس کرتے تھے۔ ایک دفعہ مروان بن الحکم نے انہیں سَو دینار بھیجے۔ انہوں نے یہ سب کے سب اللہ کی راہ میں دے دیے۔ دوسرے دن مروان نے انہیں کہلا بھیجا کہ کل جو دینار آپ کو بھیجے تھے، وہ کسی اور کیلئے تھے، آپ کی طرف غلطی سے چلے گئے۔ یہ دینار واپس بھیج دیجیے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے پیغام لانے والے کے ذریعے جواب دیا کہ وہ دینار

میں نے کسی (حاجت مند) کو دیدیے ہیں۔ انہیں میرے وظیفے سے وضع کر لیجیے گا۔

دراصل مروان کا مقصد صرف ان کو آزمانا تھا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۳۔ البدایۃ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۱۴)

لوگوں کو کھلا پلا کر بہت خوش ہوتے تھے۔ عبداللہ بن رباح رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ چند آدمیوں کا وفد امیر معاویہ ؓ کے پاس دمشق گیا۔ اس وفد میں ہمارے ساتھ حضرت ابو ہریرہ ؓ بھی تھے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ دمشق کے دورانِ قیام میں ہمارا معمول تھا کہ ہم ایک دوسرے کو کھانے پر بلایا کرتے تھے لیکن حضرت ابو ہریرہ ؓ اس معاملے میں ہم سب پر بازی لے گئے، وہ سب سے زیادہ دعوتیں کرتے تھے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۵۳۸)

## خوش مزاجی اور زندہ دلی:

حضرت ابو ہریرہ ؓ کے علم و فضل اور وقار و متانت میں تو کوئی کلام نہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بڑے خوش مزاج اور زندہ دل بھی تھے۔ امارتِ مدینہ کے زمانے میں خود لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر گھر لے جاتے تھے۔ ایک دن اسی حالت میں بازار سے گزر رہے تھے کہ راستے میں ثعلبہ بن ابی مالک القرظی ملے۔ ان سے کہنے لگے:

''ابو مالک! اپنے امیر کیلئے راستہ کھلا چھوڑ دو''۔

انہوں نے کہا: ''اللہ آپ پر رحم فرمائے، راستہ تو آپ کے گزرنے کیلئے کشادہ ہے''۔

(ہنستے ہوئے) فرمایا، (بھائی دیکھتے نہیں) تمہارا امیر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے ہے اس کیلئے راستہ کھلا کر دو۔ (البدایۃ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۱۳)

کبھی سواری پر جا رہے ہوتے اور کوئی سواری کے سامنے آجاتا تو ازراہِ مذاق فرماتے، راستہ چھوڑ دو، امیر کی سواری آرہی ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۰)

حضرت ابو رافع ؓ بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ ؓ (اپنی امارتِ مدینہ کے زمانے میں کبھی کبھی) مجھے رات کے کھانے کی دعوت دیتے تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے



وہ (ہنس کر) کہتے، اپنے امیر کیلئے ہڈی تو باقی رہنے دو حالانکہ روٹی کے ساتھ صرف روغنِ زیتون ہوتا اور گوشت کا نام و نشان بھی موجود نہ ہوتا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۰)

بچوں کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ ؓ کی محبت اور شفقت کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ بچوں کو کوّے کا کھیل کھیلتے دیکھتے تو ان میں اس طرح گھس جاتے کہ انہیں پتا تک نہ چلتا۔ ایک دیوانے آدمی کی طرح اپنے پاؤں زمین پر مار کر ان کو ہنسانے کی کوشش کرتے۔

ان روایات سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ بہت زندہ دل تھے اور بچوں کی نفسیات سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔

اپنے مہمانوں کے ساتھ بھی حضرت ابو ہریرہ ؓ کا رَوِیّہ ایسا ہوتا کہ وہ اپنے دورانِ قیام میں خوش خوش رہیں۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ خوش طبعی (مزاح) کی باتوں سے مہمانوں کا دل موہ لیتے اور مہمان ہمیشہ ان کی خوش اخلاقی اور شگفتہ مزاجی کو یاد رکھتے۔ (سوانح حضرت ابو ہریرہ ؓ از محمد عجاج الخطیب۔ دفاعِ ابی ہریرہ ؓ از مفتی غلام الرحمٰن)

## جوشِ عقیدت:

حضرت ابو ہریرہ ؓ کی رسولِ اکرم ﷺ سے عقیدت کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ وہ اکثر حدیث بیان کرتے وقت آنحضور ﷺ کا تذکرہ ایسے والہانہ انداز میں کرتے جس سے ظاہر ہوتا کہ حضور ﷺ سے ان کی عقیدت عشق کے درجے تک پہنچی ہوئی ہے اور ان کا جوشِ عقیدت الفاظ کے سانچے میں ڈھل گیا ہے۔

کبھی روایت کا آغاز ان الفاظ سے کرتے:

''میرے (بہترین۔ سب سے پیارے) دوست ابو القاسم ﷺ نے فرمایا (قال خلیلی ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم)''۔

کبھی ان الفاظ سے:

Scanned with CamScanner

"میرے حبیب محمد ﷺ نے فرمایا: (قال حبیبی محمد ﷺ)"۔

کبھی پیرایۂ آغاز کے الفاظ یہ ہوتے:

"الصادق المصدوق ﷺ نے فرمایا"۔

کبھی صرف اتنا کہہ پاتے:

قَالَ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور اُن پر گریہ طاری ہوجاتا اور روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتیں۔ کبھی کبھی حضور ﷺ کا اسمِ گرامی لیتے ہی وہ غش کھا کر گر پڑتے اور بڑی مشکل سے حدیث بیان کرتے۔ (مُسندِ احمد جلد ۱۳ صفحہ ۲۴۶، البدایۃ والنہایہ جلد ۸، صفحہ ۱۰۷، سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۴۴۸)

ایک دفعہ وہ حالتِ جنابت میں مدینہ مُنوّرہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ اچانک رسولِ اکرم ﷺ سے ملاقات ہوگئی۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی لیکن جونہی آپ ﷺ ایک جگہ پہنچ کر رونق افروزِ مجلس ہوئے تو وہ چپکے سے اٹھ کر گھر پہنچے اور غسل کرنے کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔

حضور ﷺ نے اس سے پوچھا: ابھی تک تم کہاں تھے؟ انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! میں نے جنابت کی حالت میں آپ کی ہم نشینی کو اچھا نہیں جانا اور غسل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں"۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۲)

۷ھ میں مسجدِ نبوی کی مرمّت اور توسیع کا کام شروع ہوا تو رسولِ اکرم ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر اینٹیں ڈھونے لگے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اتنی زیادہ اینٹیں اٹھا رکھی ہیں کہ اینٹیں آپ ﷺ کے سینۂ مبارک تک پہنچی ہوئی ہیں اور آپ ﷺ تکلیف محسوس کر رہے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بے تاب ہوگئے اور عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! یہ اینٹیں مجھے دے دیجئے میں پہنچا دیتا ہوں۔



حضور ﷺ نے فرمایا: اینٹیں تو بہت ہیں، جاؤ ان کے علاوہ اور اٹھا لاؤ یہ میرے لئے چھوڑ دو۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"جاؤ ان کے علاوہ اور لے آؤ تم اللہ سے نیکیاں حاصل کرنے میں مجھ سے زیادہ حاجت مند نہیں"۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۹، تاریخِ مدینۃ المنورہ صفحہ ۱۰۱ از مولانا محمد عبدالمعبود)

## حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا سفرِ آخرت:

جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا سفرِ آخرت قریب آیا آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور زندگی کی امید باقی نہ رہی۔ جو لوگ آپ کی تیمارداری کیلئے آتے تو آپ اس حالت میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بدستور انجام دیتے، حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن عیادت کو آئے اور دعائے شفا کرنے لگے، حضرت ابوہریرہ فوراً بولے: "اے اللہ! اب مجھے دنیا میں نہ لوٹا، اے اللہ! اب مجھے دنیا میں نہ لوٹا۔ پھر ابوسلمہ کو فرمایا: تمہارے بس میں ہو تو مرنے سے دریغ نہ کرو، مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ وہ زمانہ قریب ہی آ رہا ہے کہ لوگ موت کو سُرخ سونے کے ذخیرے سے زیادہ محبوب سمجھیں گے، اگر تم زندہ رہے تو ضرور دیکھو گے جب آدمی کسی مسلمان کی قبر سے گزرے گا تو تمنا کرے گا کہ اے کاش! میں اس کی جگہ اس قبر میں دفن ہوا ہوتا۔ (طبقات ابن سعد صفحہ ۶۱ جلد ۲، البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۱۲ جلد ۸)

ان ایام میں آپ بہت روتے اور فرماتے:

"میں دنیا چھوٹ جانے پر نہیں روتا بلکہ اس لئے روتا ہوں کہ سفر طویل ہے اور زادِ راہ کم ہے، میں اس وقت جنت و دوزخ کے نشیب و فراز میں ہوں مجھے نہیں معلوم کہ کس راستے پہ چلنا پڑے۔

اور آپ نے زندگی کی آخری وصیت میں فرمایا: میری قبر پہ خیمہ نہ لگانا جنازے

Scanned with CamScanner

کے ساتھ آگ لے کر نہ چلنا، اور جنازہ لے جانے میں جلدی کرنا کیونکہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب مومن کو چارپائی پہ رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے مجھے کہاں لے جا رہے ہو اگر میں نیک ہوں گا تو جلدی اپنے رب سے ملوں گا ورنہ تمہاری گردنوں سے بوجھ تو اتر جائے گا۔

(الادب المفرد صفحہ ۱۷۷، طبقات صفحہ ۶۲ جلد ۲، الاصابہ صفحہ ۲۰۶ جلد ۷، البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۱۲ جلد ۸)

عین وفات کے وقت مروان بن الحکم عیادت کو آیا اور صحت کی دعا کرنے لگا تو حضرت ابوہریرہ نے کہا: اے اللہ! میں تیری ملاقات کا خواہش مند ہوں، ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابھی مروان اُٹھ کر رونقی کے بازار تک نہ گیا تھا کہ حضرت ابوہریرہ نے اپنی جان، جاں آفرین کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(الاصابہ صفحہ ۲۱۰ جلد ۲)

آپ (ؓ) کی وصیت پہ پوری طرح عمل کیا گیا، آپ کی نماز جنازہ امیر مدینہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نے پڑھائی، اکابر صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم نے شرکت فرمائی۔

حضرت ابن عمر جنازے کے آگے آگے حضرت ابوہریرہ کیلئے دعا کرتے ہوئے چل رہے تھے حضرت عثمان غنیؓ کے صاحبزادوں نے آپ کی چارپائی کو کندھا دے کر جنت البقیع میں پہنچایا۔ آپ کے سن وصال میں معمولی سا اختلاف ہے جس میں تطبیق ممکن ہے وہ اس طرح کہ ابن حجر اور ابن کثیر کے نزدیک آپ کا سن وفات ۵۹ھ ہے جبکہ دیگر بعض کے نزدیک ۵۸ھ ہے اور تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے آپ کی وفات ۵۸ھ کے بالکل آخر میں ہو یا ۵۹ھ کے بالکل آغاز میں ہو۔ آپ کی کل عمر قمری سال کے مطابق ۸۲ سال اور شمسی کے مطابق ۸۱ سال بنتی ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت ابوہریرہ کی وفات پر امیر مدینہ ولید بن عتبہ کو حکم دیا کہ حضرت ابوہریرہ کے پسماندگان کو دس ہزار درہم دو اور ان کے ساتھ حسن



سلوک کرو کیونکہ حضرت ابوہریرہ صاحبانِ عثمان غنی میں سے تھے اور جب شر پسندوں نے حضرت عثمان غنی کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو ابوہریرہؓ حضرت عثمانؓ کے گھر موجود تھے۔ (طبقات ابن سعد صفحہ ۶۲ جلد ۲، مستدرک للحاکم صفحہ ۲۰۸ جلد ۳)

## حضرت ابوہریرہؓ پر چند اعتراضات کے جوابات:

**اعتراض ۱**: امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک حضرت ابوہریرہؓ کاذب تھے اس لئے وہ ان کو حدیثیں روایت کرنے سے منع کرتے تھے۔

**جواب**: یہ بات بالکل بے بنیاد ہے کہ حضرت عُمر فاروقؓ، حضرت ابوہریرہؓ کو کاذِب سمجھتے تھے۔ اس کے برعکس وہ ان کو ایک قابل اعتماد آدمی سمجھتے تھے اور ان کی عزّت کرتے تھے۔ اگر حضرت عمرؓ جیسے مردم شناس خلیفہ کو حضرت ابوہریرہؓ پر اعتماد نہ ہوتا تو وہ ان کو بحرین کا حاکم کیوں بناتے؟

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت حسّان بن ثابتؓ مسجد میں اشعار پڑھ رہے تھے کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ ادھر سے گزرے۔ انہوں نے حضرت حسانؓ کو مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع کیا۔ حضرت حسانؓ نے امیر المؤمنین کو جواب دیا، میں مسجد میں اشعار پڑھا کرتا تھا اور آپ سے بہتر شخص (رسول اللہ ﷺ) وہاں موجود ہوتے۔ پھر انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ (جو وہاں موجود تھے) سے مخاطب ہو کر کہا: اے ابوہریرہ! میں تجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کو میرے بارے میں یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ (اے حسان) میری طرف سے مشرکین کو جواب دو۔ اے اللہ! اس کی تائید روح القدس سے فرما۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: ''ہاں میں نے سنا ہے''۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۰۰)

حضرت ابوہریرہؓ کی گواہی سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ کیا حضرت عمرؓ کسی ایسے آدمی کی گواہی قبول کر سکتے ہیں جس کو وہ دروغ باف سمجھتے ہوں؟

Scanned with CamScanner

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک گودنے والی عورت کو حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں (حاضرینِ مجلس) سے پوچھا: کیا تم میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے گودنے کے بارے میں روایت سنی ہے؟

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا اور کہا: امیر المؤمنین! میں نے سنی ہے۔

حضرت عُمرؓ نے پوچھا: تم نے کیا سنا؟

حضرت ابو ہریرہؓ نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عورتو! تم گودی مت لگاؤ اور نہ گودنے کیلئے کسی سے کہو۔

حضرت عُمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی گواہی (متعدد دوسرے) صحابہ کے سامنے قبول کر لی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۸۰)

ایک دفعہ امیر المؤمنین حضرت عُمر فاروقؓ حج کیلئے مدینہ مُنوّرہ سے مکہ معظمہ کیلئے روانہ ہوئے تو حضرت ابو ہریرہؓ کو بھی ساتھ لے لیا (یعنی اپنے قافلۂ حج میں حضرت ابو ہریرہؓ کو بھی شریک کر لیا) اثنائے راہ میں تیز ہوا چل پڑی (یا آندھی آ گئی) حضرت عمرؓ نے اپنے رفقاء سے دریافت کیا کہ کیا کسی کو اس تیز ہوا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی ارشاد یاد ہے؟ مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو (جو قافلے میں بہت پیچھے آ رہے تھے) حضرت عُمرؓ کے سوال کا پتہ چلا تو وہ اپنی سواری کو تیزی سے ہانکتے ہوئے حضرت عُمرؓ کے قریب پہنچے اور عرض کیا: مجھے آپ کے سوال کا علم ہوا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ ہوا اللہ کی رحمت کی دلیل ہے۔ (مُسندِ احمد جلد ۱۴ صفحہ ۵۲ حدیث ۷۶۱۹)

اگر حضرت عُمر فاروقؓ کو حضرت ابو ہریرہؓ پر اعتماد نہ ہوتا تو ان کے سامنے حضرت ابو ہریرہؓ کو حدیث بیان کرنے کی جرأت کیسی ہو سکتی تھی؟

حقیقت یہ ہے کہ معترض نے جس بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ روایتِ حدیث کے معاملے میں بے حد محتاط تھے اور چاہتے تھے کہ حدیثیں کم سے



کم روایت کی جائیں۔ ان کو اندیشہ تھا کہ اگر کوئی شخص کثرت سے حدیثیں روایت کرے گا تو ان میں آمیزش یا غلطیوں کا احتمال ہے۔ وہ صرف حضرت ابو ہریرہؓ ہی کو نہیں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی یہی مشورہ دیا کرتے تھے کہ حدیثیں کم روایت کریں۔ معترضین نے اپنے اعتراض کی بنیاد "البدایۃ والنہایۃ" میں سائب بن یزیدؓ سے یہ کہتے سنا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرنا چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں ارضِ دَوس (حضرت ابو ہریرہؓ کا وطن) میں پہنچا کر چھوڑوں گا"۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۰۸)

اوّل تو بعض علماء کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کے سلسلۂ اسناد میں دو راوی محمد بن زرعہ اور اسمٰعیل بن عبداللہ قابلِ اعتبار نہیں اور اگر اسے قبول بھی کر لیا جائے تو معترضین حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی وہ رائے دانستہ نظر انداز کر دیتے ہیں جو انہوں نے یہ روایت کرنے کے بعد ظاہر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"یہ مُمانعت اور جلا وطنی کی دھمکی اس پر محمول کی جا سکتی ہے کہ حضرت عمرؓ کو کچھ روایات کے بارے میں اندیشہ تھا کہ ان کو لوگ (ان کا صحیح مفہوم نہ سمجھ کر) بے محل نہ استعمال کر بیٹھیں۔ نیز لوگ رخصتوں اور سہولتوں والی روایات پر تکیہ کر کے فضائل اور رفع درجات سے محروم نہ ہوں۔ بعض روایات میں ہے کہ بعد میں حضرت عُمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو حدیث بیان کرنے کی اجازت دے دی۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۰۸)

خود حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عُمرؓ کو میرے حدیث روایت کرنے کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے مجھے بلا کر فرمایا: جب ہم نبی ﷺ کے ساتھ فلاں شخص کے گھر گئے تھے تو کیا تم وہاں موجود تھے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ یہ بات مجھ سے کیوں دریافت کر رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ بولے: اچھا بتاؤ میں نے یہ بات تم سے کیوں پوچھی ہے؟ میں نے کہا:

رسول اللہ ﷺ نے اس روز فرمایا تھا کہ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا اس نے اپنا گھر دوزخ میں بنالیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچھا اگر آپ کو یہ بات معلوم ہے تو جایئے حدیثیں روایت کیجئے۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا: اب جتنی احادیث چاہیں روایت کریں۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۰۷، سیر اعلام النبلاء، جلد ۲ صفحہ ۴۳۴، ابنِ عساکر جلد ۴۷ صفحہ ۴۸۷)

علماءِ حدیث نے اور بھی بہت سی مثالیں دی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک قابلِ اعتماد راویٔ حدیث تھے اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث روایت کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

**اعتراض ۲:** اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کی تردید کرتی تھیں۔

**جواب:** یہ غلط ہے کہ اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی تمام احادیث کی تردید کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جب اُمُّ المؤمنین کے سامنے کوئی حدیث روایت کرتے یا ان سے مروی کوئی حدیث اُمُّ المؤمنین تک (کسی ذریعے سے) پہنچتی تو وہ بعض اوقات اس کی تصدیق کرتیں اور بعض دفعہ اس پر استدراک کرتیں اور اس کی تصحیح (اصلاح کردیتیں) ان کا یہ طرزِ عمل صرف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ انہوں نے دوسرے متعدد صحابہ (بشمول اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم) کی بعض احادیث پر بھی استدراک کیا ہے۔ اس لئے اس معاملے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اعتراض کا ہدف بنانا انصاف سے بعید ہے۔ دراصل بعض مسائل میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن میں جو اختلافِ روایت ہے وہ بڑی حد تک اختلافِ فہم پر مبنی ہے۔ اس میں معاذ اللہ کسی بدنیتی، خواہشِ نفس یا دروغ بافی کا مطلق کوئی دخل نہیں ہے۔ کوئی سچا مسلمان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایسا تصور بھی دل میں نہیں لاسکتا۔



حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے جو فہم و فراست عطا کی تھی اس میں وہ منفرد حیثیت رکھتی ہیں۔ مزید برآں بارگاہِ نبوت میں ان کو جو درجۂ تقرب حاصل تھا اور مختلف مسائل کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ کے اسوہ و ارشادات سے ذاتی واقفیت کے جو ذرائع ان کو حاصل تھے، دوسروں کیلئے ناممکن تھے۔ بقول سلیمان ندوی ''متعدد مسائل ایسے ہیں جن میں صحابہ نے اپنے اجتہاد یا کسی روایت کی بنا پر کوئی مسئلہ بیان کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر اس کو رَد کردیا''۔ (سیرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا)

یہ درست ہے کہ اُمُّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بعض روایات کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا لیکن بالعموم وہ ان کی اصلاح یا تصحیح کردیتی تھیں اور بعض اوقات وہ کسی روایت کا مفہوم اس مفہوم سے مختلف بیان کرتیں جو راویٔ حدیث یا دوسروں نے سمجھا ہوتا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک دفعہ روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مُردہ پر اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جب یہ روایت بیان کی گئی تو انہوں نے فرمایا: اللہ ابوعبدالرحمٰن (حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت) کو معاف فرمائے، وہ جھوٹ نہیں بولے لیکن یا تو بھول گئے یا غلطی کی...... واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ اتفاقاً رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک یہودیہ کے جنازے پر ہوا اس کے رشتہ دار اس پر واویلا کررہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ لوگ رو رہے ہیں اور اس پر عذاب ہو رہا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الجنائز)

ایک سال رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ قربانی کا گوشت تین دن کے اندر کھالیا کرو...... حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حکم کو دائمی سمجھا اور اس کے مطابق فتویٰ صادر کیا...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا:

''ہم لوگ قربانی کے گوشت کو نمک لگا کر رکھ چھوڑتے تھے، مدینہ میں اس کو نبی

ﷺ کے سامنے پیش کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تین دن کے بعد نہ کھایا کرو۔ یہ حکم قطعی نہ تھا بلکہ آپ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ لوگ اس میں سے کچھ دوسروں کو کھلا دیں"۔

گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک آنحضور ﷺ کا حکم استحبابی تھا، دائمی نہ تھا اور یہ آپ ﷺ نے اس لئے دیا تھا کہ ان دنوں قربانی کرنے والے لوگ کم تھے (یعنی کم لوگوں کو قربانی کرنے کی استطاعت تھی) اور آپ ﷺ چاہتے تھے کہ قربانی کرنے والے ان لوگوں کو بھی قربانی کا گوشت کھلائیں جو قربانی نہیں کر سکے...... (چنانچہ آج تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اسی فتوے پر عمل ہوتا ہے)۔

(صحیح بخاری کتاب الاضاحی)

حضرت عمرؓ (اور کئی دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے کہ صبح اور عصر کی نمازوں کے بعد کسی قسم کی کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا: اللہ عمر پر رحم کرے، رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ آفتاب کے غروب اور طلوع کے وقت کو تاک کر نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

(صحیح بخاری و جامع ترمذی باب اوقات الصلوٰۃ و مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۱۲۴)

حضرت ابوالدرداءؓ نے ایک مرتبہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر صبح ہو جائے اور نمازِ وتر قضا ہو گئی ہو تو پھر وتر نہ پڑھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا: ابوالدرداء نے صحیح نہیں کہا، صبح ہو جاتی تب بھی رسول اللہ ﷺ وتر پڑھ لیتے تھے۔ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۱۴۳)

حضرت ابوسعید خدریؓ نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غسل جمعہ کو واجب قرار نہیں دیا اور فرمایا:

"لوگ اپنے اپنے گھروں سے اور مدینہ کے باہر کی آبادیوں سے آتے تھے اور گرد و غبار اور پسینہ سے شرابور ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ان میں سے ایک صاحب آپ



کے پاس آئے...... آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: بہتر ہوتا اگر تم اس دن (یعنی جمعہ کے دن) غسل کر لیا کرتے"۔ (صحیح بخاری)

گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک غسلِ جمعہ واجب تو نہیں ہے لیکن اس میں بڑی پاکیزگی اور خیر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن (نماز کیلئے آنے سے پہلے) غسل کرنے کو پسند فرماتے تھے۔

حضرت ابوسعید خُدریؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے نئے کپڑے منگوا کر پہنے اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مسلمان جس لباس میں مرتا ہے اسی میں اٹھایا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ واقعہ سنا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوسعید پر رحمت نازل کرے، لباس سے رسول اللہ ﷺ کی مراد انسان کے اعمال ہیں ورنہ رسول اللہ ﷺ کا تو صاف ارشاد ہے کہ قیامت کے دن لوگ برہنہ تن، برہنہ سر اور برہنہ پا اٹھیں گے۔ (ابوداؤد کتاب الجنائز، ابن حبان، حاکم، سیوطی، بحوالہ زرکشی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ...... رسول اللہ ﷺ کو بکری کی دستی کا گوشت بہت پسند تھا۔ (صحیحین)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ روایت سنی تو فرمایا دستی کا گوشت فی نفسہٖ پسند نہ تھا بلکہ بات یہ تھی کہ گوشت بہت کم میسر آتا تھا چونکہ دستی کا گوشت بہت جلد گل جاتا تھا اس لئے آپ اس کو پسند کرتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں یہ قصہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک عورت نے ایک بلّی باندھ رکھی تھی اور اس کو کھانے پینے کیلئے کچھ نہیں دیتی تھی۔ بھوک پیاس کی تاب نہ لا کر وہ بلّی مرگئی۔ اس بناء پر اس عورت پر عذاب ہوا۔

حضرت ابوہریرہؓ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا: تم ہی ہو جو ایک بلّی کے بدلے

Scanned with CamScanner

میں ایک عورت کو عذاب دیے جانے کی روایت بیان کرتے ہو۔

انہوں نے عرض کیا: میں نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کے نزدیک ایک مؤمن کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ ایک بلی کے بدلے میں اس پر عذاب ہو...... وہ عورت اس گناہ کے علاوہ کافرہ بھی تھی۔

اے ابوہریرہ! جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات روایت کرو تو دیکھ لو کہ کیا کہتے ہو۔

(ابوداؤد طیالسی مُسندِ عائشہ)

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوہریرہ ؓ کو روایتِ حدیث سے منع نہیں کیا بلکہ ان کو ہدایت کی کہ روایت کرتے وقت اس کے اسباب و علل پر بھی غور کرلیا کرو یا یہ کہ آنحضور ﷺ کے ارشاد کی اصل (مغزِ سخن) تک پہنچنے کی کوشش کیا کرو...... دراصل یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمومی خواہش تھی اور وہ ہر راویِ حدیث صحابی سے اس کی توقع کرتی تھیں۔)

حضرت ابوہریرہ ؓ نے ایک مرتبہ روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بدشگونی تین چیزوں سے ہوتی ہے، عورت میں گھوڑے میں اور گھر میں۔

لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس روایت کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ صحیح نہیں۔ ابوہریرہ نے آدھی بات سنی اور آدھی نہیں سنی۔ رسول اللہ ﷺ پہلا فقرہ کہہ چکے تھے کہ ابوہریرہ پہنچے (دراصل) آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ یہود کہتے ہیں کہ بدشگونی تین چیزوں میں ہے، عورت میں گھوڑے میں اور گھر میں۔

(بعض روایتیں ایسی بھی ہیں ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان تینوں میں بدشگونی ہوتی ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اگر بدشگونی کوئی چیز ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی۔ یہ بطور واقعہ کے نہیں بلکہ بطور تعلیق کے ہے۔)

(سیرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا صفحہ ۱۹۱ طبع سوم اعظم گڑھ ۱۳۷۲ ہجری ۱۹۵۳ء)



حضرت ابوہریرہ ؓ نے روایت کی کہ جس نے نمازِ وتر نہیں پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا:

''ہم سب نے ابوالقاسم ﷺ کو فرماتے سنا اور اسے اب تک ہم بھولے نہیں کہ جو پانچوں وقت کی نمازیں وضو کے ساتھ صحیح وقت پر پورے رکوع و سجود کے ساتھ ادا کرتا رہا اور اس میں کوئی کمی نہیں کی اس نے اللہ سے عہد لے لیا کہ وہ اس پر عذاب نہ کرے گا اور جس نے کمی کی اس نے عہد نہیں لیا، اللہ چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے تو عذاب دے''۔ (طبرانی فی الاوسط)

اوپر کی مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بعض روایات پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے استدراک یا ان کی تشریح و توضیح کی کیا نوعیت اور کیفیت تھی...... اس بنا پر یہ کہنا کہ اُمُّ المؤمنین رضی اللہ عنہا حضرت ابوہریرہ ؓ کی (تمام) روایات رَدّ کر دیا کرتی تھیں، حقیقت سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔

**اعتراض ۲:** حضرت عثمانِ غنی ؓ نے حضرت ابوہریرہ ؓ کی تکذیب کی ہے۔

**جواب:** اس اعتراض کی بنیاد ایک ضعیف اور مشکوک روایت پر رکھی گئی ہے۔ روایت یہ ہے: ''سائب بن یزید ؓ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عثمان نے ابوہریرہ کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ امیر المؤمنین عثمان ؓ کہتے ہیں کہ یہ تم نے روایتِ حدیث کا کیا سلسلہ شروع کر رکھا ہے؟ تم حدِ اعتدال سے آگے بڑھ گئے ہو، اس طرزِ عمل کو ترک کردو ورنہ میں تمہیں قبیلہ دَوس کی پہاڑیوں تک پہنچا کر چھوڑوں گا۔

سائب کہتے ہیں کہ اسی طرح حضرت عثمان ؓ نے مجھے کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھیجا کہ اس سے کہو مجھے امیر المؤمنین نے تمہاری طرف یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تم نے روایتِ حدیث کا یہ کیا سلسلہ جاری کر رکھا ہے کہ ساری دنیا کو حدیثوں سے بھر دیا ہے۔ اس سے باز آ جاؤ ورنہ میں تمہیں بندروں والے پہاڑوں تک پہنچا کر چھوڑوں گا''۔ (المحدث الفاصل صفحہ ۱۳۳)

''البِدایہ وَالنِہایہ'' میں سائب رضی اللہ عنہ کی ایسی ہی روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جگہ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کا نام لیا گیا ہے۔ اسی لئے اس کی صحت مشکوک ہے۔ سَنَد کے اعتبار سے بھی (جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے) یہ روایت ضعیف ہے۔ ابنِ قتیبہ نے اپنی کتاب ''تاویل مختلف الحدیث'' میں یہ روایت نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کی ہے۔ درایت کی رو سے بھی یہ روایت ناقابلِ اعتبار معلوم ہوتی ہے کیونکہ سیّدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے باہمی تعلّقات ہمیشہ بہت خوشگوار رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس طرح ان کے دِفاع میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔

علامہ محمد عجاج الخطیب اپنی کتاب ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ'' میں لکھتے ہیں:

''اگر اس روایت کی صحت کو فرض بھی کر لیا جائے تو اس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مطعون نہیں کیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو صرف کثرتِ حدیث سے منع کیا ہے خصوصاً جبکہ کثرت کی ضرورت بھی نہ ہو''۔

**اعتراض ٤:** حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو جھوٹا قرار دیا۔

**جواب:** معترضین نے اعتراض کی تائید میں ابوجعفر اسکافی کی یہ روایت پیش کی ہے:

''جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرتِ حدیث کا پتہ چلا تو انہوں نے کہا کہ سب لوگوں یا سب زندوں میں بڑا جھوٹا ابوہریرہ دَوسی ہے''۔

(شرح نہج البلاغہ جلد ا صفحہ ٤٦٨)

یہ روایت ضعیف اور مردود ہے کیونکہ محدّثین نے اس کے راوی ابوجعفر اسکافی کو بدعتی اور بدعت کی دعوت دینے والا قرار دیا ہے، نیز یہ کہ وہ ثِقہ نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک دو اور اقوال بھی نقل کئے جاتے ہیں لیکن یہ سب نظام معتزلی کے ذہن کی اختراع ہیں اور اربابِ جرح وتعدیل نے ان کو رَدّ کر دیا ہے۔



**اعتراض ٥:** حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے الزام لگایا کہ حضرت ابوہریرہ حدیث میں اپنی طرف سے بعض الفاظ کا اضافہ کر دیتے ہیں۔

**جواب:** اس الزام کا پس منظر حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے مویشیوں کی رکھوالی یا شکار کی خاطر کُتا پالنے کے علاوہ کوئی اور کُتا پالا ہو تو اس کے نیک عمل کے ثواب میں روزانہ دو قیراط کی کمی ہوتی رہے گی''

جب حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو اس حدیث میں اس کُتے کا بھی اضافہ کرتے ہیں (یعنی اس کُتّے کو بھی مستثنیٰ قرار دیتے ہیں) جو کھیتی کی حفاظت کیلئے رکھا ہو، تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ! ابوہریرہ پر رحم کرے وہ صاحبِ زرع (کھیتی کے مالک، زمیندار یا کسان) تھے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۱)

معترضین نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ذاتی ضروریات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حدیث میں کھیتی کی حفاظت کرنے والے کُتّے کا اضافہ کر دیا۔ علمائے سلف نے لکھا ہے کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بالکل غلط اور دُور از کار بات ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو حدیث کے یہ الفاظ یاد نہ رہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ چونکہ صاحبِ زرع تھے اس لئے ان کو یہ (تیسری قسم کے کُتّے کے اَستثناء کے بارے میں) الفاظ یاد رہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''علماء کہتے ہیں کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پر شک نہیں کیا بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صاحبِ زرع تھے اس لئے ان کو یہ بات اچھی طرح یاد رہی۔ (نووی علی المسلم جلد ۲ صفحہ ۲۰)

ابنِ عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از محمد عجاج الخطیب)

پھر یہ روایت صرف حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن مُغَفَّل اور سفیان بن ابی زہیرؓ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ مُسندِ احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ سے مروی ایک اور حدیث میں تیسری قسم کے کُتّے کا ذکر بھی آیا ہے۔ (مسندِ احمد جلد ۲ صفحہ ۲۹)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ کے مدّاح تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں ان کی رائے ہم ''حضرت ابو ہریرہؓ کا مقام و مرتبہ'' کے زیرِ عنوان نقل کر چکے ہیں۔

**اعتراض ۶**: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایتوں سے اختلاف کرتے ہیں۔

**جواب**: یہ بالکل غلط اور من گھڑت بات ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ کو حضرت ابو ہریرہؓ کی روایتوں سے مجموعی طور پر اختلاف تھا۔ اس کے برعکس بارہا ایسا ہوا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایتوں کی تصدیق کی۔

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) نے حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے گناہِ صغیرہ میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہوئے بیان نہ کی ہو۔ (ابوداؤد جلد ا صفحہ ۲۹۲)

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) نے حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے گناہِ صغیرہ میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہوئے بیان نہ کی ہو۔ (ابوداؤد جلد ا صفحہ ۲۹۲)

بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے آپس میں دوستانہ تعلقات تھے۔ کئی بار حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت ابنِ عباسؓ کی موجودگی میں فتویٰ دیا اور انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔

باقی رہا بعض روایات میں ان کا حضرت ابو ہریرہؓ سے اختلاف تو ایسی بہت



سی مثالیں موجود ہیں جن میں صحابہ نے ایک دوسرے کی رائے یا روایت سے اختلاف کیا ہے۔ اس اختلاف کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ ایک دوسرے کی تکذیب کرتے تھے۔ اس کے کئی اسباب تھے جن پر محدّثین نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور پھر جس روایت کو راجح قرار دیا ہے اس کے دلائل بھی دیے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی جن چند ایک روایات سے (بقول معترضین) حضرت ابنِ عباسؓ نے اختلاف کیا ان میں یہ روایت بڑے زور شور سے پیش کی جاتی ہے کہ...... ''جو شخص جنازہ اٹھائے اس کو چاہئے کہ اس کے بعد دوبارہ وضو کرے''۔

حضرت ابنِ عباسؓ نے اس روایت کو قبول نہ کیا اور فرمایا خشک لکڑیوں (یعنی میّت کی چارپائی) کو اٹھانے سے وضو کرنا لازم نہیں آتا۔

(حضرت ابو ہریرہؓ سے منسوب اس روایت یا فتویٰ پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا استدراک بھی ان الفاظ میں منقول ہے...... ''کیا مسلمان مُردہ بھی ناپاک ہوتا ہے؟ اور اگر کوئی لکڑی اٹھائے تو اس کو کیا ہوتا ہے''۔)

(عین الاصابہ سیوطی بحوالہ ابو منصور بغدادی)

جامع ترمذی میں یہ حدیث ان الفاظ میں مروی ہے:

''جو شخص میّت کو غسل دے وہ غسل کرے اور جو اسے اٹھائے وہ وضو کرے''۔

(ترمذی جلد ا صفحہ ۱۵۰)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس بات میں ابو ہریرہؓ سے جس قدر روایات بھی منقول ہیں سب ضعیف ہیں اس لئے ان کے بعض راوی ضعیف اور بعض مجہول ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں بلکہ موقوف روایت اور ابو ہریرہؓ کا قول ہے اگر اس روایت کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ابو ہریرہؓ کی ذاتی رائے ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ سے جھوٹی بات منسوب کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ صحابۂ کرام نے

Scanned with CamScanner

حضرت ابوہریرہ ؓ کی تکذیب کی تھی۔

(ابوہریرہ ؓ از محمد عجاج الخطیب بحوالہ الاجابۃ الایراد صفحہ ۱۳۵۔۱۳۶)

یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت کو ''حدیثِ حَسن'' قرار دیا ہے اور ابن القیم نے ''تہذیب السُنن'' میں اس حدیث کو گیارہ طریقوں سے نقل کرنے کے بعد اسے حدیثِ محفوظ قرار دیا ہے۔ جہاں تک میت کو غسل دینے کے بعد غسال کے غسل کرنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں کئی دوسرے صحابہ سے بھی مروی احادیث کُتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ ان میں حضرت علی ؓ، حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما، حضرت ابوسعید خُدری ؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں۔ سُنَنِ ابی داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''نبی ﷺ نے چار چیزوں کیلئے غسل کرنے کی ہدایت فرمائی، جناب، حجامت اور مُردے کو غسل دینے کے بعد اور جمعہ کے دن''۔ (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۹۴)

ان حقائق کے پیشِ نظر حضرت ابوہریرہ ؓ پر زبانِ طعن دراز کرنے کا کیا جواز ہے؟

**اعتراض ۷**: حواریٔ رسول ﷺ حضرت زبیر بن العوام ؓ نے حضرت ابوہریرہ ؓ کو کاذِب کہا۔

**جواب**: معترضین نے اپنے اعتراض کی بنیاد ''البدایہ والنہایہ'' کی ایک روایت کے ان الفاظ پر رکھی ہے:

''حضرت زبیر ؓ نے حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایات سنیں تو فرمایا: صَدَقَ وکَذَبَ''۔

معترضین نے اپنے اعتراض میں وزن پیدا کرنے کیلئے پوری روایت نقل نہیں کی جو اس طرح ہے:



''عُروہ بن زبیر ؓ سے روایت ہے کہ میرے والد زبیر نے کہا: ''بیٹے! مجھے اس یمنی شخص (ابوہریرہ ؓ) کے پاس لے چلو جو کثرت سے حدیثیں روایت کرتا ہے۔ چنانچہ میں ان کو ابوہریرہ کے پاس لے گیا۔ ابوہریرہ حسبِ معمول حدیث بیان کرنے لگے۔ زبیر ؓ انہیں سن کر صَدَقَ وَکَذَبَ کہتے رہے۔ میں نے والد سے پوچھا: اباجان سچ بھی اور جھوٹ بھی اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اے بیٹے (سچ کا مطلب یہ ہے) اس میں کوئی شک نہیں کہ اس (ابوہریرہ) نے یہ حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں اور (جھوٹ کا مطلب یہ ہے) کہ سننے کے بعد بعض حدیثوں کو بروقت اور بعض کو بے موقع روایت کیا''۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۰۹)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سَند میں محمد بن سلمہ راوی ہے۔ یہ شخص متروک اور ضعیف ہے (اس لئے اس روایت کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا)

(''صاحب الاصابہ'' کہتے ہیں کہ محمد بن سلمہ نام کے چار راوی ہیں۔ محمد بن سلمہ بن قرباء بغدادی، محمد بن سلمہ بن کہیل، محمد بن سلمہ بن فرقد، محمد بن سلمہ البنانی۔ یہ چاروں متروک اور ضعیف ہیں۔ اگر ان کے علاوہ کسی اور محمد بن سلمہ نے یہ روایت کی ہے تو وہ مجہول ہے۔) (الاصابہ جلد ۷ صفحہ ۲۰۵)

''صاحِبُ الاصابہ'' کی اس تحقیق کے پیشِ نظر اس اعتراض کی بنیاد ہی ڈھے جاتی ہے۔

اگر اس روایت کو کسی درجے میں درست بھی فرض کر لیا جائے تو یہ حقیقت بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ اس میں حضرت زبیر ؓ نے تصدیق کی کہ حضرت ابوہریرہ ؓ نے جو حدیثیں بیان کیں وہ انہوں نے فی الواقع رسول اللہ ﷺ سے سنی تھیں (تکذیب تو اس وقت ہوتی جب انہوں نے حضرت ابوہریرہ ؓ کے سماعِ حدیث سے انکار کیا ہوتا) ان کے کَذَبَ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے حدیث بے محل

Scanned with CamScanner

بیان کی اور (یوں کرکے) انہوں نے غلطی کی۔ (یہ نہیں کہ انہوں نے دروغ گوئی کی)

اس کی دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ بعض روایات کا جو مفہوم حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا، حضرت زبیر ؓ کو اس سے اتفاق نہیں تھا اور اس کا تعلق اجتہادی مسائل سے تھا۔ ایسے اختلاف کو تکذیب نہیں کہا جا سکتا۔

**اعتراض ۸**: حضرت ابو ہریرہ ؓ کی کثرتِ روایت کا سبب یہ ہے کہ ان کے نزدیک جب تک کوئی روایت حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کرتی تو ایسی روایات بنانے میں کوئی حرج نہیں۔

**جواب**: یہ اعتراض محض یاوہ گوئی اور اس کی حیثیت تہمت طرازی سے زیادہ نہیں۔ معترضین اس کی تائید میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے یہ دو روایتیں منسوب کرتے ہیں۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہیں کرتے تو معنی سمجھ جانے کے بعد روایت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (طبرانی)

۲۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے کوئی حدیث اللہ کی رضا کیلئے بیان کی تو وہ میری کہی ہوئی ہے۔ اگرچہ میں نے وہ نہ کہی ہو۔

(ابن عساکر)

ان دونوں روایتوں کی حقیقت یہ ہے کہ پہلی روایت حضرت ابو ہریرہ ؓ کے نام سے مروی نہیں ہے، محض قیاس کرلیا گیا ہے کہ اس کے راوی حضرت ابو ہریرہ ؓ ہیں۔ پوری روایت یہ ہے:

"یعقوب بن عبداللہ بن سلیمان بن اکیمۃ اللیثی اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، ہم آپ ﷺ سے حدیث سنتے ہیں پھر اس طرح سنانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

آپ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کرتے تو معنی



سمجھ جانے کے بعد روایت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں"۔

استاد عبدالرحمٰن معلمی الیمانی اپنی کتاب "انوار الکاشفہ" میں لکھتے ہیں کہ اس روایت کے سلسلۂ اسناد میں یعقوب اور اس کا باپ دادا مجہول ہیں، لہٰذا یہ روایت ثابت نہیں۔ تاہم اگر اس روایت کو درست بھی فرض کرلیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے ان لوگوں کی حالت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے روایت بالمعنی کی مشروط اجازت دی، یہ نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی حدیث بنا کر پیش کریں۔

جہاں تک دوسری روایت کا تعلق ہے تو ابنِ عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی سَنَد بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ روایت بختری بن عبید نے اپنے باپ سے اور اس نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے سنی اور بختری بن عبید جھوٹا آدمی ہے اور اس کا باپ بھی مجہول ہے۔ (انوار الکاشفہ صفحہ ۱۵۷)

گویا یہ روایت بھی مردود ہے۔ یہ کتنی شرمناک جسارت ہے کہ ایسی روایات کی بنا پر حضرت ابو ہریرہ ؓ کو مطعون کیا جائے۔

(سطورِ بالا میں ہم نے حضرت ابو ہریرہ ؓ کے مخالفین کے بڑے بڑے اعتراضات کا ابطال اختصار کے ساتھ کردیا ہے۔ علماء نے اپنی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ان کا ابطال کیا ہے۔ ان میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ فتح الباری — حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ۔

۲۔ البدایہ والنہایہ — حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ دفاع عن ابی ہریرہ ؓ — عبدالمنعم صالح العلی۔

۴۔ انوار الکاشفہ — استاد عبدالرحمٰن معلمی الیمانی۔

۵۔ ابو ہریرہ فی المیزان — استاد محمد السماحی۔

۶۔ المنہج الحدیث — استاد محمد السماحی۔

۷۔ ظلماتِ ابی ریّہ — استاد محمد عبدالرزاق حمزہ۔
۸۔ حضرت ابوہریرہؓ — علامہ محمد عجاج الخطیب۔
۹۔ دفاعِ ابی ہریرہؓ — مفتی غلام الرحمٰن۔

(علاوہ ازیں کُتبِ حدیث کی شروح میں بھی حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات پر اعتراضات کا بہت کچھ جواب مل جاتا ہے۔)

## آخری بحث:

قرآنِ کریم اور احادیث نبوی ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی دو قسم کی تھی۔ پہلی قسم کی وحی کو وحی متلو (یعنی تلاوت کی جانے والی وحی) کہا جاتا ہے۔ یہ وحی قرآنِ حکیم کی صورت میں رسولِ کریم ﷺ پر نازل کی گئی اور صرف قرآنِ کریم کی آیات پر مشتمل ہے۔ قرآنِ کریم کا ایک ایک لفظ اسی وحی کے ذریعے نازل ہوا۔ یہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے الفاظ اور معانی دونوں کا مجموعہ ہے۔

وحی کی دوسری قسم کو وحی غیر متلو (تلاوت نہ کی جانے والی وحی) کہا جاتا ہے۔ یہ وحی رسولِ اکرم ﷺ پر روزمرہ پیش آنے والے واقعات کے بارے میں رضائے الٰہی کے تعین کیلئے نازل ہوتی تھی۔ اس کے ذریعے قرآنِ حکیم میں بیان کردہ اصول و احکام کی تفصیل، ان کی تشریح اور تعبیر بھی سمجھائی جاتی تھی۔ یہ وحی لوگوں تک لفظ بہ لفظ نہیں پہنچائی گئی بلکہ اسے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و افعال کے ذریعے ظاہر کیا گیا۔ اسی کا نام حدیث یا سُنّت ہے۔ اس لئے اس کا اِتّباع بھی ہر مسلمان پر لازم ہے۔

یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو حدیث صحیح اور حدیث ضعیف کہا جاتا ہے اس سے سَنَدِ صحیح اور سَنَدِ ضعیف مراد ہوتی ہے۔ ورنہ کوئی حدیث بحیثیت حدیث ضعیف ہو ہی نہیں سکتی۔ احادیث کی جانچ پڑتال اور ان کی اقسام اور درجے متعین کرنے کیلئے اسماءِ الرِّجال اور جرح و تعدیل کے فن معرض،



وجود میں آئے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا ہر قول یا فعل منشائے الٰہی کے تابع ہوتا تھا اور لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے زبانِ رسالت سے ادا ہونے والا ہر لفظ وحیِ الٰہی کے مطابق ہوتا تھا جیسا کہ سورۃ النجم میں ارشاد ہوا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى.

یعنی وہ (نبی ﷺ) اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتا۔ یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

سنّت یا حدیثِ رسول ﷺ کے بغیر اسلامی زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ہمیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونۂ عمل ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یہ احادیث ہی ہیں جو ہمیں اس نمونہ کی تفصیلات بتاتی ہیں۔ مثلاً آپ ﷺ کے صبح سے شام تک کے معمولات، اخلاق، عبادات، معمولاتِ جہاد، معمولاتِ سفر، معمولاتِ نماز وغیرہ۔

احادیث میں بیان کی گئی، اخلاقِ نبوی کی تفصیلی جزئیات کے عنوانات ملاحظہ ہوں:

حُسنِ خلق، حُسنِ معاملہ، راست گفتاری، عدل و انصاف، جود و سخا، ایثار، شرم و حیا، حِلم و تحمل، مساوات، انکسار و تواضع، زُہد و قناعت، ایفائے عہد، اللہ پر بھروسا، شجاعت، عزم و استقلال، عیادت، تعزیت، مہمان نوازی غریبوں کی مدد، یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی، نرم مزاجی، شیریں زبانی، بچوں پر شفقت، مستورات کے ساتھ برتاؤ، دشمنوں کے حق میں دعائے خیر، عفو و درگزر بدترین دشمنوں سے حُسنِ سلوک، گداگری سے نفرت، صدقہ و خیرات سے پرہیز، دکھاوے سے اجتناب، رقیق القلبی، اولاد سے محبت، استقامتِ عمل، اہلِ خانہ سے حُسنِ سلوک، برائی کا بدلہ بھلائی، خدمتِ خلق، خشیتِ الٰہی، غصے پر قابو پانا وغیرہ۔

صرف اخلاقِ نبوی ﷺ ہی کی نہیں احادیث میں آنحضور ﷺ کے ذاتی حالات و معمولات کی بھی ذرا ذرا سی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ چند عنوانات ملاحظہ ہوں:

Scanned with CamScanner

آپ ﷺ کے کھانے پینے کا طریقہ، آپ ﷺ کے سونے جاگنے کا طریقہ، آپ ﷺ کے معاملات اور خرید وفروخت کا طریقہ، آپ ﷺ کا اندازِ گفتگو، آپ ﷺ کی خاموشی، آپ ﷺ کا تبسم اور خندہ فرمانا، آپ ﷺ کا گریہ، وضو کا طریقہ، تیمم کا طریقہ، موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ حوائجِ ضروریہ کے آداب، طہارت اور غسل کا طریقہ، آپ ﷺ کے نماز ادا کرنے کا طریقہ، آپ ﷺ کا سجدۂ سہو ادا کرنے کا طریقہ، آپ ﷺ کا نماز میں سلام پھیرنے کا طریقہ، سفر وحضر، مسجد اور گھر میں آپ ﷺ کے سنن ونوافل پڑھنے کا طریقہ، آپ ﷺ کے تہجد پڑھنے کا طریقہ، رات کی نماز اور وتر پڑھنے کا طریقہ، آپ ﷺ کے قرآن پڑھنے کی کیفیت، آپ ﷺ کے سجدۂ شکر بجالانے کا طریقہ، آپ ﷺ کے سجدۂ قرآن ادا کرنے کا طریقہ، آپ ﷺ کے قرآن پڑھنے اور سننے کا طریقہ، آپ ﷺ کے جمعہ کے خطبہ دینے کا طریقہ، عیدین کی نماز میں آپ ﷺ کا طریقہ، آپ ﷺ کے سفر کا طریقہ، سفر میں آپ ﷺ کے نماز اور نوافل پڑھنے کا طریقہ، آپ ﷺ کے دو نمازوں کو اکٹھی پڑھنے کا طریقہ، بیماروں کی عیادت کرنے میں آپ کا طریقہ، آپ ﷺ کے تعزیت کرنے کا طریقہ، جنازے کے ساتھ آپ ﷺ کے جانے کا طریقہ، جنازے کی نماز میں آپ ﷺ کا طریقہ، چھوٹے بچوں پر نمازِ جنازہ پڑھنے میں آپ ﷺ کا معمول، زیارتِ قبور میں آپ ﷺ کا طریقہ، صلوٰۃِ خوف میں آپ ﷺ کا طریقہ، عید الاضحیٰ میں آپ ﷺ کے قربانی کرنے کا طریقہ، عقیقہ میں آپ ﷺ کا طریقہ، نومولود بچے کے کان میں آپ ﷺ کے اذان دینے، اس کا نام رکھنے اور اس کا ختنہ کرانے میں آپ ﷺ کا طریقہ، گھر میں داخلہ کے وقت آپ ﷺ کا طریقہ، آپ ﷺ کے کپڑا پہننے کا طریقہ، آدابِ سفر میں آپ ﷺ کے طریقے اور سفر میں دعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ، آدابِ طعام میں آپ ﷺ کا طریقہ، کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد آپ ﷺ کے دعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ، غزوات اور جہاد میں آپ ﷺ کا طریقہ، قیدیوں کے ساتھ آپ



ﷺ کا سلوک، آدابِ سلام میں آپ ﷺ کا طریقہ، زکوٰۃ اور صدقات میں آپ ﷺ کا طریقہ، نیا چاند دیکھنے کے وقت آپ ﷺ کے دُعا فرمانے کا طریقہ، روزہ میں آپ ﷺ کا طریقہ، آپ ﷺ کا رمضان المبارک میں زیادہ عبادت کرنے کا طریقہ، سفر میں روزہ کے افطار کے بارے میں آپ ﷺ کا طریقہ، آپ ﷺ کے اعتکاف کا طریقہ، آپ ﷺ کے حج کی کیفیت اور آپ ﷺ کا حج میں اپنے دستِ مبارک سے قربانی کرنے کا طریقہ، آپ ﷺ کا حج میں سر منڈانے کا طریقہ، ایامِ حج میں آپ ﷺ کے خطبوں کا طریقہ، اصلاح اور خط بنوانے میں آپ ﷺ کا طریقہ، مونچھوں کے رکھنے اور خط بنوانے میں آپ ﷺ کا طریقہ، مونچھوں کے رکھنے اور ترشوانے میں آپ ﷺ کا طریقہ، آپ ﷺ کی چاشت کی نماز کا طریقہ، بیت الخلاء میں جانے اور وہاں سے واپس آنے کا طریقہ، نکاح کی دعاؤں کے متعلق آپ ﷺ کا طریقہ، صلح کرنے، امان دینے، جزیہ مقرر کرنے، کفار، منافقین اور اہلِ کتاب کے ساتھ معاملات کرنے میں آپ ﷺ کا طریقہ وغیرہ وغیرہ۔ (طالب الہاشمی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں کہ جن سے حضور علیہ السلام کی بابرکت زندگی کے ہر لمحے اور ہر طریقے سے متعلقہ کئی احادیث مروی ہیں۔

## حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ایک حدیث اور چند روایات:

ان رجلا جاء الی زید بن ثابت فسأله عن شئی فقال له زید علیک بابی هریرة رضی الله عنه (فبینا انا) وابو هریرة وفلان فی المسجد ندعو ونذکر ربنا (عزوجل) اذ خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی جلس الینا فسکتنا فقال عودوا للذی کنتم فیه قال زید فدعوت انا وصاحبی قبل ابی هریرة وجعل رسول الله صلی الله علیه وسلم یؤمن علی دعاء نا ثم دعا ابوهریرة فقال اللهم انی

اسألک بمثل ماسألک صاحبای واسألک علما لاینسی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امین فقلنا یا رسول اللہ نحن نسأل اللہ علما لاینسنا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبقکما بھا الغلام الدوسی.

(اخرج الطبرانی فی الاوسط باسناد رجالہ ثقات والحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد۔ مجمع الزوائد صفحہ ۳۶۱ جلد ۹۔ درالسحابہ فی مناقب القرابۃ والصحابہ صفحہ ۴۳۸)

ایک بندہ حضرت زید بن ثابت کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آیا تو حضرت زید نے فرمایا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جا کر پوچھ، یہ وقت تھا کہ میں، ابوہریرہ اور ایک اور شخص ہم تینوں مسجد میں بیٹھ کر ذکرِ الٰہی اور دعا میں مشغول تھے، اچانک حضور ﷺ تشریف لے آئے اور ہمارے پاس آ کر بیٹھ گئے پس ہم چپ ہو گئے، حضور ﷺ نے فرمایا: جو تم دعا کر رہے تھے پھر کرو، چنانچہ میں اور دوسرے صحابی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پہلے دعا کی تو حضور ﷺ نے ہماری دعا پہ امین کہا۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی: "اے اللہ! جو میرے ساتھیوں نے مانگا مجھے وہ بھی عطا فرما اور ایسا علم بھی عطا فرما جو بھولے نہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: امین (اے اللہ! ابوہریرہ کی دعا قبول فرمالے) حضرت زید کہتے ہیں میں اور میرے ساتھی نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم بھی اللہ تعالیٰ سے ایسا علم مانگتے ہیں جو نہ بھولے، پس حضور نے فرمایا: دوس قبیلے کا نوجوان (ابوہریرہ) تم دونوں سے نمبر لے گیا ہے۔

۞ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان ابا ھریرۃ کان جریئا علی ان یسال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اشیاءَ لا یسألہ عنھا غیرہ.

(مجمع الزوائد صفحہ ۳۶۱ جلد ۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے وہ مسائل پوچھنے کی جرأت بھی کر لیتے تھے جو کوئی اور نہ پوچھ سکتا تھا۔

۞ حضرت سعید بن سفیان الجحدری فرماتے ہیں: قدمت المدینۃ فوجدت ابا ایوب یحدث عن ابی ھریرۃ فقلت تحدث عن ابی ھریرۃ وقد رایت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم قال انہ قد سمع. (مجمع الزوائد صفحہ ۳۶۱-۳۶۲ جلد ۹)

میں مدینہ شریف حاضر ہوا اور دیکھا کہ حضرت ابو ایوب (انصاری) رضی اللہ عنہ حضرت ابوہریرہ کی روایت کردہ حدیث بیان فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: آپ نے خود بھی تو حضور ﷺ کی زیارت فرمائی ہے پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حدیث بیان کرنے کا کیا مطلب؟ فرمایا: یہ حدیث (صرف) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہی حضور ﷺ سے سُنی ہے۔

۞ امام حاکم نے المستدرک میں صحیح اسناد سے روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: ما ھذہ الاحادیث التی تبلغنا انک تحدث بھا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھل سمعت الا ما سمعنا؟ وھل رایت الا ما راینا؟

اے ابوہریرہ! یہ جو تو احادیث حضور ﷺ کی طرف سے بیان کرتا ہے، کیا تو نے بھی وہی کچھ نہیں سُنا جو ہم نے سُنا ہے اور وہی کچھ دیکھا ہے جو ہم نے دیکھا۔ (پھر ہم سے زیادہ تو کیسے احادیث بیان کرتا ہے)۔ فقال یا اماہ انہ کان یشغلک عن رسول اللہ المراۃ والمکحلۃ لیتصنع لرسول اللہ وانی واللہ ما کان یشغلنی عنہ شئی. (صفحہ ۵۰۹ جلد ۳)

حضرت ابوہریرہ نے عرض کیا: اے امی جان! آپ تو پھر بھی حضور ﷺ کے کیلئے شیشہ، سرمہ اور دیگر تیاری کے کاموں میں مصروف ہو جاتی تھیں جبکہ میں تو ہر وقت ہی اپنے آقا کے پاس بیٹھا رہتا۔

چنانچہ ایک بار حضرت ابوہریرہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! اذا رایتک قرت عینی وطابت نفسی فاذا لم ارک لم تطب نفسی (او کلمہ نحوھا) جب میں آپ کو دیکھ لیتا ہوں تو خوش رہتا ہوں اور جس لمحہ آپ

کی مجھے زیارت نہیں ہوتی پریشان رہتا ہوں۔

(مجمع الزوائد صفحہ ۳۶۱ جلد ۹، درالسحابہ فی مناقب القرابۃ والصحابہ صفحہ ۴۳۹)

وقالوا ابوهريرة مجنون. (طبقات ابن سعد صفحہ ۳۳۱ جلد ۴)

لوگوں نے یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ ابوہریرہ تو مجنون ہوگیا ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا: اے ابوہریرہ! زر غبا تزدد حبا. وقفے سے ملا کر اس سے محبت بڑھے گی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: واللّٰه مانشک انه سمع من رسول اللّٰه مالم نسمع وعلم مالم نعلم اناکنا اغنياء لنا بيوت واهلون كنا ناتى نبى اللّٰه طرفی النهار ثم نرجع وكان ابوهريرة مسكينا لامال له ولا ولد انما كان يده مع يدالنبى صلى اللّٰه عليه وسلم كان يدور معه حثيما دار ولا نشک انه قد علم مالم نعلم وسمع مالم نسمع ولم يتهمه احد منا ان يقول على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مالم يقل.

(المستدرک صفحہ ۵۱۱_۵۱۲ جلد ۳)

حضرت ابوانس مالک بن ابی عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے کہا: اے ابومحمد (حضرت طلحہ کی کنیت) ہمیں تو کچھ معلوم نہیں کہ آپ لوگ حضور علیہ السلام کو زیادہ جانتے ہیں کہ یہ یمنی (ابوہریرہ) حضور علیہ السلام سے وہ باتیں بھی بیان کر دیتا ہے جو آپ نے نہیں فرمائیں۔

یہ سن کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں تو اس بات میں کبھی شک نہیں ہوا (کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کبھی کوئی ایسی بات کی ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو اور اس کی وجہ بیان فرمائی کہ) ہم مالدار اور گھر بار والے لوگ تھے۔ صبح و شام بارگاہ رسالت میں حاضری دیتے اور گھر واپس آجاتے جبکہ ابوہریرہ مسکین آدمی تھا نہ اس کے پاس مال نہ بیوی نہ بچے، حضور کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر بیٹھا رہتا، جہاں سرکار جاتے ابوہریرہ



ساتھ ہوتا لہٰذا اس نے وہ کچھ سنا جو ہم نہ سن سکے اور وہ کچھ جانا جو ہم نہ جان سکے اس لئے ہم (صحابہ) میں سے کوئی ایک بھی اس پر ایسی تہمت نہیں لگا سکتا کہ وہ ایسی بات کرتے ہوں گے جو حضور نے نہ فرمائی ہو اور پھر اس کو حدیث رسول کہہ دیں۔

غرض میں کیا کہوں تم سے کہ وہ صحرا نشین کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بین و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارہ

--------

## نمبر۵:

# حضرت سیّدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ

یہ وہ مرد جری تھا شاہد بزمِ رسالت تھا
خدا کے دین پر ہونا فدا ایمان تھا جس کا

فصیل دیں کی بنیادوں میں اس کا خوں بھی شامل ہے
کہ اس کی پیروی بھی راہ روانِ حق کی منزل ہے

نقوش پا کو اس کے آؤ ہم بھی راہنما کرلیں
خدا و مصطفیٰ کی نصرتوں سے جھولیاں بھرلیں

**نام:** خُبیب۔

**باپ کا نام:** عدی۔

**قبیلہ:** اوس۔

آپ کو ہجرت سے پہلے ہی اسلام کی دولت نصیب ہوئی اور حضور ﷺ کی مدینہ شریف آمد سے لے کر تادم آخر آپ کو فیضانِ نبوت سے استفادہ کرنے کا خوب خوب موقع ملا۔ آپ غزوۂ بدر میں حضور ﷺ کی اس مقدس جماعت میں شامل تھے کہ جن کی مدد کیلئے آسمان سے فرشتوں کا نزول ہوا۔ (بخاری صفحہ ۵۲۴ جلد۲)

## آپ کی سیرت وفضائل کا مشہور واقعہ:

رسولِ اکرم ﷺ نے ایک بار چھ یا دس آدمیوں کی جماعت اہلِ مکہ کی خبر لانے



کیلئے بھیجی راستہ میں بنولحیان کے دوسو آدمیوں سے مقابلہ ہوا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں نے اُحد میں اپنے مقتول کافر عزیزوں کے جوش انتقام میں ان حضرات کو فریب وحیلہ سے اپنے یہاں بلایا۔ سلافہ نامی ایک عورت جس کے دولڑکے احد میں مارے گئے تھے اس نے منت مانی تھی کہ اگر میرے بیٹوں کے قاتل عاصم کا سر ہاتھ آجائے تو اس کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔ اس نے اعلان کردیا کہ جو عاصم کا سر لائے گا اسے سو اونٹ انعام دوں گی۔ سفیان بن خالد نے سو اونٹوں کے طمع میں قبیلہ عضل وقارہ کے چند آدمیوں کو مدینہ منورہ بھیجا۔ انہوں نے وہاں اپنے کو مسلمان ظاہر کیا اور سرکار ﷺ سے کہہ کر چند حضرات (صحابۂ کرام) کی جماعت اپنے یہاں تبلیغِ دین کی غرض بتا کر ساتھ کرلائے جن میں حضرت عاصم، حضرت خبیب، حضرت زید بن دِثِنہ، حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ راستہ میں لے جاکر بدعہدی کی اور دوسو آدمیوں کو مقابلہ کیلئے بلالیا جن میں سو آدمی مشہور تیرانداز تھے۔

دس یا چھ بزرگوں کی یہ مختصر جماعت دشمنوں کی بدنیتی دیکھ کر فدفد نامی ایک پہاڑی پر چڑھ گئی۔ کفار نے کہا ہم تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتے۔ صرف اہلِ مکہ سے تمہارے بدلے کچھ مال لینا چاہتے ہیں تم ہمارے ساتھ آجاؤ مگر انہوں نے کہا کہ ہم کافروں کے عہد پہ اترنا نہیں چاہتے اور ترکش سے تیر نکال کر مقابلہ کیا جب تیر ختم ہوگئے تو نیزوں سے مقابلہ کیا۔ حضرت عاصم نے ساتھیوں سے جوش میں کہا تم سے دھوکا کیا گیا مگر گھبرانے کی بات نہیں۔ شہادت کو غنیمت سمجھو تمہارا محبوب تمہارے ساتھ ہے اور جنت کی حوریں تمہاری منتظر ہیں یہ کہہ کر جوش سے مقابلہ کیا اور جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا تو تلوار سے مقابلہ کیا۔ دشمنوں کا مجمع کثیر تھا آخر شہید ہوگئے اور دعا کی: یا اللہ! اپنے رسول کو ہمارے حال سے آگاہ فرمادینا سرکار کو اسی وقت اس واقعے کا علم ہوگیا۔ حضرت عاصم یہ بھی سن چکے تھے کہ سلافہ نے میرے سر کی کھوپڑی میں شراب پینے کی منت مانی ہے

Scanned with CamScanner

اس لئے مرتے وقت دعا کی: یا اللہ میرا سر تیرے راستے میں کاٹا جا رہا ہے تو ہی اس کا محافظ ہے۔ چنانچہ شہادت کے بعد جب کافروں نے سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا اور بعض روایتوں میں بھڑوں کا ایک غول بھیج دیا۔ جنہوں نے ان کے بدن کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کافروں کا خیال تھا کہ جب رات کے وقت یہ اڑ جائیں گی تو سر کاٹ لیں گے مگر رات کو بارش کی ایک رَو آئی اور ان کی نعش کو بہا کر لے گئی اسی طرح سات آدمی یا تین آدمی شہید ہو گئے۔ غرض تین باقی رہ گئے۔ حضرت خبیب، زید بن دشنہ اور عبداللہ بن طارق ان تینوں حضرات سے پھر انہوں نے عہد و پیمان کیا کہ تم نیچے آ جاؤ ہم تم سے بدعہدی نہ کریں گے۔ یہ تینوں حضرات نیچے اتر آئے اور نیچے اترنے پر کفار نے ان کی کمانوں کی تانت اتار کر ان کی مشکیں باندھیں۔ حضرت عبداللہ بن طارق نے فرمایا کہ یہ پہلی بدعہدی ہے میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا ان شہید ہونے والوں کی اقتدا ہی مجھے پسند ہے انہوں نے زبردستی ان کو کھینچنا چاہا مگر یہ نہ چلے تو ان لوگوں نے ان کو بھی شہید کر دیا۔ صرف دو حضرات ان کے ساتھ رہے جن کو لے جا کر ان لوگوں نے مکہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ایک حضرت زید بن دشنہ جن کو صفوان بن امیہ نے پچاس اونٹوں کے بدلہ میں خریدا تا کہ اپنے باپ امیہ کے بدلے قتل کر دے۔ (بخاری شریف کی روایت ہے کہ حارث بن عامر کی اولاد نے خریدا کیونکہ انہوں نے بدر میں حارث کو قتل کیا تھا) صفوان نے تو اپنے قیدی حضرت زید کو فوراً ہی حرم سے باہر اپنے غلام کے ہاتھ بھیج دیا تا کہ قتل کر دیئے جائیں۔

حضرت زید کو قتل کرنے کیلئے حد حرم سے باہر لے گئے تو اس کا تماشا دیکھنے کیلئے اور بھی بہت سے لوگ جمع ہوئے جن میں ابوسفیان بھی تھے۔ (جو اب تک اسلام نہ لائے تھے) ابوسفیان نے حضرت زید سے یوں کہا:

''اے زید! میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اس وقت ہمارے پاس بجائے تمہارے محمد ہوں جن کو ہم قتل کر دیں اور تم آرام سے



اپنے اہل میں بیٹھو''۔

حضرت زید نے جواب دیا:

''اللہ کی قسم! میں پسند نہیں کرتا کہ محمد (ﷺ) اس وقت جس مکان میں تشریف رکھتے ہیں ان کو ایک کانٹا لگنے کی تکلیف بھی ہو اور میں آرام سے اپنے اہل میں بیٹھا رہوں''۔

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا:

''میں نے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ دوسروں سے ایسی محبت رکھتا ہو۔ جیسا کہ محمد کے اصحاب، محمد سے رکھتے ہیں''۔

اس کے غلام نسطاس نے حضرت زید کو شہید کر دیا۔ رضی اللہ عنہ۔

(سیرت ابنِ ہشام بروایت ابن اسحاق)

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ایک عرصہ تک قید میں رہے۔ حجیر کی باندی جو بعد میں مسلمان ہو گئیں کہتی ہیں کہ جب خبیب ہم لوگوں کی قید میں تھے تو ہم نے دیکھا کہ خبیب ایک دن انگور کا بہت بڑا خوشہ آدمی کے سر برابر ہاتھ میں لئے ہوئے انگور کھا رہے تھے اور مکہ میں اس وقت انگور بالکل نہیں تھے۔ وہی کہتی ہیں کہ جب ان کے قتل کا وقت قریب آیا تو انہوں نے صفائی کیلئے اُسترہ مانگا وہ دے دیا گیا اتفاق سے ایک کمسن بچہ اس وقت خبیب کے پاس پہنچ گیا لوگوں نے دیکھا کہ اُسترہ ان کے ہاتھ میں ہے اور بچہ ان کے پاس، یہ دیکھ کر گھبرائے خبیب نے کہا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں بچہ کو قتل کر دوں گا نہیں ہرگز نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا اس کے بعد ان کو حرم سے باہر لایا گیا اور سولی لٹکانے کے وقت آخری خواہش کے طور پر پوچھا گیا کہ کوئی تمنا ہو تو بتاؤ انہوں نے فرمایا کہ مجھے تو اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں کہ دنیا سے جانے کا وقت ہے اور اللہ جل شانہٗ کی ملاقات قریب ہے چنانچہ مہلت دی گئی۔ انہوں نے دو رکعتیں بڑے اطمینان سے پڑھیں اور پھر فرمایا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ سمجھو گے کہ میں

موت کے ڈر سے دیر کر رہا ہوں تو دو رکعت اور پڑھتا اس کے بعد سولی پر لٹکا دیئے گئے۔

## حضرت خبیب تختۂ دار پر:

جب مشرکین مکہ نے حضرت خبیب کو تختہ دار پر کھڑا کیا۔ تو جناب خبیب ؓ نے اہلِ مکہ کیلئے بد دعا کی۔ حضرت امیر معاویہ ؓ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے زمین پر لٹا دیا کیونکہ انکا خیال تھا کہ اگر زمین پر لیٹ جائیں تو بد دعا کا اثر نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں کہ ایک سال کے اندر اندر جتنے آدمی بھی سولی پر چڑھاتے وقت موجود تھے مر کھپ گئے اور میں بھی ایک سال تک بستر پہ پڑا رہا۔ سعید بن عامر ؓ بعض اوقات بے ہوش ہو جاتے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر ؓ نے انہیں ایک عمل بتایا اور ساتھ ہی پوچھا کہ یہ غشی کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ جب خبیب کو سولی پر کھڑا کیا گیا تو میں وہاں موجود تھا جونہی اس کا نقشہ سامنے آتا ہے۔ ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہوں۔ تختہ دار پر حضرت خبیب ؓ نے کہا: اے اللہ ہم نے اپنے آقا و مولا جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ پر عمل کیا یہاں کوئی بھی نہیں جو میرا پیغام ان تک پہنچا دے۔ تو قادر و قیوم ہے۔ میرا اسلام ان تک پہنچا دے۔ حضرت اسامہ ؓ کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں حضور ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ آثارِ وحی ظاہر ہوئے۔ اور آپ نے فرمایا: "وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ"۔ اس کے بعد آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بتایا کہ خدا نے خبیب کا سلام مجھے پہنچایا ہے۔ آپ نے بشارت دی جو شخص حضرت خبیب کو تختہ دار سے نیچے اتارے گا اس کا مقام بہشت ہے۔ (شواہد النبوۃ صفحہ ۱۳۸)

## واقعۂ خبیب باندازِ خطابت:

جب حضرت خبیب ؓ نے مشرکین قریش کے ایک سردار حارث بن عامر بن نوفل کو واصل جہنم فرمایا اور انہوں نے انتقام لینے کیلئے آپ کو پکڑا اور قید کر دیا تو اس قید تنہائی میں اللہ کے محبوب خواب میں اپنے صحابی کو اپنے دیدار سے مشرف فرماتے تھے۔



تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں مجھ سے خلوت میں ملاقاتیں

جس گھر میں آپ کو قید کیا گیا اسی گھر کی ایک خاتون کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ حضرت خبیب کے ہاتھ میں استرا ہے۔ انہوں نے میرے بچے کو اپنی گود میں بٹھایا ہوا ہے۔ وانا غافلۃ. مجھے نہیں معلوم کہ یہ کیسے ہو گیا لیکن میں گھبرا کر دوڑی تو حضرت خبیب ؓ نے فرمایا: ما کنت لافعل ذلک واللہ ما رایت اسیرا قط خیرا من خبیب. میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ عورت کہتی ہے اللہ کی قسم میں نے خبیب جیسا اچھا قیدی کبھی نہیں دیکھا۔

اسی عورت کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے حضرت خبیب کے سامنے انگوروں کے (خوشے) گچھے دیکھے جو آپ کھا رہے تھے۔ حالانکہ وما بمکۃ من ثمر. ان دنوں مکہ میں (اس) پھل کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ وکانت تقول انہ لرزق من اللہ رزقہ خبیبا. وہ عورت کہا کرتی تھی کہ یہ ایسا رزق تھا جو اللہ کی طرف سے تھا اور اللہ نے حضرت خبیب ؓ کو عطا فرمایا تھا۔

کس طرح مجھ سے ہو بیاں عظمت و شانِ خُبیب
لمحہ لمحہ تھی نثارِ مصطفیٰ جانِ خُبیب
جان دے دی پر نہ چھوڑا دامنِ اسلام کو
اللہ اللہ کس قدر پختہ تھا ایمانِ خُبیب
تھا تصور میں جمالِ مصطفیٰ روشن تھا دل
دولتِ عشقِ نبی سے پُر تھا دامانِ خُبیب

فلما خرجوا من الحرم لیقتلوہ فی الحل. جب کفار مکہ حضرت خبیب ؓ کو حرم سے نکال کر قتل کرنے کیلئے (حل) میں لے گئے اور آپ کو مارنا شروع کر دیا تو ہر ضرب پہ حضرت خبیب کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے: فزت برب الکعبۃ.

رب کعبہ کی قسم ہے میں کامیاب ہو گیا اور جب ان کی مار اور ان کا لالچ ان کے کسی کام نہ آیا اور حضرت خبیب ؓ نے ان کے تمام مطالبات مسترد کر کے جان پر کھیل جانا گوارہ کر لیا اور بہانگ دُھل کہہ رہے تھے:

بجلیاں چرخ سے اور کوہ سے پتھر برسیں
ساری دنیا کی بلائیں میرے سر پر برسیں
ختم ہو جائے ہر ایک مصیبت مجھ پر
اگر ایمان کو جنبش ہو تو حیرت مجھ پر

آخر تھک ہار کر کافروں نے علی سبیل التنزل حضرت خبیب سے کہا: اچھا! تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ آج تمہاری جگہ محمد (ﷺ) ہوتے اور ان کو قتل کر دیا جاتا اور تو زندہ بچ جاتا۔ فرمایا: تم ان کو قتل کرنے کی بات کرتے ہو میں تو یہ سارا کچھ برداشت کرنا قبول کر سکتا ہوں مگر یہ پسند نہیں کر سکتا کہ میرے آقا کے پاؤں میں ایک کانٹے کی بھی تکلیف ہو۔

یہ سب کچھ ہے گوارہ پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ ان کے پاؤں کے تلووں میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

کافروں نے کہا: پھر آخری وصیت کر دو اور مرنے پر تیار ہو جاؤ۔ فرمایا: ذرونی ارکع. مجھے دو رکعت نماز کی مہلت دے دو۔ چنانچہ آپ نے جلدی جلدی دو رکعت نوافل ادا فرمائے اور فرمایا: اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم سمجھو میں نے موت کے ڈر سے نماز لمبی کر دی ہے لطولتھا. تو البتہ میں نماز کو خوب لمبا کرتا۔ اس موقع پر آپ نے چند عربی اشعار کہے۔ (بخاری شریف صفحہ ۴۲۸ جلد ا)

جس کا ترجمہ کسی پنجابی شاعر نے اس طرح کیا ہے:

بادِ صبا! جا شہر مدینے دئیں سنیہا میرا
مکے والیاں سولی دتا یار خبیب آج تیرا



ایسے گلوں پھائے لادن کیوں تیرے سنگ لایاں
کیوں میں واحد رب پچھاتا ایہہ قصور خطائیاں
مَردی واری یار نہ ڈِٹھا ایہہ افسوس ودھیرا
نام خدا دے ول قبر دے پائیں کرم دا پھیرا

چنانچہ آپ نے ہوا کے ہاتھ سلام بھیجا اور بارگاہِ رب العزت میں دعا کی: بلغ سلامی رسولک. اے اللہ! اپنے رسول کو میرا سلام پہنچا دے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں عین اسی وقت ہم حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ اچانک حضور ﷺ خاموش ہو گئے اور فرمایا: وعلیہ السلام (اور اس پر بھی سلام ہو) ہم نے عرض کیا: حضور کس پر سلام ہو؟ فرمایا: ابھی ابھی جبریل امین علیہ السلام آئے تھے اور انہوں نے مجھے حضرت خبیب کا سلام پہنچایا جس کا میں نے جواب علیہ السلام کہہ دیا ہے۔

جب چالیس دن ہو گئے تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا: ابھی تک میرا خبیب سولی پر لٹک رہا ہے کوئی ہے جو اس کو اتار کر لے آئے چنانچہ صحابہ کرام گئے تو کئی کافر لاش کا پہرہ دے رہے تھے۔ صحابہ نے سولی سے حضرت خبیب کی لاش اتاری تو ابھی تک جسم تر و تازہ تھا اور اس سے خون بہہ رہا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب آپ کا جسم اطہر اتار کر لا رہے تھے تو کافروں کو پتہ چل گیا اور وہ پیچھے دوڑے اور اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ خبیب کے جسم کو نگل لے چنانچہ آپ کی لاش زمین نے نگل لی اسی لئے آپ کو بلیع الارض کہا جاتا ہے۔

(باقی تفصیل کیلئے دیکھئے تفسیر مظہری زیر آیت ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ)

جب آپ کو سولی پہ لٹکایا جانے لگا تو آپ نے فرمایا: میرا منہ قبلہ کی طرف کر دو۔ انہوں نے آپ کی اس وصیت پر عمل نہ کیا اور آپ کا منہ قبلہ کی طرف کرنے کی بجائے دوسری طرف کر دیا تو آپ نے عربی اشعار پڑھے (جن کا ذکر آگے آ رہا ہے) قدرت خدا کی دیکھئے کہ آپ کا چہرہ خود بخود ہی قبلہ کی طرف پھر گیا۔

ایسے کہا۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ ہماری اس بات پر اعتماد کرلیں گے۔ کیونکہ عرب میں اس بات کی بہت اہمیت ہوا کرتی تھی کہ جب کوئی صدائے پناہ دے دے تو اس کو صحیح صحیح سمجھ لیا جاتا تھا اور اس پر اعتماد کرلیا جاتا۔ کیونکہ اس میں کسی دھوکے کی گنجائش نہیں ہوتی تھی۔ مگر یہاں اس کو سازش کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ اصل میں یہ منافقت کے بھید میں اپنا کام کرنے کے درپے تھے۔ کیونکہ مشرکین ان غیر اخلاقیوں میں پڑ گئے تھے۔ انہیں کسی اخلاق اور عہد کا احساس نہیں رہا جس کو یہاں تفصیل سے بیان کرنا مقصود نہیں۔

## صحابی رسول ﷺ کا مشرکین کو جواب:

مشرکین کے عہد و پیمان کی باتیں سُن کر جو انہوں نے مسلمانوں سے کیا اور اپنی طرف سے اعتماد کا یقین دلایا۔

ان کے جواب میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا:

''خدا کی قسم ہمیں مشرکوں کے عہد و پیمان پر کوئی اعتبار نہیں۔ ہم ہرگز تمہاری پناہ نہیں لینا چاہتے''۔

پھر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار پڑھے۔

ما علتی وانا جلد نابل — والقوس نیھا وتر عنابل

**ترجمہ**: مجھ میں کوئی کمزوری نہیں۔ میں طاقتور اور تیر انداز ہوں اور میری کمان میں مضبوط تانت لگی ہوئی ہے۔

تزل عن صفحتھا المعابل — الموت حق والحیاة باطل

**ترجمہ**: چوڑے تیر کمان کے اوپر سے پھسلتے ہیں، موت حق ہے اور زندگی باطل۔ (فانی)

وکل ماحم الالہ نازل — بالمرء والمرء الیہ ایل

**ترجمہ**: اور اللہ نے جو کچھ مقرر کر رکھا ہے آدمی پر اُتر کر رہے گا۔ آدمی اس کی طرف ضرور لوٹے گا۔



ان لم اقاتلکم فامی ھابل.

**ترجمہ**: اگر میں تم سے نہ لڑوں تو میری ماں مجھے گم کردے۔

اور یہ بھی کہا:

ابو سلیمان وریش المقعد — وضالة مثل الجحیم المؤقد

**ترجمہ**: میں ابوسلیمان ہوں اور میرے پاس مقعد جیسے نامی گرامی تیر گر کا تیر ہے اور یہ بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح تیز ہے۔

اذا النواحی افترشت لم ارعد — ومجناء من جلد ثور اجود

**ترجمہ**: اور جس وقت لڑائی خوب اچھی طرح سے پھیل جائے تو میں بزدلی کی وجہ سے کپکپاتا اور لرزتا نہیں ہوں اور میرے پاس عمدہ بیل کی کھال کی ڈھال ہے۔

ومؤمن بما جاء علی محمّد.

**ترجمہ**: اور میں ایمان لا چکا ہوں ان تمام چیزوں پر جن کو محمد ﷺ لائے ہیں۔

اور یہ بھی کہا:

ابو سلیمان ومثلی راما — وکان قومی معشراً کراماً

**ترجمہ**: میں ابوسلیمان ہوں اور مجھ جیسا بہادر بھی اب تو لڑائی کا ارادہ کر چکا ہے اور میری قوم اور میرا خاندان بھی (کوئی معمولی خاندان نہیں) بلکہ ایک معزز خاندان ہے۔

(حیاۃ الصحابہ جلد ا صفحہ ۵۶۴)

## صحابہ رضی اللہ عنہم کی للکار:

اب چاروں طرف سے کفار نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور تیر برسانے لگے۔ مسلمانوں نے نہایت ثابت قدمی، دل جمعی، جوانمردی، جرأت مندی اور دلیری کے کھلے مظاہرے پیش کئے اور احسن طریقے سے کفار مکہ کا مقابلہ کیا۔ پھر حضرت عاصم نے اپنے ساتھیوں کو اپنی طرف مخاطب کر کے کہا:

''بھائیو! ہم سے دھوکہ کیا گیا ہے مگر کوئی بات نہیں منزل شہادت تمہارے

Scanned with CamScanner

سامنے ہے وار حورانِ بہشتی تمہیں اپنی آغوش میں لینے کیلئے بے تاب ہیں"۔

مسلمانوں نے اپنے ہتھیار نکال لئے اور تیروں کا جواب تیروں سے دیا۔ جب تیر ختم ہو گئے تو پھر نیزوں سے مقابلہ کیا۔

## بارگاہِ الٰہی میں دُعا:

جب حضرت عاصم ؓ نے مشرکین کی دو سو تعداد کے ساتھ مقابلہ میں اپنے آپ کو بے بس پایا۔ تو بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اُٹھائے اور یہ دُعا مانگی:

"اے اللہ! ہمارے آقا نے ہمیں قرآن اور دین کی تبلیغ کیلئے ان قبائل کی طرف بھیجا تھا۔ مگر ان مشرکوں نے ہمارے ساتھ بدعہدی کی۔ اے اللہ! ہم تیری راہ میں مظلومانہ مارے جا رہے ہیں میں نے روزِ اوّل سے تیرے دین کی حمایت کی اور اب تیری حمایت کا طالب ہوں میں نے تجھ سے وعدہ کیا تھا کہ نہ خود کبھی کسی مشرک کو مس کروں گا اور نہ کسی مشرک کو اپنا جسم چھونے دوں گا۔ الٰہی! آج میں تیرے دین کی حفاظت کر رہا ہوں تو میرے گوشت کی حفاظت فرما"۔

یہ رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی طرف کُود پڑے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جانفشانی سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ مقابلہ کرتے ہوئے آپ نے اس لڑائی میں جامِ شہادت نوش کیا اور اپنی کامیابی و کامرانی کے تابندہ نشان چھوڑے۔

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

## حضرت عاصم ؓ کی نعش کی حفاظت:

حضرت عاصم ؓ کی یہ دُعا بارگاہِ الٰہی میں منظور ہوئی۔ اللہ ربّ العزّت نے اسی وقت حضرت عاصم ؓ کی طرف شہد کی مکھیوں کا لشکر بھیج دیا جو حضرت عاصم کی نعش کے گرد پہرہ دینے لگا۔ جب مشرکین حضرت عاصم ؓ کی نعش مبارک کی بے حُرمتی کرنے



کیلئے اور آپ کا سر قلم کرنے کیلئے آگے بڑھے تو شہد کی مکھیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ اس حملے کی وجہ سے وہ ناکام ہو کر واپس آ گئے۔ اس کے بعد مشرکین کو حضرت عاصم ؓ کی نعش کے گرد آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جب اندھیرا ہوا تو موسلا دھار بارش ہوئی اور وہ سیلاب بن کر حضرت عاصم ؓ کی نعش مبارک کو بہا کر لے گیا۔

آخر اللہ رب العزت نے اپنے محبوب بندے کی حفاظت کی اور آپ کی نعش کو کوئی گزند نہ پہنچا سکا۔ جب خلیفۂ ثانی حضرت فاروق اعظم ؓ نے یہ واقعہ سُنا تو فرمایا کہ اللہ اپنے خاص بندے کی مرنے کے بعد اس طرح حفاظت فرماتا ہے جس طرح اس کی زندگی میں حفاظت فرماتا ہے۔

## حضرت خبیب ؓ اور ساتھیوں کا حال:

حضرت عاصم ؓ کی شہادت کے بعد سفیان بن خالد لحیانی کے مشرک ساتھیوں نے حضرت خبیب ؓ، حضرت زید ؓ اور حضرت عبداللہ بن طارق ؓ کو گرفتار کر لیا اور بعد میں مکہ لے گئے۔ جب یہ لوگ مقام "مرّ الظہران" پر پہنچے تو عبداللہ بن طارق نے اپنا ہاتھ رسی سے نکال لیا اور ان کے ہاتھ سے تلوار چھیننے لگے تو یہ دیکھ کر مشرکین نے پتھروں سے ان پر حملہ کر دیا اور آپ ؓ کو وہیں شہید کر دیا۔

## حضرت خبیب ؓ کی خرید و فروخت:

مشرکین جب ان جاں نثاروں کو لے کر مکہ پہنچے تو وہاں جا کر خبیب ؓ کو فروخت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ پھر انہوں نے آپ کی فروختگی کا اعلان کیا۔ جب قریش کو علم ہوا کہ بنولحیان نبی آخر الزمان جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے مکّہ لائے ہیں تو انہوں نے اس پر خوشیاں منائیں اور بازار کی طرف دوڑے یہ دیکھنے کیلئے کہ ان میں سے کوئی ان کے کسی عزیز کا قاتل تو نہیں جو جنگِ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور اب مشرکین ان کا بدلہ لینے کیلئے بے تاب

تھے جب حارث کے اعزہ نے حضرت خبیب ؓ کو دیکھا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کیونکہ غزوۂ بدر میں حضرت خبیب ؓ نے حارث بن عامر بن نوفل کو قتل کیا تھا۔ اس کا بدلہ لینے کیلئے زینب بنت حارث نے آپ ؓ کو سو اونٹ کے عوض خریدا۔ اور یہ سب وہی تھے جن کے عزیز واقارب غزوۂ بدر میں مارے گئے تھے اور حضرت زید ؓ کو صفوان بن اُمیہ نے خرید لیا تا کہ اپنے باپ کا انتقام لے سکے۔ پھر حضرت خُبیب ؓ کو خریدنے کے بعد لے جا کر قید کر دیا۔

## حضرت خُبیب ؓ کافروں کی قید میں:

طبقات ابن سعد میں ہے کہ بنو حارث نے حضرت خُبیب کی نگرانی پر اپنے ایک عزیز موہب کو مقرر کیا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت خُبیب ؓ کو بنو حارث نے خرید کر حجیر بن ابی اہاب کی کنیز ماویہ کے گھر قید کر دیا اور زینب بنت حارث کو اُن کی نگرانی کیلئے مقرر کر دیا۔ جو کہ آپ کی ہر وقت نگرانی کرتی تھی۔ نگرانی کے دوران زینب بنت حارث نے آپ کی چند کرامات دیکھیں۔ جن کے بارے میں اس کا اپنا بیان اس طرح ہے۔

**ما رأيت اسيراً قطّ خيراً من خبيب لقد رأيته يا كل من قطعة عنب وما بمكّة يومئذ ثمرةٌ وانّه موثقٌ بالحديد وما كان الّا رزقٌ رزقه اللّٰه.**

**ترجمہ:** میں نے خُبیب ؓ سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا۔ میں نے بارہا انہیں انگور کے خوشے کھاتے ہوئے دیکھا حالانکہ ان دنوں مکہ میں پھلوں کا کہیں نام ونشان نہیں تھا اور وہ خود اس وقت لوہے کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اور (کہیں سے جا کر نہیں لا سکتے تھے) یہ رزق ان کے پاس محض اللہ کی طرف سے آتا تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت خُبیب ؓ کو قید میں کئی بار انگور کھاتے ہوئے دیکھا گیا۔ حالانکہ اس زمانے میں مکہ میں انگور کا نام ونشان تک نہ تھا۔

عبداللہ بن ابی نجیح نے ماویہ رضی اللہ عنہا سے جو حجیر بن ابی اہاب کی باندی ہیں



اس طرح بیان کیا ہے اور یہ ماویہ رضی اللہ عنہا بعد میں اسلام لے آئی تھیں:

''حضرت خبیب ؓ میرے گھر میں میرے پاس قید تھے۔ میں نے ایک دن ان کی طرف دیکھا وہ اپنے ہاتھ میں انگوروں کا خوشہ لیے کھا رہے تھے جو آدمی کے سر کے برابر تھا۔ جہاں تک مجھے علم ہے اللہ کی روئے زمین پر ان دنوں انگور نہیں کھایا جاتا تھا''۔

محسنِ انسانیت ﷺ کا فرمان درست ہے:

**من كان للّٰه كان اللّٰه له.**

**ترجمہ:** جب کوئی شخص اللہ کا ہو جاتا ہے تو اللہ اُس کا ہو جاتا ہے۔

اور اس کو دنیا کے تمام فکروں، مصیبتوں، پریشانیوں، تکلیفوں اور دکھوں سے نجات دے دیتا ہے اور ان کی ہر طریقے سے نگہبانی کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے رزق تک کا بھی خود انتظام فرماتا ہے۔ اس بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

کھیتیاں سر سبز ہیں تیری غذا کے واسطے
چاند، سورج اور ستارے ہیں ضیا کے واسطے
سب جہاں تیرے لئے اور تو خدا کے واسطے
سر خدا کے واسطے دل مصطفیٰ کے واسطے

## حضرت خبیب ؓ کا حُسنِ اخلاق:

ماویہ ؓ کہتی ہیں کہ میں نے ایک دن حضرت خبیب ؓ سے کہا تھا کہ اگر تم کو کسی چیز کی حاجت پڑے تو مجھے آگاہ کرنا۔ حضرت خُبیب ؓ نے کہا مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ البتہ میں تم سے تین باتوں کی درخواست کرتا ہوں۔

۱۔ مجھ کو میٹھا پانی پلانا۔
۲۔ جو جانور بتوں کے استھانوں پر ذبح ہوں ان کا گوشت نہ کھلانا۔
۳۔ جب قریش مجھے قتل کرنے کا ارادہ کریں تو مجھے پہلے اطلاع دینا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت خبیب ؓ نے ان تین باتوں کی درخواست

موہب کے سامنے پیش کی تھی اور اس نے انہیں پورا کرنے کا وعدہ کیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ اور عبداللہ بن ابی نجیح نے اس طرح بیان کیا کہ ماویہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جب حضرت خبیب ؓ کے قتل کا وقت قریب آگیا تو حضرت خُبیب ؓ نے نظافت اور صفائی کیلئے اُسترا طلب کیا۔

ماویہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے ایک کمسن بچے کو استرہ دے کر بھیجا کہ جا کر اس کوٹھڑی میں جو آدمی ہے اُسے دے دو۔ ماویہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ خدا کی قسم! جیسے ہی لڑکا اُسترا لے کر اُن کے ہاں پہنچا تو میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں نے یہ کیا کیا۔ خدا کی قسم، اس آدمی نے آج اس خون کا بدلہ پالیا۔ وہ تو اس بچّہ کو مار ڈالے گا۔ جب لڑکے نے ان کو اُسترا دیا تو اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ تیری زندگی کی قسم! تیری ماں نے میری غدّاری سے خطرہ نہ کھایا۔ اس لئے تجھے استرا دے کر میرے پاس بھیج دیا۔ جب میں نے یہ دیکھا تو دوڑی ہوئی قید خانے میں گئی۔ دیکھا تو حضرت خُبیب ؓ استرہ ہاتھ میں لئے ہوئے بچے سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے دروازے کی آڑ میں کھڑے ہو کر کہا:

''اے خُبیب ؓ! میں نے اس بچے کو تیرے ہاں بامانِ خدا بھیجا ہے''۔

حضرت خُبیب ؓ نے میری گھبراہٹ کو دیکھ لیا اور کہا:

''میں وہ نہیں کہ اس معصوم بچے کو قتل کر دوں۔ ہمارے دین میں ایسا ظلم اور عہدِ شکنی روا نہیں''۔

ابن ہشام راوی کہتے ہیں کہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لڑکا ماویہ رضی اللہ عنہا ہی کا بیٹا تھا۔ اس واقعہ سے حضرت خُبیب ؓ کا وار چل گیا اور ماویہ رضی اللہ عنہا ایمان لے آئی۔

## پروانۂ رسول ﷺ قتل گاہ کی طرف:

حضرت خُبیب ؓ بلاشبہ قریش کے ایک بہت بڑے سردار کے قاتل تھے۔ لیکن انہوں نے یہ قتل کسی دھوکے اور فریب سے نہیں کیا تھا۔ بلکہ میدانِ جنگ میں مردوں



کی طرح لڑ کر کیا تھا۔ اب قریش ان پر قابو پا کر جس بدکرداری کا مظاہرہ کر رہے تھے وہ دُنیا کے کسی قانون میں روا نہیں تھا۔ بدلہ لینے کی خاطر آپ ؓ کو سولی پر لٹکانے کیلئے مکہ سے باہر کوہ تنعیم کی طرف لے گئے اور آپ ؓ کو شہید کرنے کی منادی کرا دی اور تمام اہلِ مکہ کو دعوت دی گئی کہ وہ حضرت خُبیب ؓ کے قتل کا تماشا دیکھنے کے لئے تنعم کی طرف پہنچیں۔

سارا مکہ یہ تماشا دیکھنے کیلئے تنعم کی طرف گود پڑا اور ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے یہاں کوئی میلہ لگا ہوا ہے۔

سینکڑوں جانیں بھی ہوں تو ہوں نثار دینِ حق
قابل صد داد و تحسین تھا یہ ارمانِ خُبیب
منکشف اس پر سبھی اسرار پنہائی ہوئے
ہوگیا حاصل جسے اک جام عرفانِ خُبیب

## جب اسلام نہ رہا تو جان کو کیا کروں گا؟

ظالم قریش والوں نے چند روز کے بعد حضرت خُبیب ؓ کو صلیب کے نیچے لے جا کر کھڑا کر دیا اور کہا:

''اگر اسلام چھوڑ دو تو تمہاری جان بچ سکتی ہے''۔

انہوں نے جواب دیا:

''جب اسلام باقی نہ رہا تو جان کو کیا کریں گے''۔

کیونکہ شہادت کی آرزو ہر صاحب ایمان کے دل میں ہر وقت، ہر لمحہ اور ہر پل جگمگاتی رہتی ہے۔ عظمتِ توحید اور شانِ رسالت مآب ﷺ پر ہدیۂ جان و مال قربان کرنا فرزندانِ توحید کا شیوہ ہے۔

زندگی کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہو اور حیاتِ مستعار کی لذتیں کتنی ہی جاذب نظر کیوں نہ ہوں۔ حضور ﷺ کے غلاموں کیلئے اس سے بڑھ کر اور کوئی بڑا اعزاز نہیں کہ انہیں

Scanned with CamScanner

شمعِ رسالت پر پروانہ وار نثار ہو جانے کی سعادت نصیب ہو جائے۔

غلامانِ محمد جان دینے سے نہیں ڈرتے
یہ سر کٹ جائے یا رہ جائے وہ کچھ پروا نہیں کرتے

## زندگی کی آخری نماز:

جب حضرت خُبیب ؓ کی شہادت کا وقت قریب آ گیا۔ تو آپ ؓ سے پوچھا گیا کہ کوئی آخری خواہش ہو تو بتاؤ۔ تاکہ اسے پُورا کرنے کیلئے آپ کو وقت دیا جا سکے۔ کیونکہ اب آپ کی شہادت کا وقت قریب آ چکا ہے۔ حضرت خُبیب ؓ نے فرمایا: اور تو کوئی خواہش نہیں۔ البتہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے اتنا وقفہ دیا جائے کہ میں دو رکعت نماز پڑھ سکوں۔ مشرکین آپ ؓ کی خواہش سُن کر رضامند ہو گئے۔ اور انہوں نے حضرت خُبیب ؓ کو اپنی خواہش پوری کرنے کی اجازت دے دی اور کہا ہاں نماز پڑھ لو۔

حضرت خُبیب ؓ نے نہایت خشوع و خضوع، عجز و انکساری، حُسن و خوبی کے ساتھ نماز کی دو رکعتیں ادا کیں۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد مشرکین کے پاس آئے اور کہا:

"خدا کی قسم! اگر تم لوگ یہ گمان نہ کرتے کہ موت کے ڈر سے اس نے نماز لمبی کر دی ہے تو آج میں نماز سے سر نہ اُٹھاتا"۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ حضرت خُبیب بن عدی وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے موت کے وقت نماز پڑھنے کا شوق کیا۔ اس سے پہلے ایسا نہ تھا۔

شبلی نعمانی نے شرح سیر کبیر سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اس نماز کے استحباب کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو حضرت خبیب ؓ کے اس فعل کی اطلاع ملی تو سرکارِ مدینہ ﷺ نے اس کو پسند فرمایا:

آبیاری کشتِ دیں کی کر گیا دے کے لہو



اک بڑا دینِ متین پر ہے یہ احسانِ خبیب
فخر کیوں کر ہو نہ اذفر مجھ کو اپنی ذات پر
ایک میں بھی ہوں غلام از غلامانِ خبیب

## عظمتِ نبوت کے محافظ جانبِ مقتل روانہ ہوئے:

اُدھر سے حضرت خبیب ؓ کو مقتل میں لایا گیا اور ادھر سے حضرت زید ؓ کو لایا گیا۔ یہ ایک عجیب سماں تھا کہ شاگردانِ رسُول توحید و سُنّت کے مبلّغین کی خُدا کے حضور پیش کی جانے والی بے مثال قربانی کو دیکھنے کیلئے تماشائیوں کے رُوپ میں ہزاروں کی تعداد میں مشرکین جمع ہو رہے تھے اور آنے والی شہادت کی گھڑیوں کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت خبیب و زید رضی اللہ عنہما کے ہاتھ اور پاؤں زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود صبر و استقامت سے کام لے رہے تھے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

بندھے تھے پشت پہ ہاتھ اُن کے پیروں میں تھیں زنجیریں
نظر آتی تھیں دو آزادئ فطرت کی تصویریں
یہ اِک اللہ کے بندے یہ دو احرار دو قیدی
یہ اِک توحید کے پابند دو مختار دو قیدی
ہوئے یکجا خُبیب، زید بچھڑے تھے کئی دن سے
نگاہیں ہو گئیں روشن ستارے مل گئے اُن کے

## جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے:

اب شہادت کا وقت آ گیا اور کافروں نے انہیں سُولی پر چڑھانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سیّدنا حضرت خبیب ؓ کی مشکیں مضبوطی سے باندھ دی گئیں۔ اس کے بعد یہ شجاع و بہادر مردِ مومن تختۂ دار پر کھڑا ہو گیا اور فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے:

لقد جمع الاحزاب حولي وألبوا    قبائلهم واستجمعوا كل مجمع

Scanned with CamScanner

**ترجمہ**: جماعتیں میرے اردگرد جمع ہیں اور کفار کے قبائل نے بھیڑ لگا رکھی ہے اور پورا پورا مجمع جمع کر رکھا ہے۔

وکلھم مبدی العداوۃ جاھد    علّی لانی فی وثاق بمضبع

**ترجمہ**: ان میں سے ہر ایک عداوت کی ابتداء کرنے والا اور میرا مخالف ہے اس لئے کہ میں بجوؤں کی قید میں ہوں۔

وقد جمعوا ابناء ھم ونسائھم    وقربت من جذع طویل ممنع

**ترجمہ**: ان کے بیٹے اور ان کی عورتیں سبھی جمع ہیں اور مجھ کو ایک طویل اور مضبوط تنے کے قریب کر دیا گیا ہے۔

الی اللّٰہ اشکو غربتی ثم کربتی    وما ارصدوا احزاب لی عند مصرعی

**ترجمہ**: اللہ ہی سے میں شکایت کرتا ہوں اپنی بے کسی اور اپنی مصیبت کی اور اس چیز کی کہ یہ جماعتیں میرے پچھاڑے جانے کے وقت میں جس کی منتظر ہیں۔

فذا العرش! صبرنی علی ما یرادبی    فقد بصعوا لحمی وقد بان مطمعی

**ترجمہ**: اے عرش والے خدا! مجھے صبر کی توفیق عطا فرما اس چیز پر جس کا مجھ سے ارادہ کیا گیا ہے۔ پس تحقیق کہ ان لوگوں نے میرا گوشت تراش دیا ہے اور میری اُمید منقطع ہو چکی ہے۔

وذٰلک فی ذات الالٰہ وان یشاء    یبارک علی اوصال شلو ممزع

**ترجمہ**: یہ سب کچھ اللہ کی ذات کے بارے میں ہے۔ اگر اللہ پاک چاہے تو ایک ایک عضو کے کٹے ہوئے جوڑ جوڑ میں برکت عطا فرما دے۔

وقد خیرونی الکفر والموت دونہ    وقد ھملت عینای من غیر مجزع

**ترجمہ**: اور ان لوگوں نے میرے لئے کُفر کو پسند کیا ہے حالانکہ موت اس سے بہتر درجہ کی چیز ہے۔ اور میری دونوں آنکھیں آنسوؤں سے بغیر خوف کے بہہ رہی ہیں۔

ومابی حذر الموت انّی لمیّت    ولٰکن حذاری حجم نار ملفع



**ترجمہ**: مجھے موت سے کوئی پرہیز نہیں بے شک میں مرنے والا ہوں لیکن میں ایسی جہنم سے بچنا چاہتا ہوں جس کی آگ لپٹ مار رہی ہے۔

فواللّٰہ ما ارجوا اذ امت مسلما    علی ای جنب کان فی اللّٰہ مضجعی

**ترجمہ**: پس خدا کی قسم! جب میں مسلمان ہو کر مروں، میں کوئی امید نہیں رکھتا کہ کون سے پہلو پر اللہ کیلئے میرا پچھاڑا جانا ہو۔

فلست بمبد للعدو تخشعا    ولا جزعا انی الی اللّٰہ مرجعی

**ترجمہ**: میں دشمن کیلئے عاجزی ظاہر کرنے والا نہیں ہوں اور نہ گھبراہٹ کو، میرا لوٹنا تو اللہ کی طرف ہے۔

لعمری مااحفل اذ امتّ مسلما    علی ای حال کان للّٰہ مضجعی

**ترجمہ**: میری عمر کی قسم! مجھے کوئی پرواہ نہیں جب کہ میں مسلمان ہو کر مر رہا ہوں کہ کون سی حالت پر اللہ کیلئے میرا پچھڑنا ہوا۔ (حیاۃ الصحابہ جلد ا صفحہ ۵۶۸)

جب مسلمان رہ کے دنیا سے چلوں
مجھ کو کیا ڈر ہے کسی کروٹ گروں
میرا مرنا ہے خدا کی ذات میں
وہ اگر چاہے نہ ہوں گا میں زبوں
تن جو ٹکڑے ٹکڑے اب ہو جائے گا
اس کے جوڑوں پر وہ برکت دے فزوں

ان اشعار کو پڑھنے کے بعد سیّدنا حضرت خُبیب انصاری رضی اللہ عنہ نے تختۂ دار پر کھڑے ہو کر اپنا آخری پیغام اپنے آقا رسولِ خدا تک پہنچانے کیلئے بارگاہِ ایزدی میں اپنے ہاتھ پھیلائے اور عرض کی:

اللّٰھم بلّغنا رسالۃ رسولک فبلّغہ مایصنع بی۔

**ترجمہ**: اے رب! ہماری اس حالت کی خبر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے اور ان کو اس

Scanned with CamScanner

حالت سے بھی باخبر فرما دے جو کچھ میرے ساتھ ہونے والا ہے۔

یہ دُعا مانگ کر انہوں نے آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر بزبان حال کہا:

بجرم عشقِ تو ام مے کشند غوغا ئیست

تو نیز برسرِ بام آچہ خوش تماشا ئیست

اس وقت سیّدنا حضرت خُبیب ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے قاتلوں کیلئے بے اختیار یہ بدُعا نکلی:

**اللّٰھم احصھم عددا واقتلھم بددا ولا تغادر منھم احداً۔**

**ترجمہ:** اے اللہ! ان کفار کے عدد کو شمار کر لے اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے قتل کر دے اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ۔

## آپ کی بددعا کا اثر:

مشرکین حضرت خُبیب ﷺ کی بدُعا سے اتنے خوفزدہ ہوئے کہ ان میں سے اکثر پہلو کے بل زمین پر لیٹ گئے۔ بعض ایک دوسرے کے پیچھے چھپتے پھرتے تھے کچھ لوگ کانوں میں انگلیاں دے کر بھاگنے لگے اور بعض درختوں کی آڑ میں جا کر چھپے۔ کیونکہ بددعا سے بچنے کیلئے ان کے نزدیک یہی طریقے تھے۔

سیّدنا حضرت معاویہ بن ابوسفیان ﷺ فرماتے ہیں کہ میں بھی اپنے والد ابوسفیان ﷺ کے ہمراہ ان لوگوں کے ساتھ حضرت خبیب ﷺ کی سولی کے دن حاضر تھا۔ مجھے اپنے والد ابوسفیان ﷺ نے اتنے زور سے دھکا دیا کہ میں سرین کے بل زمین پر گر پڑا۔ پھر مجھ کو ایسی سختی سے گھسیٹا کہ میرا بدن چھلنی ہو گیا اور میں اس صدمے سے کئی دن تک صاحب فراش رہا۔

حکیم بن حزام ﷺ کہتے ہیں کہ میں حضرت خُبیب ﷺ کی بدُعا کے خوف سے درختوں کی آڑ میں جا چھپا۔ جبیر بن مطعم ﷺ بھی دوسرے آدمیوں کے پیچھے چھپتے پھرتے تھے۔



حویطب بن عبدالعزیٰ اپنے کانوں میں انگلیاں دے کر بڑے زور سے بھاگے کہ حضرت خُبیب ﷺ کی بدُعا نہ سن سکیں۔ یہ اصحاب اس وقت حالتِ کفر میں تھے۔

حضرت سعید بن عامر ﷺ کو کبھی کبھی غشی کے دورے پڑتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق ﷺ نے ان سے ان دوروں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں خبیب ﷺ کے قتل کے وقت تماشائیوں میں موجود تھا مجھے جب کبھی حضرت خُبیب ﷺ کی بدُعا یاد آتی ہے تو میں بے اختیار ہو کر بے ہوش ہو جاتا ہوں اور یہ میرے بس کی بات نہیں۔

## جو سر سجدوں میں جھکتے ہیں وہ زیب دار ہوتے ہیں:

اس بدُعا کے بعد حضرت خُبیب ﷺ نے ان کے جبر سے پھانسی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیا۔

۱۔ طبرانی نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی ایک طویل حدیث ذکر کی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت خبیب ﷺ کو ان مشرکین کے بیٹوں نے قتل کیا جو یومِ بدر میں مارے گئے تھے۔

۲۔ **اتحب ان محمّداً عندنا الاٰن فی مکانک نضرب عنقه وانک فی اھلک.**

**ترجمہ:** کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ آج تمہاری جگہ ہمارے پاس محمد ہوتے اور ہم ان کی گردن تلوار سے اُڑاتے اور تم اپنے گھر میں آرام سے ہوتے۔

حضرت خبیب نے فرمایا: ہرگز نہیں:

**واللّٰه ما احبّ انّ محمّدًا الان فی مکانه الّذی هو فیه تصبه شوکة تؤذیه وانّی جالس فی اهلی.**

ترجمہ: خدا کی قسم! مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ میرے عوض میں ادنیٰ کانٹا بھی آپ ﷺ کے قدم مبارک کو لگے۔

Scanned with CamScanner

یہ سن کر کفار بہت ہنسے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ اس کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چُبھ جائے

اس کے بعد آپ تختۂ دار پر قبلہ رُخ کھڑے ہوگئے اور ظالموں نے سولی کا رسہ کھینچ دیا اور ان کا منہ قبلہ کی طرف سے پھیر دیا۔ اس وقت سیّدنا حضرت خُبیب ؓ کی زبان پر یہ آیت مبارک جاری ہوگئی۔

**فاینما تولو افثمّ وجہ اللّٰہ۔**

**ترجمہ**: تم جس طرف رُخ کرو اسی طرف اللہ کی ذات موجود ہے۔

آخر کار ایک مشرک نے اُن کے سینے میں زور سے ایک نیزہ مارا جو جسم سے آر پار ہوگیا۔ اس وقت اُن کی زبان مبارک پر کلمۂ توحید جاری تھا۔ اسی حالت میں سیّدنا حضرت خُبیب ؓ نے اپنی جان خالقِ حقیقی کے سپُرد کردی۔

گلوئے عشق میں ڈالا گیا جلّاد کا پھندا
پکڑ کر دار پر باندھا گیا اللہ کا بندہ
خدا جانے محبت کے یہ کیا اسرار ہوتے ہیں
جو سر سجدوں میں جُھکتے ہیں وہ زیبِ دار ہوتے ہیں

## بلیع الارض لقب کی وجہ تسمیہ:

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا حضرت خُبیب ؓ کی شہادت کے کچھ دن بعد جناب رسالتمآب ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''تم میں سے کون شخص ہے جو حضرت خبیب ؓ کی نعش مبارک کو سُولی سے اُتار کر لے آئے اور جنّت کا حقدار بن جائے''۔

آپ ﷺ کا فرمان سُن کر حضرت زبیر بن العوام ؓ اور حضرت مقداد بن الاسود ؓ بیک وقت اٹھے اور عرض کیا:



''یا رسول اللہ! یہ کام ہم کریں گے''۔

چنانچہ دونوں حضرات اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے چھپتے چھپاتے مکہ پہنچے جب رات کو سیّدنا حضرت خُبیب ؓ کے مقتل میں پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضرت خُبیب ؓ کی نعش مبارک بالکل تروتازہ تھی اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ اِسی دن شہید ہوئے ہیں۔ ان کا ایک ہاتھ زخم پر تھا۔ جس سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ حالانکہ ان کو شہید ہوئے چالیس دن گزر چکے تھے۔ حضرت زبیر ؓ نے نعش مبارک کو سولی سے اُتارا اور اس کو اپنے گھوڑے پر رکھ کر حضرت مقداد ؓ کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو قریش کو کسی ذریعہ سے سیّدنا حضرت خُبیب ؓ کی نعش مبارک کے سُولی سے اُتر جانے کا علم ہوگیا۔ چنانچہ حضرت خُبیب کی نعش مبارک کو چھیننے کیلئے مسلح مشرکین نے اُونٹوں پر سوار ہوکر حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہما کا پیچھا شروع کردیا۔ حضرت زبیر ؓ نے جب قریش کو اپنے سر پر پایا تو انہوں نے حضرت خُبیب ؓ کی نعش مبارک گھوڑے سے اُتار کر زمین پر رکھ دی۔ زمین اسی وقت نعش مبارک کو نگل گئی۔ اسی وجہ سے سیّدنا حضرت خُبیب ؓ کو ''بلیع الارض'' کے لقب سے پُکارا گیا۔ اب حضرت زبیر ؓ قریش کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا:

''اے مشرکینِ قریش! تمہیں ہم پر دھاوا بولنے کی کیسے جرأت ہوئی۔ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ میں عوّام کا بیٹا اور عبدالمطلب کا نواسہ ہوں اور یہ میرا ساتھی شیر بیشۂ شجاعت مقداد بن الاسود کندی ہے۔ ہم واپس اپنے گھروں کو جا رہے ہیں۔ اور تمہارا کوئی نقصان نہیں کیا۔ اگر تم ہم سے تیروں سے لڑنا چاہتے ہو تو ہم تیروں سے لڑیں گے اور اگر تم تلواروں سے لڑنے کا شوق رکھتے ہو تو ہم بھی تم سے تلواروں کے ساتھ لڑیں گے۔ خدا کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں ہماری جان ہے جب تک ہماری جان میں جان ہے، ہم تمہیں اپنے نزدیک نہیں بھٹکنے دیں گے''۔

Scanned with CamScanner

مشرکین نے جب دیکھا کہ یہ مردانِ حق مرنے مارنے پر تیار ہیں تو وہ ان سے کوئی گلہ شکوہ کیے بغیر واپس لوٹ گئے۔

جب حضرت زبیر ؓ اور حضرت مقداد ؓ دربارِ رسالت میں پہنچے اور جناب رسالت مآب ﷺ کو اس واقعہ کی خبر سنائی تو آپ ﷺ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ جبریل امین نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے تم دونوں پر فخر کرتے ہیں۔

## آقا کا غلام کو سلام:

سیّدنا حضرت خُبیب ؓ نے اپنی شہادت سے پہلے دُعا مانگی تھی کہ اللہ ان کے حال کی خبر محبوب رحمتِ کائنات ﷺ کو پہنچادے۔ تو اللہ رب العزت نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔ اور اسی وقت وحی کے ذریعے اس سانحہ جاں گداز کی اطلاع اپنے حبیب ﷺ تک پہنچادی۔

روایت میں ہے کہ ایک دن رسالت مآب ﷺ مدینہ منورہ میں اپنی روحانی اولاد صحابہ کرام ؓ کی ایک مجلس میں تشریف فرما تھے اور دین کے مسائل کا بیان ہو رہا تھا۔ شمعِ رسالت کے پروانے آقائے دو جہاں فخرِ کون و مکان کے ارشادات و ملفوظات سے استفاضہ کیلئے ارد گرد جمع تھے کہ اچانک حضور ﷺ پر نزولِ وحی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ کچھ دیر بعد جب وحی کا اثر ختم ہوا تو اسی مجلس میں آپ نے اپنی زبان مبارک سے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

علیک السلام یا خبیب　　علیک السلام یا خبیب

اے خبیب! تجھ پر سلام　　اے خبیب! تجھ پر سلام

یہ سُن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیران ہوگئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ آپ اپنی زبان مبارک سے کیا فرما رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ان کے اس تعجب کی حالت کو پہچان لیا اور فرمایا:

"آج خبیب ؓ کو اللہ کے دشمنوں نے شہید کر ڈالا ہے جس کا پیغام جبریل مجھے



دینے آیا تھا"۔

حضرت زید بن حارثہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی اس وقت مجلسِ نبوی میں حاضر تھا۔ آپ ﷺ پر ایک آثارِ وحی ظاہر ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا:

"خبیب ؓ کو مشرکین نے شہید کر دیا ہے اور جبریلِ امین میرے پاس ان کا سلام لائے ہیں"۔

شہید راہِ حق کا سلام مقتل سے تین سو میل دُور سے روح الامین نے سرورِ کائنات ﷺ کو پہنچایا یہ ہے شہید راہ وفا جن پر خود سیّد الانام خیر الخلائق بعد الانبیاء امام المرسلین شفیع المذنبین شافعِ محشر حضور پُرنُور، نور و بشر کے سردار جناب آمنہ کے لال حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے سلام بھیجا۔

جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان تو باقی رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

جناب سیّدنا حضرت خبیب ؓ بن عدی الانصاری اور غزوۂ رجیع کے دوسرے شہداء کو ہزاروں سلام جنہوں نے اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے اس دُنیا میں ایک ایسی داستان رقم کی ہے جس کی مثال رہتی دُنیا تک باقی رہے گی۔ اور ہمارے مُردہ دلوں میں عملِ صالح اور ایمانِ صادق کی روح پھونکتی رہے گی۔

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

(سیرت سیدنا خبیب بن عدی: حافظ خبیب احمد جمال)

## آپ کی زندگی کا مختصر خاکہ:

قبیلہ اوس کے چشم و چراغ حضرت خُبیب بن عدی ؓ انصاری تھے۔ وہ مدینہ منورہ کی ان خوش بخت ہستیوں میں سے تھے جنہیں ہجرتِ نبوی سے قبل اسلام کی سعادتِ عظمیٰ حاصل ہوئی۔ رحمتِ عالم ﷺ کے مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال کے بعد

Scanned with CamScanner

انہوں نے فیضانِ نبوی سے خوب خوب استفادہ کیا یہاں تک کہ بہت جلد فضلائے صحابہ میں شمار ہونے لگے۔جنگِ بدر میں ان کو تین سو تیرہ نفوسِ قُدسی کی اس مقدس جماعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا، جس کے ایثار و خلوص اور شجاعت کی داستان سے تاریخِ اسلام کے اوراق تا ابد تابندہ رہیں گے۔اس جنگ میں حضور ﷺ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو مجاہدین کے سامان کی نگرانی پر مامور فرمایا تھا تاہم انہیں معرکۂ کارزار میں اپنی تلوار کے جوہر دکھانے کا موقع بھی مل گیا اور انہوں نے مشرکینِ قریش کے ایک سر برآوردہ رئیس حارث بن عامر بن نوفل کو جہنم واصل کیا۔مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو رسولِ اکرم ﷺ سے والہانہ عقیدت اور محبت تھی۔اور ان کے دل میں دینِ حق پر مر مٹنے کا جذبہ ہر وقت موجزن رہتا تھا۔حضور ﷺ بھی ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور اسی بے پایاں شفقتِ نبوی نے انہیں اک مثالی مردِ مومن بنا دیا تھا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(شمعِ رسالت کے تیس پروانے از خالب ہاشمی)

--------✿--------



## نمبر ۶:

# حضرت سیّدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

دراز قد، گھنے بال، جاذبِ نظر بارعب چہرہ، متمول گھرانے کا چشم و چراغ، فیاض، بہادر اور دانشور، اسلام قبول کرنے سے پہلے آتش کدہ ایران کا نگران، جس کے ساتھ اس کا والد بے پناہ محبت کا اظہار کرتا، جس کی پرورش نہایت ہی ناز و نعمت کے ماحول میں ہوئی۔جسے اس کا والد ایران کا سب سے بڑا مذہبی راہنما بنانا چاہتا تھا، جس نے رسولِ اقدس ﷺ تک پہنچنے کیلئے بڑی کٹھن منزلیں طے کیں، جس نے اسلام قبول کرنے کے بعد زاہدانہ طرزِ عمل اختیار کیا، جس نے غزوہ احزاب میں مدینہ منورہ کے دفاع کو مضبوط کرنے کیلئے خندق کھودنے کی تجویز پیش کی، جسے دربارِ رسالت میں منظور کیا گیا اور جنگی تاریخ میں دفاعی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے مدینہ منورہ کو دشمن کی یلغار سے محفوظ کرنے کیلئے خندق کھودی گئی جسے حربی ماہرین دیکھ کر دنگ رہ گئے۔وہ جلیل القدر صحابی جس نے رسولِ اقدس ﷺ کی مہرِ نبوت کو چومنے کی سعادت حاصل تھی۔

جس نے بدر و احد کے سوا باقی تمام غزوات میں رسولِ اقدس ﷺ کی زیرِ قیادت دادِ شجاعت دینے کا اعزاز حاصل کیا۔

جس نے مدائن میں گورنر کی حیثیت سے مثالی کارنامے سرانجام دیئے۔

جو اپنی تقریباً ساری آمدن ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔اور اس میں سے اپنے لئے صرف معمولی سی خوراک اور سادہ لباس حاصل کرنے کے ہی روادار تھے۔

جو دینِ حق کی تلاش میں فارس سے دمشق پہنچے، وہاں سے موصل پھر نصیبین اور طموریہ سے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے۔یہاں پہنچنے پر دل کی مراد پوری ہوئی۔دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔رسول اقدس ﷺ سے فیضیاب ہونے کی سعادت

عظمیٰ حاصل کی۔ آج جسے تاریخ وسیرت کی کتابوں میں ''سلمان فارسی'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آیئے اس جلیل القدر صحابی کی دل آویز سیرت کی جھلک کا نظارہ کر کے اپنے من کی دنیا کو منور کریں۔

## ابتدائی زندگی:

حضرت سلمان فارسی ؓ کا نام اسلام قبول کرنے سے پہلے مابہ تھا اور والد کا نام بوذخشان تھا جو اصفہان کی ایک مشہور ومعروف ''جی'' نامی بستی کا سردار اور جاگیردار تھا۔ یہ اپنے بیٹے کے ساتھ بہت لاڈ پیار سے پیش آیا کرتا تھا۔ گھر میں اس کی پرورش اس انداز میں کرتا جیسے لڑکیوں کی کی جاتی ہے۔ شب وروز گھر کی چاردیواری میں ہی رہنے کی تلقین کی جاتی، تاکہ باہر کی مسموم فضا سے اسے محفوظ و مامون رکھا جائے۔ چونکہ اس بستی کے بیشتر باشندے آتش پرست تھے۔ آتش کدہ کو جلائے رکھنا مذہبی فریضہ تصور کیا جاتا تھا۔ سلمان فارسی کے والد کی دلی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا ایران کا مذہبی پیشوا بنے، آتش کدہ کو جلانے کی ذمہ داری بیٹے کو سونپ رکھی تھی۔ باپ بہت بڑا جاگیردار تھا۔ زراعتی فارموں کی دیکھ بھال وہ خود کیا کرتا تھا۔ ایک روز گھریلو مصروفیت کی وجہ سے کھیتی باڑی کی نگرانی کیلئے اپنے بیٹے کو بھیجا۔ اس ہونہار، زیرک اور بیدار مغز بیٹے کے ساتھ ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا، جس نے اس کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ وہ از خود تفصیلی روئیداد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''میں اصفہان کے علاقے کا ایک فارسی النسل نوجوان تھا، جس بستی میں ہم رہائش پذیر تھے، وہ جی نام سے مشہور ومعروف تھی۔ میرا باپ اس بستی کا سردار تھا۔ وہ پوری بستی میں سب سے زیادہ مالدار اور رعب ودبدبے کا مالک تھا، وہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ مجھے پیارا سمجھتا تھا، جوں جوں میری عمر بڑھتی گئی، میرے ساتھ اس کی مہرو محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔ مجھے گھر کی چاردیواری میں اس طرح بند کر دیا گیا، جس طرح دوشیزہ کو گھر میں پابند کر دیا جاتا ہے۔



میں نے محبت کے اس قید خانہ میں مجوسیت کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی۔ جدوجہد سے میں نے مجوسی تعلیمات میں مہارت حاصل کر لی جس کی وجہ سے مجھے اس آگ کا نگران بنا دیا گیا جس کی ہم پوجا کیا کرتے تھے، اس مقدس آگ کو مسلسل جلائے رکھنا میرے فرائض میں شامل تھا۔ میں اسے دن رات ایک لمحہ کیلئے بھی بجھنے نہ دیتا۔

## عیسائیت میں متاثر ہونا:

چونکہ میرا والد بہت بڑا جاگیردار تھا چنانچہ وافر مقدار میں غلہ ہمارے گھر آتا مال و دولت کی ریل پیل تھی، جاگیر کی نگرانی اور بذات خود اس کی دیکھ بھال کرنا میرے والد کا معمول تھا، روزانہ وہ اپنے زرعی رقبے میں جاتے اور دن کا بیشتر حصہ وہاں گزارتے ایک روز وہ گھریلو مصروفیت کی وجہ سے اپنے رقبے میں جا نہ سکے اور مجھے حکم دیا: بیٹا آج میں کھیتوں میں نہیں جا سکوں گا۔ میری جگہ آج آپ جائیں۔ اور کھیتوں کی نگرانی کریں۔

جب میں گھر سے نکلا تو میرا گذر ایک کنیسہ کے پاس سے ہوا جہاں عیسائی پوجا پاٹ میں مصروف تھے، میں گرجے کے اندر چلا گیا مجھے ان کا طرزِ عبادت بہت پسند آیا۔ مجھے ان دنوں عیسائیت یا دیگر ادیان کے متعلق کچھ علم نہ تھا، اس لئے کہ میرا والد مجھے گھر سے باہر نکلنے ہی نہیں دیتا تھا۔ اس روز جب میں نے گرجے کے اندر عیسائیوں کی اجتماعی آوازیں سنیں تو میں بے اختیار اس کے اندر چلا گیا۔ جب میں نے غور سے انہیں دیکھا کہ وہ سب عبادت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ تو ان کی عبادت کا انداز بہت پسند آیا۔ اور میرا دل ان کے دین کی طرف راغب ہو گیا۔

میرے دل میں یہ خیال آیا۔ بخدا یہ طرزِ عبادت اور یہ پوجا پاٹ تو اس سے ہزار درجے بہتر ہے جو ہم کرتے ہیں، مجھے وہاں دلی سکون محسوس ہوا۔ دن بھر میں وہیں رہا زرعی فارم میں جانے کا خیال ہی نہ آیا۔ میں نے اہل کنیسہ سے پوچھا تمہارے اس دین کا مرکز کہاں ہے؟ انہوں نے مجھے بتایا شام میں۔

جب رات ہوئی تو میں اپنے گھر واپس لوٹ آیا ابا جان نے پوچھا بیٹا آج کا دن

Scanned with CamScanner

کیسے گزرا؟ فصل کا کیا حال ہے؟ زرعی فارم میں دن گزارنا کیسے محسوس ہوا؟

میں نے عرض کی: ابا جان! آج کھیتوں کی طرف جاتے ہوئے میرا عیسائیوں کے عبادت خانہ کنسیہ کے پاس سے گزر ہوا۔

میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ اندر عبادت میں مصروف ہیں، مجھے ان کی عبادت کا انداز بہت پسند آیا شام تک میں ان لوگوں کے پاس بیٹھا رہا۔

آج زرعی فارم تک تو میں گیا ہی نہیں۔ ابا جان میری یہ باتیں سن کر گھبرا گئے، اور مجھ سے کہا، بیٹا دیکھنا کہیں ان کے چنگل میں نہ آجانا، یہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ جس دین میں آج تم نے دلچسپی کا اظہار کیا ہے اس میں کوئی خیر نہیں، تیرے آباء و اجداد کا دین اس سے کہیں بہتر ہے۔

میں نے کہا: ابا جان! ہرگز نہیں، بخدا ان لوگوں کا دین اور طرزِ عبادت ہمارے دین سے بہت بہتر ہے۔

میرا باپ میری یہ باتیں سن کر بہت پریشان ہوا۔ اسے اندیشہ لاحق ہوگیا کہ کہیں میں اپنے آبائی دین سے منحرف نہ ہو جاؤں۔ اس نے مجھے گھر میں قید کر دیا اور میرے پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔

ایک دن میں نے موقع پاتے ہی گرجے میں یہ پیغام بھیجا کہ جب کوئی ملک شام کی طرف جانے والا قافلہ آپ کے پاس آئے تو مجھے ضرور اطلاع دینا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد ایک قافلہ وہاں پہنچا جس نے ملک شام جانا تھا۔ اہلِ کنیسہ نے مجھے اطلاع کر دی میں نے پاؤں کی زنجیر کو زوردار جھٹکے سے توڑ دیا گھر سے نکلا اور اس قافلے کے ساتھ ہولیا۔ چند دنوں بعد ہم شام پہنچ گئے، وہاں میں نے دریافت کیا:

اس ملک میں سب سے اعلیٰ مذہبی شخصیت کون ہے؟

لوگوں نے مجھے بتایا:

اس چرچ کا نگرانِ اعلیٰ پوپ سب سے اعلیٰ مذہبی شخصیت ہے۔



## دربدر کی ٹھوکریں کھانا:

میں اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے عیسائیت میں دلچسپی ہے۔ میری دلی تمنا ہے کہ آپ کے پاس رہوں۔ عیسائی مذہب کی تعلیم حاصل کروں اور آپ کی راہنمائی میں عبادت کروں۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اِک راہ رَو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

میری مصروفیات سن کر اس نے مجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت دے دی، میں نے جی بھر کر اس کی خدمت کی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد مجھے معلوم ہوگیا کہ اس مذہبی پیشوا کا کردار درست نہیں ہے۔ یہ اپنے متعلقین کو صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیتا۔ جب وہ اپنا مال ومتاع لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوتے، تاکہ اس کے ذریعے صدقہ وخیرات کیا جائے۔ تو یہ سب مال خود ہڑپ کر جاتا، فقراء ومساکین کو اس میں سے کچھ نہ دیتا، اس طرح اس نے سات مٹکے سونے اور چاندی کے بھر لیے، جب میں نے اس کی یہ حرکات دیکھیں تو مجھے وہ شخص بہت برا لگا، لیکن چند ہی دنوں کے بعد موت نے اس کو دبوچ لیا۔ عیسائی پیروکار جب اسے اعزاز واکرام کے ساتھ دفن کرنے لگے تو میں نے ان سے کہا:

تمہارا مذہبی سردار کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔ یہ تمہیں تو صدقہ وخیرات کا حکم دیتا اور جب اس کے ترغیب دلانے پر تم اپنا مال اس کے پاس جمع کراتے تاکہ یہ اپنے ہاتھ سے غرباء ومساکین میں صدقہ وخیرات تقسیم کردے تو یہ سارا مال خود ہڑپ کر جاتا۔ اس میں سے ایک پائی بھی مسکین کو نہ دیتا۔

انہوں نے مجھ سے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا: تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ عقل کی بات کرو۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔

میں نے کہا: اگر تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں تو آؤ میں اس کا خفیہ خزانہ تمہیں

دکھلا دیتا ہوں۔

سب نے کہا: ہاں ٹھیک ہے چلو دکھلاؤ، میں نے انہیں وہ خفیہ جگہ دکھلائی، جہاں اس نے مال دبا رکھا تھا۔ جب انہوں نے واقعی سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے مٹکے دیکھے، تو سبھی انگشت بدنداں رہ گئے اور یہ مٹکے اپنے قبضے میں لے لئے۔ اس کے بعد انہوں نے اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ اسے دفن کرنے کی بجائے تختہ دار پر لٹکا کر اسے ذلت ورسوائی کا نشانہ بناتے ہوئے سنگسار کیا جائے۔

اس متفقہ فیصلے کی روشنی میں اسے سولی پر لٹکا کر لاش کو سنگسار کیا گیا۔ تاکہ آئندہ کسی مذہبی پیشوا کو یہ طرزِ عمل اختیار کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔

چند دن گزرنے کے بعد لوگوں نے ایک دوسرے شخص کو اپنا مذہبی راہنما منتخب کرلیا۔ میں نے اس سے تعلیم حاصل کرنا شروع کردی اور اس کی خدمت کو اپنے لئے سعادت سمجھنے لگا، میں نے اسے قریب سے دیکھا کہ وہ بڑا ہی زاہد، عابد، شب زندہ دار اور دل میں اللہ کا خوف رکھنے والا شخص ہے۔ اس کے یہ اوصاف حمیدہ دیکھ کر مجھے اس سے محبت وعقیدت ہوگئی۔

جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے روتے ہوئے اس سے پوچھا: حضرت اب میں کہاں جاؤں؟ میرے لیے کیا حکم ہے؟ میں کس سے تعلیم حاصل کروں؟ اس نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہا: بیٹا موصل میں فلاں شخص کے پاس چلے جانا اور اسے اپنا استاذ بنالینا اس میں وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں، جو تم چاہتے ہو۔

سمجھ کر راہنما ہر رہ نما کے ہو لیے پیچھے
ہوا لیکن نہ طے اپنا سفر اوّل سے آخر تک

## موصل شہر میں آمد:

جب یہ مذہبی پیشوا فوت ہوا تو میں تجہیز وتدفین سے فارغ ہو کر سیدھا موصل روانہ ہو گیا اور اس شخص سے ملاقات کی جس کے متعلق مجھے بتایا گیا تھا۔ میں نے اپنا



تعارف کرانے کے بعد عرض کی مجھے میرے استاذ محترم سرزمین شام کے اسقف اعظم نے فوت ہونے سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ میں آپ کی خدمت میں حاضری دوں اور آپ سے مذہبی تعلیم حاصل کروں، وہ میری باتوں سے متاثر ہوا، میرے دلی جذبات کی قدر کرتے ہوئے مجھے اپنی شاگردی کیلئے قبول کرلیا، میں نے اپنے اس استاذ کو اخلاقی اعتبار سے بہت بہتر پایا۔

یہ بھی میرے پہلے مذہبی پیشوا کی طرح زاہد، عابد، متقی اور خدا ترس انسان تھا، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد اس کا آخری وقت بھی آ گیا، جب اس کی جان لبوں پر آئی تو میں نے انتہائی افسردہ انداز میں عرض کیا:

حضرت آپ جانتے ہیں کہ میں کس تلاش میں گھر سے نکلا ہوں؟ کیوں میں نے ناز ونعم کی زندگی کو خیر باد کہا ہے؟ کیوں میں نے پھولوں کی سیج چھوڑ کر خاردار وادی میں قدم رکھا ہے؟

جناب اب میرے لیے کیا حکم ہے؟

میں کدھر جاؤں؟ کہاں کا رخ کروں؟ کسے اپنا راہنما بناؤں؟ کس سے مذہبی تعلیم حاصل کروں؟

اس نے میری معصومانہ حالت دیکھ کر کپکپاتے ہونٹوں اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے ارشاد فرمایا:

بیٹا نصیبین نامی بستی میں فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ، وہ ہمارا طرزِ عمل اپنائے ہوئے ہے۔

اسے میرا اسلام کہنا اور یہ بتانا کہ اس نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اس کے بعد وہ داعی اجل کو لبیک کہتا ہوا موت کی آغوش میں چلا گیا۔

## نصیبین شہر کا رُخ:

جب اسے تجہیز وتکفین کے بعد لحد میں اتار دیا گیا۔ تو میں سیدھا اس مذہبی راہنما

کے پاس پہنچ گیا جو نصیبین بستی میں رہائش پذیر تھا۔ میں نے اپنا تعارف کرانے کے بعد اپنے سابقہ مذہبی راہنما کا سلام پیش کیا اور یہ پیغام بھی دیا کہ انہوں نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ میں مذہبی تعلیم حاصل کرنے کا متمنی ہوں۔ اور کامل استاذ کی تلاش میں آپ کے پاس پہنچا ہوں۔

اس نے میری باتیں سن کر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور حصول علم کیلئے اپنے پاس رہنے کی اجازت بھی دے دی، یہ بھی پہلے دونوں مذہبی پیشواؤں کی طرح بڑا زاہد، عابد، متقی، پرہیز گار اور اللہ سے ڈرنے والا شخص تھا۔

لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اسے بھی اجل نے زیادہ مہلت نہ دی۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا۔ تو میں نے غمناک انداز میں عرض کی حضرت آپ میری دلی تمنا کو جانتے ہیں۔ میں کیا چاہتا ہوں اور کس تلاش میں گھر سے نکلا ہوں۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے؟

اپنے درد کا حال کسے سناؤں؟ کسے اپنا راہنما بناؤں؟ اب کون میرے زخموں پر مرہم لگائے؟ اس نے میری بے تابی کو دیکھ کر بڑے ہی مشفقانہ انداز میں کہا:

بیٹا عموریہ بستی میں فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ۔ وہ ہمارے نقش قدم پر گامزن ہے تجہیز و تدفین سے فارغ ہو کر میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ تعارف کے بعد اپنے استاذ کا اسے پیغام دیا تو اس نے مجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت عنایت کر دی۔ تعلیم کے ساتھ یہاں مجھے کاروبار کے مواقع بھی میسر آئے۔ تجارت میں برکت ہوئی جس سے میرے پاس مویشیوں کی بہتات ہو گئی۔ لیکن قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ اسے بھی زیادہ مہلت نہ ملی جب موت کا وقت قریب آیا تو میں نے حسبِ سابق عرض کی:

## مدینہ نبی کا قریب آ گیا ہے:

اس نے مجھے بڑے واضح انداز میں کہا: اب روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں جسے مذہبی علم پر عبور حاصل ہو۔ لیکن یاد رکھیں سرزمین عرب میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے جو دین ابراہیمی لے کر آئے گا، جہاں سیاہ، خشک پتھروں کے درمیان کھجوروں



کے باغات ہوں گے۔ اس کی نمایاں علامت یہ ہو گی کہ صدقہ قطعاً نہیں کھائے گا، البتہ ہدیہ کو قبول کرتے ہوئے تناول کر لے گا:

اس کے کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت ہو گی۔ اگر آپ وہاں جانے کی استطاعت رکھتے ہوں تو وہاں پہنچ کر ان کی زیارت سے شادکام ہوں۔ اس مذہبی راہنما کی وفات کے بعد میں عرصہ تک عموریہ بستی میں رہا۔ ایک مرتبہ قبیلہ بنو کلب کے تاجر یہاں سے گذرے میں نے ان سے کہا: اگر تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو تو میں اپنی ملکیت تمام مویشی آپ کو دے دوں گا۔

انہوں نے کہا: ہمیں منظور ہے۔ میں نے سارا مال ان کے حوالے کر دیا۔

انہوں نے مجھے اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ جب ہم وادی القریٰ میں پہنچے تو انہوں نے میرے ساتھ دھوکہ کیا اور مجھے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ مجھے مجبوراً اس کی غلامی میں رہنا پڑا، لیکن کچھ عرصے کے بعد بنو قریظہ میں سے اس کا چچا زاد بھائی ملنے کیلئے آیا: اور اس نے مجھے خرید لیا اور اپنے ساتھ یثرب لے گیا۔ وہاں میں نے کھجوروں کے وہ باغات دیکھے جو عموریہ کے پادری نے مجھے بتائے تھے۔ میں نے دل میں سوچ لیا۔ کہ یہی میری آخری منزل ہے۔ میں یہاں غلامی کے دن گزارنے لگا۔ دن بھر اس کا کام کرتا زندہ رہنے کے لیے دو وقت تھوڑا سا کھانا مل جاتا، وہ کھا کر اللہ کا شکر بجا لاتا۔

## حضور علیہ السلام کی مدینہ شریف آمد کی اطلاع:

یونہی میری زندگی کے دن گزرنے لگے۔ ان دنوں رسول اقدس ﷺ کا ظہور ہو چکا تھا، آپ مکہ معظمہ میں اپنی قوم کو دین اسلام کی دعوت دینے میں مصروف تھے، لیکن میں غلامی کی وجہ سے آپ ﷺ کے متعلق زیادہ معلومات حاصل نہ کر سکا۔

تھوڑے ہی عرصے بعد رسول اقدس ﷺ ہجرت کر کے یثرب پہنچ گئے میں اس وقت کھجور کے درخت سے پھل اتار رہا تھا، اور میرا آقا درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا چچا زاد بھائی دوڑتا ہوا آیا اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ اسے بات کرنے میں

Scanned with CamScanner

دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ گھبرایا ہوا تھا کھڑے ہوئے لہجے میں کہنے لگا: بنو قیلہ تباہ و برباد ہو جائیں، وہ آج وادی قبا میں اس شخص کا استقبال کر رہے ہیں، جو مکہ سے ہجرت کر کے آ رہا ہے۔ اور اس کا یہ دعویٰ ہے کہ میں نبی ہوں میں نے جب کھجور کے درخت کی چوٹی پر اس کی بات سنی، تو میرے بدن میں کپکپی طاری ہو گئی۔ مجھے خطرہ لاحق ہوا کہیں میں نیچے ہی نہ گر جاؤں۔

میں جلدی سے نیچے اترا، اور وفور شوق سے آنے والے شخص سے کہا: اللہ کیلئے آپ مجھے دوبارہ بتائیں کیا تازہ خبر ہے۔ میری یہ حالت دیکھ کر میرے آقا کو غصہ آیا، اور اس نے مجھ پر گھونسوں کی بوچھاڑ کر دی اور بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگا: تجھے اس معاملے سے کیا دلچسپی ہے، چل جا اپنا کام کر، منہ اٹھائے بلا سوچے سمجھے کام چھوڑ کر نیچے آ جاتا ہے۔

## زیارت مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام:

شام کے وقت جب میں اپنے کام سے فارغ ہوا کھجوروں کا ایک تھیلہ بغل میں لیا اور تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچ گیا، جہاں رسول اقدس ﷺ تشریف فرما تھے، اجازت لے کر اندر گیا آپ کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔ اور عرض کی مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ ایک لمبا سفر طے کر کے یہاں پہنچے ہیں اور آپ کے ہمراہ کچھ اور ساتھی بھی ہیں۔ یہ میرے پاس صدقہ کی کھجوریں ہیں، یہ میں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔

آپ نے وہ کھجوریں لیں اور اپنے ساتھیوں سے ارشاد فرمایا: یہ کھاؤ اور خود اپنا ہاتھ روکے رکھا: آپ نے اس میں سے کوئی کھجور نہ کھائی۔

میں نے اپنے دل میں کہا: یہ ایک نشانی پوری ہوئی۔

پھر میں واپس آ گیا: دوسرے دن اور کھجوریں لیں اور آپ کے پاس حاضر ہو گیا اور عرض کی کہ کل مجھے اندازہ ہوا ہے کہ آپ صدقہ کی چیز خود نہیں کھاتے اس لیے کچھ مزید کھجوریں بطور تحفہ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، قبول فرمائیں تو عزت افزائی ہوگی۔



آپ نے وہ لے لیں، خود بھی تناول کیں اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی کھلائیں۔

میں نے دل میں سوچا یہ دوسری نشانی پوری ہوئی۔

پھر میں تیسری مرتبہ رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس دفعہ آپ جنت البقیع میں اپنے ایک صحابی کی تدفین کے لیے وہاں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے دو چادریں زیب تن کی ہوئی تھیں۔ میں نے سلام عرض کیا اور اس بار میں آپ کے شانے پر مہر نبوت دیکھنے کی کوشش میں تھا۔ جس کے بارے میں عموریہ کے پادری نے مجھے بتایا تھا۔

رسول اقدس ﷺ نے میری طرف دیکھا اور آپ ﷺ نے اندازہ لگا لیا کہ میں کیا چاہتا ہوں، آپ نے اپنی چادر کندھوں سے نیچے سرکا دی۔

میں نے مہر نبوت دیکھی اور پہچان گیا۔ میں نے اسے چومنے کے لیے قدم بڑھایا اور زار و قطار رونا شروع کر دیا۔

رسول اقدس ﷺ نے میری یہ حالت دیکھی تو شفقت بھرے انداز میں مجھے تھپکی دی، اور اپنے پاس بٹھا کر پوچھا کیا بات ہے؟

- کیوں روتے ہو؟

میں نے اپنی درد بھری داستان سنائی آپ نے پوری روئیداد بڑے غور سے سنی اور دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ان ساتھیوں کو بھی یہ داستان سنائیں جب میں نے پوری تفصیل کے ساتھ اپنی آپ بیتی ان کے سامنے بھی پیش کی تو وہ سن کر بہت خوش ہوئے اور سب نے مجھے مبارکباد دیتے ہوئے کہا: خوش ہو جاؤ کہ تم نے اپنی منزل کو پا لیا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی لیکن غلامی کا طوق گردن میں تھا، جس کی وجہ سے دینی فرائض سرانجام دینے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ رسول اقدس ﷺ نے فرمایا: معاوضہ ادا کرنے کی بنیاد پر اپنے آقا سے

آزادی حاصل کرنے کی بات کرو۔ چنانچہ میرا آقا (جس کا میں غلام تھا یعنی یہودی) تین سو کھجور کے درختوں اور چالیس اوقیہ سونے کی وصولی پر آزادی دینے کے لیے تیار ہو گیا۔

رسول اقدس ﷺ نے عام مسلمانوں سے کہا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو تمام نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کھجور کے درخت پیش کیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے تین سو کھجور کے درختوں کا اہتمام ہو گیا۔ رسول اقدس ﷺ کو ایک غزوہ میں مرغی کے انڈے کے برابر سونا دستیاب ہوا۔

آپ نے وہ حضرت سلمان فارسی کو دے دیا۔ یہ وزن میں چالیس اوقیہ تھا جو انہوں نے اپنے مالک کو دے کر آزادی حاصل کر لی۔

آزادی حاصل ہونے کے بعد حضرت سلمان فارسی ؓ رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابودرداء ؓ کے ساتھ ان کی دینی مواخاۃ کروادی۔

بدر و اُحد کے غزوات حضرت سلمان فارسی ؓ کے دورِ غلامی میں گزر چکے تھے۔

آزادی کے بعد پہلا غزوہ احزاب پیش آیا۔ حضرت سلمان فارسی ؓ نے مدینہ منورہ کے دفاع کو مضبوط کرنے کیلئے خندق کھودنے کا مشورہ دیا، جو دربارِ رسالت میں پسند کیا گیا۔ ان کی تجویز کے مطابق خندق کھودی گئی۔

رسول اقدس ﷺ نے کھدائی میں بذات خود بھی حصہ لیا۔ دفاع کا یہ انداز تاریخ میں پہلی مرتبہ روشناس ہوا۔ دشمن دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ مدِ مقابل لشکر کا سپہ سالار ابوسفیان خندق دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا۔

دشمن اپنے دل میں یہ خیال لیے مکہ معظمہ سے روانہ ہوا تھا، کہ مدینہ منورہ کو چشم زدن میں تہہ و بالا کر کے رکھ دیں گے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مدینے کے راستے میں خندق حائل کر دی گئی ہے۔

مسلسل بائیس دن کافروں کے متحدہ محاذ نے خندق عبور کرتے ہوئے مدینہ منورہ میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ انہیں ناکام واپس لوٹنا



پڑا۔ حضرت سلمان فارسی ؓ کو خندق کی تجویز دینے اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دشمن کے دانت کھٹے کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔

غزوۂ خندق کے بعد تمام غزوات میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کی۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دورِ خلافت کے آخری ایام میں حضرت سلمان فارسی ؓ نے عراق میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کے دینی بھائی حضرت ابودرداء ؓ نے مدینہ منورہ سے نقل مکانی کرتے ہوئے سرزمین شام میں جا بسیرا کیا اور وہاں تجارت شروع کر دی، جس کی وجہ سے انہیں مالی فراوانی میسر آئی۔ انہوں نے جب اپنے دینی بھائی حضرت سلمان فارسی ؓ کو اپنی تونگری اور خوشحالی کے بارے میں عراق میں بذریعہ خط اطلاع دی، تو انہوں نے جواب میں یہ پیغام بھیجا کہ کسی شخص کے پاس مال کا وافر مقدار میں جمع ہو جانا کامیابی کی علامت نہیں، کامیاب وہ ہے جس کے پاس زیادہ علم ہو اور وہ اس پر عمل پیرا بھی ہو۔

حضرت عمر بن خطاب ؓ کے دورِ خلافت میں حضرت سلمان فارسی ؓ نے ایران کی فتوحات میں بھرپور حصہ لیا۔ چونکہ خود بھی یہ ایرانی تھے اس لیے انہوں نے مقامی باشندوں کو ان کی زبان میں اسلام کی اہمیت سے روشناس کرایا۔

## دورِ گورنری:

حضرت عمر بن خطاب ؓ کے دورِ خلافت میں حضرت سلمان فارسی ؓ کو مدائن کا گورنر نامزد کیا گیا۔

اس دور میں مالی فراوانی میسر آئی۔ لیکن انہوں نے اپنا طرزِ معاشرت نہیں بدلا بدستور سادگی کو اپنائے رکھا۔ پوری زندگی انہوں نے عبا اور اونچا پائجامہ پہننے کو اپنا معمول بنائے رکھا۔ حالانکہ دورِ امارت میں اگر یہ چاہتے تو اپنے لیے ناز و نعم کا ماحول استوار کر سکتے تھے۔

لیکن ان کے طرزِ عمل میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا۔ جو کچھ ان کے ہاتھ آتا غرباء، مساکین اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے۔

Scanned with CamScanner

ایک دن کسی نے حضرت سلمان فارسی ؓ کو آٹا گوندھتے دیکھا جب وہ گورنر کے عہدے پر فائز تھے، تو اس نے دریافت کیا کہ حضرت خادم کہاں ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اسے کسی کام کیلئے بھیجا ہے۔ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اپنے خادم سے بیک وقت دو کام لوں۔

آپ کو جو وظیفہ ملتا اسے مستحقین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔

حضرت سلمان فارسی ؓ علماء کے بڑے قدردان تھے۔

صدقہ وخیرات کی کوئی چیز ذاتی طور استعمال کرنے سے بہت پرہیز کیا کرتے تھے۔

## بیماری اور وفات کے حالات:

حضرت سلمان فارسی ؓ حضرت عثمان بن عفان ؓ کے دورِ خلافت میں بیمار ہوئے طبیعت مسلسل ناساز رہنے لگی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ تیمارداری کیلئے تشریف لائے۔ انہیں اپنے سامنے دیکھتے ہی زاروقطار رونا شروع کر دیا۔

حضرت سعد ؓ نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا:

آپ روتے کیوں ہیں آپ تو بڑے خوش نصیب ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو وہ آپ پر بہت خوش تھے۔ حوضِ کوثر پر آپ ان کی زیارت کی سعادت حاصل کریں گے۔ آخرت میں جنت الفردوس آپ کا مقام ہے۔ یہ تسلی بخش باتیں سن کر فرمانے لگے۔ مجھے دنیا سے جانے کا غم نہیں، یہاں تو آیا ہی انسان جانے کیلئے ہے۔ میرے دل میں دنیا کی ذرہ برابر بھی حرص نہیں ہے۔ مجھے صرف اس بات کا اندیشہ لاحق ہے۔ کہ ہمارے پاس دنیا کے مال ومتاع اور ساز وسامان کا آخرت میں حساب مانگ لیا گیا تو ہم کیا جواب دیں گے۔ ہمیں تو یہ دنیا ایک مسافر کی طرح بسر کرنا چاہیے تھی۔ لیکن ہم یہاں دل لگا بیٹھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے کہا:

مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا: ہر حالت میں اپنے اللہ کو یاد رکھنا۔ یہ دنیا و



آخرت میں کامیابی کی کلید ہے۔

حضرت سلمان فارسی ؓ نے تیمارداری کرنے والوں کو وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

کہ تمہاری ہر ممکن یہ کوشش ہونی چاہیے کہ حج، عمرہ، جہاد یا قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہوئے تمہاری اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہو۔ جب زندگی کے آخری لمحات محسوس ہوئے تو اپنی بیوی کو کستوری کی تھیلی لانے کا حکم دیا۔ وہ پانی میں ملا کر گرد ونواح میں چھڑکائی گئی۔ جس سے فضا معطر ہوگئی۔ تیمارداری کیلئے آنے والوں کا جمگھٹا دیکھا تو سبھی کو الوداعی سلام کہتے ہوئے اپنے پاس سے چلے جانے کا حکم دیا۔ لوگ قدرے پیچھے ہٹے ہی تھے کہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

مدائن کا گورنر، رسول اقدس ﷺ کا منظورِ نظر جلیل القدر صحابی جس کے دینی شوق کو دیکھتے ہوئے رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر دین ثریا پر بھی ہوتا تو اہلِ فارس میں سے ایک شخص اُسے وہاں سے بھی اتار لاتا اور اس سے آپ ﷺ کی مراد حضرت سلمان فارسی ؓ تھے۔

وہ بھرپور زندگی بسر کرتے ہوئے راضی خوشی جنت الفردوس کے سفر پر روانہ ہوئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اپنے اللہ سے راضی۔ (حکمران صحابہ)

## واقعات کی روشنی میں:

سرورِ کائنات ﷺ کی رحلت کے بعد سلمان فارسی ؓ نے عرصہ تک مدینہ میں قیام کیا۔ فاروقِ اعظم ؓ کے عہدِ خلافت میں انہوں نے عراق کی سکونت اختیار کر لی۔ ایران پر لشکر کشی کے وقت وہ بھی مجاہدینِ اسلام میں شریک ہوگئے اور کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ فاروقِ اعظم ؓ ان کے مرتبہ شناس تھے۔ انہوں نے سلمان ؓ کو مدائن کی گورنری پر مقرر فرمایا اور تقریباً چار یا پانچ ہزار درہم ان کی تنخواہ مقرر کی، لیکن اس مردِ درویش کی گورنری کی کیفیت ہی عجیب تھی۔ جو تنخواہ ملتی اسے

Scanned with CamScanner

مساکین میں تقسیم کر دیتے اور خود چٹائی بُن کر روٹی کماتے۔ چٹائی کی آمدنی کا ایک تہائی خیرات کر دیتے۔ خطبہ دیتے تو ایک معمولی عبا پہن کر۔ کہیں جاتے تو بغیر زین کے ایک معمولی گدھے پر سوار ہو کر اور ایک تنگ اور چھوٹی سی قمیص میں ملبوس ہو کر۔ لوگ ان کو دیکھ کر ہنستے اور مذاق اڑاتے، لیکن وہ صاف صاف کہہ دیتے:

''خیر و شر کا اندازہ تو اس زندگی کے بعد ہوگا۔ آج جتنا جی چاہے ہنس لو''۔

ان کے پاس اونٹ کے بالوں کا ایک بوسیدہ کمبل تھا۔ دن کے وقت اسے اپنے بدن پر ڈال لیتے اور رات کو سوتے وقت اوڑھ لیتے۔ جب وہ اپنے درویشانہ لباس میں ملبوس باہر نکلتے تو لوگ کہتے: ''گرگ آمد۔ گرگ آمد''۔

## گورنر کو مزدور سمجھ لیا گیا:

ایک دن مدائن کے بازار میں جا رہے تھے کہ ایک ناواقف شخص نے انہیں مزدور سمجھ کر اپنا سامان اٹھانے کیلئے کہا۔ حضرت سلمان ؓ سامان اٹھا کر اس کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ راستے میں لوگوں نے دیکھا تو کہا: ''اے صاحبِ رسول ﷺ! اے امیر! آپ نے یہ بوجھ کیوں اٹھا رکھا ہے۔ لایئے ہم اسے پہنچا دیں''۔ سامان کا مالک ہکا بکا رہ گیا۔ نہایت شرمندہ ہو کر معافی مانگی اور ان کے سر سے سامان اتروانا چاہا۔ حضرت سلمان ؓ نے فرمایا:

''بھائی تو نے یہ سامان اٹھوا کر اپنے مکان تک لے جانے کا ارادہ کیا تھا۔ اب میں اسے منزلِ مقصود پر پہنچا کر ہی دم لوں گا''۔

❁ ایک دن کسی شخص نے حضرت سلمان فارسی ؓ کو گالیاں دیں۔ آپ نے فرمایا: ''بھائی اگر قیامت کے دن میرے گناہوں کا پلّہ بھاری ہوگا تو جو کچھ تو نے کہا ہے میں اس سے بھی بدتر ہوں اور اگر میرے گناہوں کا پلّہ ہلکا ہوا تو تیری بات سے مجھے کیا ڈر ہے''۔



## آپ کی رہائش:

''ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت سلمان ؓ سے کہا: آپ بے گھر اور بے در ہیں۔ آپ کے لیے ایک مکان بنانا چاہتا ہوں''۔ حضرت سلمان ؓ نے انکار کیا لیکن وہ شخص پیہم اصرار کرتا رہا۔ آخر حضرت سلمان ؓ نے فرمایا: ''بھائی! اگر تمہیں میرے لیے مکان ضرور ہی بنانا ہے تو اس طرح بناؤ کہ اگر لیٹوں تو پیر دیوار سے لگیں اور کھڑا ہوں تو سر چھت سے مل جائے''۔ اس شخص نے ان کی خواہش کے مطابق مختصر سی جھونپڑی بنا دی۔

حضرت سلمان فارسی ؓ نے ۳۵ھ میں بعہدِ خلافت امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورین وفات پائی۔ کتبِ سیر میں ان کی عمر کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ مثلاً ۸۰ سال، ۱۵۰ سال اور ۲۵۰ سال۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اصابہ میں ۲۵۰ سال والی روایت کو ترجیح دی ہے۔

بوقتِ وفات جس مال و متاع کی وجہ سے حضرت سلمان جناب سعد بن ابی وقاص کے سامنے رو رہے تھے کہ کاش میں مسافرانہ زندگی گزارتا اور مال جمع نہ کرتا وہ مال ملاحظہ کیجئے: محض ایک بڑا پیالا، ایک لوٹا، ایک بوسیدہ کمبل اور ایک تسلہ پر مشتمل تھا۔ تکیہ کی جگہ سر کے نیچے دو اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ آپ نے حضرت سعد ؓ اور دوسرے لوگوں کو نصیحت کی کہ ''ہر حال میں خدا کو یاد رکھو اور کوشش کرو کہ حج یا جہاد کرتے ہوئے یا قرآن پڑھتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کرو اور خیانت کی حالت میں نہ مرو''۔

## علمی شان:

حضرت ابو عبداللہ سلمان فارسی ؓ کا شمار اُن جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے جن کو بارگاہِ نبوی ﷺ میں خصوصی تقرب حاصل تھا اور جو اپنے علم و فضل، عشقِ رسول، فہم و تدبّر، زہد و ورع اور تفقہ فی الدّین کی بدولت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت میں امتیازی شان کے حامل تھے۔ حضرت سلمان ؓ کی جلالتِ قدر پر

Scanned with CamScanner

مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر کا کامل اتفاق ہے۔ان کے علم وفضل پر سب سے بڑی شہادت خود سرورِ عالم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ: ''سلمان ؓ علم سے لبریز ہے''۔شیرِ خُدا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے ایک مرتبہ حضرت سلمان ؓ کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: ''سلمان ؓ علم وحکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے''۔ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہوا۔ ''سلمان ؓ کو اوّل (یعنی کتبِ سابقہ انجیل وتورات) وآخر (یعنی قرآنِ حکیم) کا علم دیا گیا ہے اور وہ ایک ایسا دریا ہیں جو کبھی خشک نہیں ہوتا''۔علامہ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ امام الفقہا عالم ربانی حضرت معاذ بن جبل انصاری ؓ نے ایک مرتبہ اپنے ایک شاگرد کو وصیت فرمائی کہ علم چار آدمیوں سے حاصل کرنا۔ ان چاروں میں ایک حضرت سلمان ؓ تھے۔

حضرت سلمان ؓ کو سرورِ کونین ﷺ سے والہانہ محبت تھی۔ وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ حضور ﷺ کی خدمت میں گزارتے تھے اور مقدور بھر فیضانِ نبوی ﷺ سے بہرہ یاب ہوتے تھے۔ بارگاہِ رسالت میں ان کے تقربِ خصوصی پر بعض اوقات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو بھی رشک آتا تھا۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سلمان ؓ رات کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اتنی دیر تک رہتے تھے کہ ہمیں (ازواج) کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں ہمارے حصوں کا وقت بھی حضور ﷺ سلمان ؓ کی معیت میں نہ گزار دیں۔

## ان کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہے:

حضرت سلمان ؓ پر حضور ﷺ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ نے انہیں مجوسی النسل اور غریب الدیار ہونے کے باوجود اپنے اہلِ بیت میں شامل فرمالیا تھا۔ صحیح مسلم میں ہے ایک دفعہ حضرت سلمان ؓ، حضرت بلال ؓ اور حضرت صہیب ؓ ایک جگہ اکٹھے بیٹھے تھے۔ اتفاق سے ابوسفیان (حالتِ کفر میں) ان کے پاس سے گزرے۔ان تینوں بزرگوں نے کہا: ''خدا کی کوئی تلوار اس دشمنِ خدا کی گردن پر



نہیں پڑی''۔حضرت ابوبکر صدیق ؓ بھی کہیں قریب تھے انہوں نے فرمایا: ''یہ شخص قریش کا سردار ہے۔تمہیں ایسی سخت بات اس کے بارے میں نہیں کہنی چاہیے تھی''۔ تینوں بزرگوں نے صدیق اکبر ؓ کے ارشاد کو پسند نہ کیا۔حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے یہ واقعہ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا۔انہیں ناراض کرنا گویا خدا کو ناراض کرنا ہے''۔

حضور ﷺ کا ارشاد سن کر صدیقِ اکبر ؓ بہت پشیمان ہوئے اور فوراً ان بزرگوں کے پاس جا کر معذرت کی۔

## فضائل سلمان ؓ:

❁ حافظ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''استیعاب'' میں یہ روایت درج کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں کے ساتھ محبت رکھنے کا حکم دیا ہے اور مجھے خبر دی ہے کہ وہ (اللہ) بھی ان سے محبت رکھتا ہے''۔پُوچھا گیا: وہ کون ہیں۔فرمایا: ''علی ؓ، مقداد ؓ، سلمان ؓ اور ابوذر ؓ''۔

❁ مستدرکِ حاکم میں خود حضرت سلمان ؓ سے مروی ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس وقت آپ ﷺ ایک تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔آپ نے اس کو میرے سامنے ڈال دیا اور فرمایا: ''اے سلمان! اگر کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملنے جائے اور وہ ازراہِ تعظیم اس کے لیے اپنا تکیہ پیش کر دے تو خدا اس کی مغفرت فرمادے گا''۔

❁ حضرت سلمان ؓ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق ؓ کے پاس گئے تو انہوں نے بھی ازراہِ تکریم اپنی پشت کا تکیہ سلمان ؓ کو پیش کیا۔حضرت سلمان ؓ نے حضرت عمر ؓ کو دعا دی اور وہ واقعہ بیان کیا۔جس میں حضور ﷺ نے انہیں اپنا تکیہ مرحمت فرمایا تھا۔

حضرت سلمان ؓ کے زہد وتقویٰ کی یہ کیفیت تھی کہ ساری عمر فقیرانہ وضع سے گزار دی۔ یہاں تک کہ امارت میں بھی فقیری کی شان رہی۔طبیعت میں حد درجہ کا

Scanned with CamScanner

استغنا تھا۔ مزخرفات دنیوی کو کبھی قریب تک نہ پھٹکنے دیا۔ وفات کے وقت گھر کے کل سامان کی قیمت بیس بائیس درم سے زیادہ نہ تھی۔

❁ حضرت سلمان ؓ کی شادی قبیلہ کندہ میں ہوئی۔ نکاح کے بعد بیوی کے یہاں گئے تو دیکھا کہ دیواروں پر جگہ جگہ پردے آویزاں ہیں۔ فرمایا: ''کیا اس گھر کو بخار ہے کہ اسے ہوا سے بچنے کیلئے کپڑے اوڑھائے گئے ہیں یا کعبہ مکہ معظمہ سے قبیلہ کندہ میں آ گیا ہے۔ جہاں اس پر غلاف چڑھایا گیا ہے''۔ اس کے بعد انہوں نے دروازے کے پردے کے سوا تمام پردے دیواروں سے الگ کرا دیئے یہاں تک کہ دیواریں صاف صاف نظر آنے لگیں۔ گھر کے اندر داخل ہوئے تو اسے کثیر قیمتی سامان سے پُر پایا۔ پوچھا: ''یہ سامان کیسا ہے''۔ کہا گیا: ''یہ آپ کی بیوی کا ہے''۔

فرمایا: میرے آقا محمد رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ''دنیا میں تمہارے پاس محض اتنا سامان ہونا چاہیے، جتنا کسی مسافر کے پاس راستے کی ضرورت کیلئے ہوتا ہے۔ مجھے اس سامان کی ضرورت نہیں ہے''۔

ایک دفعہ کسی شہر کی فتح کے بعد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس میں داخل ہوئے تو جگہ جگہ اشیائے خورد و نوش کے ڈھیر دیکھے۔ ایک ساتھی نے فرطِ مسرت سے بے خود ہو کر کہا: ''دیکھئے اللہ تعالیٰ نے کیا کچھ عطا فرمایا ہے''۔

حضرت سلمان ؓ نے اسے ٹوک کر کہا: ''بھائی کس بات پر خوش ہو رہے ہو۔ یہ بھی تو خیال کرو کہ ایک ایک دانہ کے ساتھ حساب کتاب کی ذمہ داری بھی تو ہمارے سر آ پڑی ہے''۔

## گورنر کی سواری اور لباس:

جس زمانے میں حضرت سلمان ؓ مدائن کے گورنر تھے اور تیس ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے۔ ایک دفعہ مدائن سے شام اس حال میں تشریف لے گئے کہ بغیر زین کے ایک گدھے پر سوار تھے اور گاڑھے کا پیوند لگا لباس زیب بدن کر رکھا تھا۔ لوگوں نے کہا: ''اے امیر آپ نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے''۔ فرمایا: ''بھائی آرام و



راحت تو صرف آخرت کے لیے ہے''۔

## فقیرانہ زندگی:

حضرت سلمان ؓ کا زہد و ورع بلاشبہ غیر معمولی تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ فی الحقیقت ان کے زہد و ورع کی انتہا وہیں تک تھی۔ جہاں سے رہبانیت کی حد شروع ہوتی ہے۔ چونکہ سرورِ عالم ﷺ نے رہبانیت کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس لیے حضرت سلمان ؓ بھی رہبانیت کو نہ صرف خود ناپسند فرماتے تھے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس سے منع فرماتے تھے۔ حافظ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''استیعاب'' میں لکھا ہے کہ حضرت سلمان ؓ کے مواخاتی بھائی حضرت ابودرداء انصاری ؓ بے حد عابد و زاہد تھے۔ دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سلمان ؓ ان سے ملنے گئے وہ گھر سے باہر تھے ان کی اہلیہ کو آشفتہ حال دیکھا تو پوچھا کہ یہ تم نے اپنی حالت کیا بنا رکھی ہے۔ انہوں نے جواب دیا: ''کس کے لیے بناؤ سنگار کروں۔ تمہارے بھائی نے دنیا کو ترک کر دیا ہے''۔ حضرت ابودرداء ؓ گھر تشریف لائے تو حضرت سلمان ؓ کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے ان کے سامنے کھانا رکھا اور خود معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں۔

حضرت سلمان ؓ نے فرمایا: ''اگر تم نہیں کھاتے تو میں بھی نہ کھاؤں گا''۔ پھر حضرت ابودرداء ؓ کے قریب ہی لیٹ گئے۔ کچھ رات گزرنے پر حضرت ابودرداء ؓ عبادت کیلئے اٹھے تو ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: ''ابودرداء تم پر تمہارے رب، تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی سب کا حق ہے۔ روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے''۔ صبح ہوئی تو دونوں نے یہ معاملہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں پیش کیا۔ حضور ﷺ نے حضرت ابودرداء ؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''سلمان ؓ تم سے زیادہ دین کی واقفیت رکھتے ہیں''۔

Scanned with CamScanner

## بحیثیت راویٔ حدیث:

حضرت سلمان ؓ سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں ان کے علاوہ تین میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری ؓ، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور اوس بن مالک ؓ ان کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ روایتِ حدیث میں بے حد احتیاط سے کام لیتے تھے اور دوسروں سے بھی ایسی ہی توقع کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے صاحبُ السِّر حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو محض اس بات پر ٹوک دیا کہ وہ مدائن کے لوگوں کو بعض ایسی باتیں سناتے تھے جو حضور ﷺ نے غصہ کے عالم میں کسی کے بارے میں ارشاد فرمائی تھیں۔ انہوں نے حضرت حذیفہ ؓ سے فرمایا کیا تمہیں علم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی اگر غصہ کی حالت میں کسی کے متعلق میرے منہ سے سخت کلمہ نکل جائے تو اس کو بھی اس کے حق میں خیر کر دینا۔ اب جو تم لوگوں کے سامنے یہ باتیں بیان کرتے ہو تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ مسلمانوں میں انتشار پھیلے گا کیونکہ جن لوگوں پر حضور ﷺ نے کبھی وقتی طور پر غصہ کا اظہار فرمایا، دوسرے مسلمان ان کو معتوب سمجھیں گے۔ اگر تم نے اپنا رویہ ترک نہ کیا تو میں امیر المؤمنین عمر ؓ کو آگاہ کر دوں گا"۔

حضرت سلمان ؓ کو رحمتِ عالم ﷺ کی شفقتِ بے پایاں کی بدولت اہلِ بیت سے نسبت حاصل ہوگئی تھی۔ اس لیے وہ صدقہ سے سخت پرہیز کرتے تھے۔ اگر کسی چیز میں صدقہ کا ذرہ برابر احتمال بھی ہوتا تو اس سے بھی بچتے تھے۔

خوفِ آخرت کا یہ عالم تھا کہ خود بھی اس سے لرزہ براندام رہتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی یاد دلاتے رہتے تھے۔ فرماتے تھے کہ مجھے تین آدمیوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے۔ ایک وہ جو ہر وقت دنیا کی طلب میں ہے، حالانکہ موت اس کی طلب میں ہے۔ دوسرا وہ جو موت کو بھلا بیٹھا ہے، مگر موت اس سے غافل نہیں ہے۔ تیسرا وہ جو قہقہہ مار کر ہنستا ہے، حالانکہ اسے یہ علم نہیں کہ اللہ اس سے راضی ہے یا ناراض۔



ایک دفعہ اکابرِ قریش کسی جگہ جمع تھے اور اپنے اپنے فضائل و محامد بیان کر رہے تھے۔ حضرت سلمان ؓ بھی وہاں موجود تھے۔ ان سے کہا گیا کہ وہ بھی اپنے بارے میں کچھ بیان کریں۔ انہوں نے فرمایا:

"بھائیو! میں کس بات پر فخر کروں۔ میرا آغاز ایک نجس پانی سے ہوا اور انجام یہ ہوگا کہ ایک دن یہ جسم ایک بدبودار لاش کی شکل اختیار کرے گا۔ پھر آخرت میں زندگی کے سارے اعمال تولے جائیں گے اگر نیکیوں کا پلڑا جھک گیا، تو اللہ نے سُرخ رُو کیا اور اگر بدیوں کا پلڑا بھاری ہوا تو پھر دائمی ذلت اور عذاب ہے"۔

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تین چیزوں کا خیال مجھ کو سخت غمزدہ کر دیتا ہے اور میری آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ ایک تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی جدائی۔ دوسری چیز قبر کا عذاب اور تیسری چیز قیامت کا ڈر۔

لوگوں کو اکثر فروتنی اختیار کرنے کی تلقین فرماتے اور انہیں بتاتے کہ جو شخص دنیا میں خدا کیلئے تواضع اور انکسار کو اپناتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سربلند فرمائے گا۔

الغرض افعال ہوں یا اقوال، حضرت سلمان ؓ کی سیرت کے کسی پہلو پر بھی نظر ڈالیں، وہ مطلعِ انوار نظر آتے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

## آپ کی چند مرویات:

حضرت سلمان فارسی ؓ سے مروی احادیث میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو آدمی جمعہ کے دن غسل کرے اور جہاں تک ہو سکے، صفائی، پاکیزگی کا اہتمام کرے اور جو تیل خوشبو اس کے گھر ہو، لگائے پھر وہ گھر سے نماز کے لیے جائے اور مسجد میں پہنچ کر اس کی احتیاط کرے کہ جو دو آدمی پہلے سے ساتھ بیٹھے ہوں ان کے بیچ میں نہ بیٹھے پھر جو نماز یعنی سنن و نوافل کی جتنی رکعتیں اس کے مقدر میں ہوں، وہ پڑھے۔ پھر جب امام خطبہ

دے تو توجہ اور خاموشی کے ساتھ اس کو سُنے ۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان کی اس کی ساری خطائیں ضرور معاف کر دی جائیں گی۔ (صحیح بخاری)

۲۔ مشرکوں میں سے ایک شخص نے استہزاء کے طور پر کہا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے صاحب (یعنی رسول اللہ ﷺ) تم کو ہر چیز سکھاتے ہیں یہاں تک کہ پاخانہ و استنجاء کرنے کا طریقہ بھی۔
میں (سلمان) نے کہا: ہاں آپ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم پاخانہ میں قبلہ رُخ نہ بیٹھیں، سیدھے ہاتھ سے استنجا نہ کریں اور تین پتھروں سے کم میں استنجا نہ کریں اور ان پتھروں میں گوبر، لید وغیرہ اور ہڈی نہ ہو۔ (صحیح مسلم)

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کوئی چیز تقدیر کو نہیں پھیرتی، مگر دعا، اور کوئی چیز عمر کو زیادہ نہیں کرتی مگر نیکی۔ (جامع ترمذی)

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا پروردگار بہت حیادار ہے۔ بغیر مانگے دینے والا اور حیا کرتا ہے اپنے بندے سے کہ جب وہ اس کی طرف ہاتھ اٹھائے (پھیلائے) تو وہ ان ہاتھوں کو خالی پھیر دے۔ (ترمذی، ابوداؤد، بیہقی)

۵۔ میں (سلمان) نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا باعثِ برکت ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:
''کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ اور منہ کا دھُونا باعثِ برکت ہے''۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

## آپ کے فضائل کی چند احادیث:

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ثلاثة تشتاق الیهم الحور العین علی وعمار و سلمان.



(اخرجہ الترمذی والطبرانی باسناد رجالہ صحیح غیر ربیعۃ الایادی وقد حسن الترمذی حدیثہ۔ مجمع الزوائد صفحہ ۳۴۴ جلد ۹، الطبرانی فی الکبیر صفحہ ۲۶۳ جلد ۶، برقم ۶۰۴۴، الترمذی، مناقب سلمان)

جنت کی موٹی آنکھوں والی حور (حورِ عین) تین افراد کا اشتیاق رکھتی ہے۔ علی، عمار اور سلمان رضی اللہ عنہم۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ ان میں سے ہر ایک کے عشق رسول کا یہ عالم ہے کہ:

شوق دید آنکھوں میں ہے دل میں تمنائے رسول
صدقے اے مولیٰ! دکھادے روئے زیبائے رسول
ہے بیابان مدینہ ہر قدم خلد نظر
سر میں ہے دیوانۂ بطحا کے سودائے رسول

۲۔ ایک حدیث شریف میں حضور علیہ السلام نے حضرت سلمان کے متعلق ارشاد فرمایا:
فرمایا: ثکلته امه فقد اشبع من العلم.

(اخرج الطبرانی فی الاوسط باسناد رجالہ ثقات الا الحسن بن جبلۃ فلم یعرف من حدیث ام الدرداء۔ مجمع الزوائد صفحہ ۳۴۳، ۳۴۴ جلد ۹ من خبر طویل الحدیث اخرہ وھو فی ابن سعد صفحہ ۸۵ جلد ۴)

اس کی (حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ) کی ماں روئے (بطور تعجب) اس کو علم سے بھر دیا گیا ہے۔

۳۔ سلمان منا اهل البيت.

(اخرج الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک عن عمرو بن عوف، کنز العمال صفحہ ۶۹۵ جلد ۱۱ برقم ۳۳۳۴۰)

سلمان (فارسی رضی اللہ عنہ) ہمارے اہل بیت (گھر والوں میں) سے ہے یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

۴۔ سلمان سابق فارس. (اخرج ابن سعد عن الحسن مرسلاً)

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا سلمان فارسی فارس والوں میں پہلے نمبر پر ہے۔ سب پر سبقت لے گیا ہے۔ (کنز العمال حدیث نمبر ۳۳۴۱۳، طبقات ابن سعد صفحہ ۸۳ جلد ۴)

۵۔ من اراد ان ینظر الی رجل نور قبله فلینظر الی سلمان.

Scanned with CamScanner

(اخرج ابن مردویہ فی امالیہ وابن عساکر عن ابی ہریرہ۔ کنز العمال نمبر ۳۳۳۴۵، درالسحابہ فی مناقب القرابۃ والصحابہ صفحہ ۲۷۵)

''حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کسی ایسے شخص کو دیکھنا چاہے کہ جس کا دل نور سے بھر دیا گیا ہے، وہ سلمان (فارسی رضی اللہ عنہ) کو دیکھ لے''۔

۶۔ صحیح بخاری تفسیر سورۃ جمعہ باب قولہ تعالٰی واخرین منهم لما یلحقوا بهم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے:

لو كان الايمان عند الثريا لتنا وله رجال من فارس.

(فتح الباری صفحہ ۵۲۰، ۵۲۱ جلد ۸)

''اگر ایمان ثریا (ستارہ) تک بھی چلا جائے تو فارس کے مرد اس کو پالیں گے''۔

مندرجہ بالا حدیث میں بعض روایات کے اندر ''لو كان الايمان'' کے الفاظ ہیں بعض میں ''لو كان الدين'' اور بعض میں ''لو كان العلم'' کے الفاظ ہیں۔

پھر بعض روایات میں ''رجال من فارس'' کے الفاظ ہیں بعض میں ''من ابناء فارس'' اور بعض میں ''رجل من فارس'' کے الفاظ ہیں۔

اسی طرح بعض روایات میں لتناوله رجال کے الفاظ ہیں بعض میں ''لنا وله قوم من اهل فارس اوربعض میں ناس من ابناء فارس'' کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح ''لو كان الايمان معلقا'' اور فارس کی جگہ ''من العجم'' ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری سے لے کر مسلم، ترمذی، احمد، حاکم، ابن حبان ابن راھویہ، ابن ابی شیبہ، ابو یعلی، بزار، طحاوی، طبرانی، بیہقی، دیلمی، بغوی، ہیثمی، عجلوانی، قرطبی، ابنِ کثیر، ابونعیم، عسقلانی، سیوطی، ابنِ حجر مکی، مناوی اور علاوہ ازیں بے شمار محدثین نے روایت فرمایا ہے جن کی تعداد چالیس بنتی ہے۔

اسی حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ابوالغیث نے نو اسناد کے ساتھ، یزید بن اصم نے پانچ سندوں سے، ابوالعلا عبدالرحمٰن بن یعقوب نے سولہ



اسناد سے، شعیب بن زید انصاری نے ایک سند سے، سعید بن ابی سعید المقبری نے ایک، سعید بن میناء نے ایک، خالد بن سعد نے دو، اھل شام میں سے حضرت ابوہریرہ کے ایک شاگرد نے ایک طریق سے، ابوصالح ذکوان نے آٹھ طریق سے، عطا بن ابی رباح نے ایک، شھر بن حوشب نے آٹھ طریق سے روایت فرمایا۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد (امام ابن سیرین نے تین طریق سے اور حضرت جبیر تلمیذ ابی ہریرہ نے ایک طریق سے روایت کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے خود اور آپ کے شاگردوں نے روایت کیا۔

حضرت قیس بن سعد سے اس حدیث کی چار روایات ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود، جابر بن عبداللہ، سلمان فارسی (دو طریق) علی بن ابی طالب، عائشہ صدیقہ، منذوس اور حضرت سفینہ مولی الرسول ان تمام صحابۂ کرام نے بھی اس حدیث کو روایت فرمایا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے تکمیل الصحيفه باسانيد الحديث فی الامام ابی حنيفه. (الاکتور البروفیسر محمد طاہر القادری)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات زندگی معلوم کرنے کیلئے درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کریں:

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ | مسند امام احمد | ۴۳۷/۵ |
| ۲۔ | طبقات ابنِ سعد | ۵۴/۴ |
| ۳۔ | طبقات خلیفہ | ۱۸۹/۷ |
| ۴۔ | التاریخ الکبیر | ۱۳۵/۴ |
| ۵۔ | الجرح والتعدیل | ۲۹۶/۴ |
| ۶۔ | حلیۃ الاولیاء | ۱۸۵/۱ |
| ۷۔ | تاریخ اصبہان | ۴۸/۱ |
| ۸۔ | الاستیعاب | ۲۲۱/۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۹۔ | تاریخ بغداد | ۱۶۳/۱ |
| ۱۰۔ | تاریخ ابنِ عساکر | ۱۶۳/۱ |
| ۱۱۔ | اسعد الغابہ | ۴۱۷/۲ |
| ۱۲۔ | تہذیب الاسماء واللغات | ۲۲۶/۱ |
| ۱۳۔ | تہذیب الکمال | ۵۲۳ |
| ۱۴۔ | دول الاسلام | ۳۱/۱ |
| ۱۵۔ | مجمع الزوائد | ۳۳۲/۹ |
| ۱۶۔ | تہذیب التہذیب | ۱۳۷/۴ |
| ۱۷۔ | الاصابۃ | ۲۲۳/۴ |
| ۱۸۔ | خلاصہ تذہیب الکمال | ۱۴۷ |
| ۱۹۔ | کنز العمال | ۲۴/۱۳ |
| ۲۰۔ | شذرات الذہب | ۴۴/۱ |



## نمبر۷:

# سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

### نام ونسب اور کنیت:

نام عبداللہ، کنیت ابوعبدالرحمٰن الھذلی، والد کا نام مسعود، والدہ کا نام ام عبد (جو اسلام لے آئی تھیں۔ جبکہ والد کا انتقال زمانۂ جاہلیت میں ہی ہوگیا تھا)

والد کی طرف سے سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن مخزوم بن صاھلہ بن کاھل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ھذیل بن درکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن عدنان۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب اس طرح ہے عبداللہ بن ام عبد بنت وُدّ بن سواع بن قریم بن صاھلہ بنی کاہل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ھذیل۔

آپ کی نانی کا نام ہند بنت عبد بن الحارث بن زھرہ بن کلاب تھا اور تعلق ان کا قبیلہ بنی زھرہ سے تھا۔

(دیکھئے الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۳ ص ۱۵۰ مطبوعہ بیروت فتح الباری شرح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۰۳)

آپ کی کنیت کے متعلق ایک روایت اس طرح ہے کہ آپ نے خود فرمایا (جس کو حضرت علقمہ نے روایت کیا) حضور علیہ السلام نے میرے پیدا ہونے سے پہلے ہی میری کنیت ابوعبدالرحمٰن رکھ دی۔ (مستدرک للحاکم۔ صفحہ ۳۱۳ جلد ۳)

والدہ کی طرف نسبت سے آپ کی کنیت ''ابن ام عبد'' بھی ہے۔ (جو زیادہ مشہور ہے)۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ۱ صفحہ ۴۶۲)

آپ کا تعلق قبیلہ ھذیل سے تھا جو شعر وشاعری میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا اور

عرب میں عزت کا معیار ہی شعروشاعری تھا۔قوم کا سردار وہی ہوتا جو اچھا شاعر ہوتا۔ آپ کے قبیلے مین بڑے بڑے شاعر گزرے ہیں اوران کے اشعار کومختلف کتب میں جمع کیا گیا ہے اوران کتابوں کواتنی اہمیت حاصل ہے کہ بڑے بڑے لوگ ان کو سبقاً پڑھتے رہے جیسا کہ امام اصمعی نے امام شافعی سے ''اشعارالھذلیین'' کا درس لیا۔

عرب کا ایک اورمشہور قبیلہ بنولحیان بھی قبیلہ ھذیل کی شاخ ہے جس کی وجہ سے اس قبیلے کواور بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا،آپ کی والدہ کاتعلق بھی قبیلہ ھذیل ہی سے تھا۔آپ کے والد بنوزھرہ قبیلے کے عبد بن حارث بن زھرہ کے حلیف بنے اس وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قبیلہ (ھذیل) کا بنی زھرہ کے حلیفوں میں شمار ہوتا ہے۔(طبقات ابن سعد جلد۳ صفحہ۱۰۰)

آپ کا جسم ھلکا پھلکا اور دبلا پتلا تھا رنگ گندمی،قد قدرے چھوٹا،سر کے بال کانوں پہ آکر چپک جاتے،خضاب نہ لگاتے تھے،دیکھنے میں بدو معلوم ہوتے تھے۔

(طبقات،اتحاف المھرہ فی اطراف العشرہ جلد۷ صفحہ۳۵۴)

## حضور ﷺ کی زیارت اورقبول اسلام کاواقعہ:

آپ کا اپنا بیان ہے کہ میں اپنی قوم کے بعض افراد کے ساتھ خوشبو کے کاروبار کے سلسلہ میں مکہ آیا،حضرت عباس جوخوشبوکی تجارت کرتے تھے جب میں ان کے پاس پہنچا اس وقت وہ چاہ زمزم کے پاس تھے ہم ان سے کاروبار کے بارے بات کر رہے تھے کہ باب الصفا سے ایک سُرخی مائل گورے رنگ،چمکیلے دانتوں سینہ سے ناف تک باریک بالوں کی دھاری،گوشت سے بھرپور ہتھیلیوں،گھنی داڑھی،سفید لباس اور چودھویں کے چاند کی طرح چمکدار چہرے والا شخص نمودار ہوا جس کی دائیں جانب ایک نہایت ہی خوبصورت کم عمر لڑکا تھا اور پیچھے ایک خاتون تھی جو پردہ کئے ہوئے تھی، تینوں نے حجراسود کو بوسہ دیا،طواف کعبہ کیا،رکن یمانی کے پاس آکر ہاتھ اٹھائے تکبیر کہی قیام ورکوع کیا۔ہمارے لئے یہ نئی بات تھی جو ہمیں عجیب معلوم ہوئی ہم نے



حضرت عباس سے پوچھا: یہ دین تو ہمارے لئے نیا ہے جس کو ہم نہیں جانتے۔آپ نے فرمایا: ہاں یہ میرے بھتیجے (محمد ﷺ) ہیں ان کے ساتھ لڑکا علی بن ابی طالب ہے اور خاتون خدیجہ بنت خویلد ہے جو محمد (ﷺ) کی اہلیہ ہے۔(سیر اعلام النبلاء،جلد۱ صفحہ۴۶۳)

اپنا قبول اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی جوانی کی ابتداء میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا کہ ایک دن حضور ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لائے آپ نے مجھے فرمایا: اے لڑکے تیرے پاس دودھ ہوگا، جو ہمیں سیراب کرسکے؟ میں نے عرض کیا: یہ بھیڑیں میرے پاس امانت ہیں میں ان کا دودھ آپ کو نہیں پلا سکتا۔فرمایا: تیرے پاس کوئی ایسی بکری بھی ہے جس نے کبھی دودھ نہ دیا ہو (یعنی دودھ اس کے قریب بھی نہ آیا ہو) میں نے ہاں میں جواب دیا اور ایسی بکری لے آیا،حضور ﷺ نے اس کے تھنوں پہ ہاتھ لگایا،دعا کی،تو تھن دودھ سے بھر گئے۔یہ دودھ میں نے اور ابوبکر نے بھی پیا پھر آپ (ﷺ) نے تھنوں کو سکڑ جانے کا حکم دیا تو وہ سکڑ گئے۔

اس کے بعد ایک دن میں حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: مجھے وہ دعا سکھایئے جو آپ نے اس دن بکری کے تھنوں پہ پڑھی تھی،آپ نے فرمایا: انک غلام معلّم. تُو تو تعلیم یافتہ جوان ہے۔

اس بات کا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پہ اتنا اثر ہوا کہ آپ نے اسی وقت اسلام قبول کرلیا اور حضور ﷺ کے اس قول (انک غلام معلّم) کی برکت سے میں نے آپ ہی کی زبان حق ترجمان سے ستر سورتیں زبانی یاد (حفظ) کرلیں۔

(طبقات،مسند احمد جلد۱ صفحہ۴۶۲)

## آپ کے فضائل:

آپ کا شمار ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہے جو السابقون الاولون. سب سے پہلے ایمان لائے تھے جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اس وقت صرف پانچ

Scanned with CamScanner

مسلمان تھے اور آپ نے چھ کا عدد پورا کیا۔ (مستدرک للحاکم جلد ۳ صفحہ ۳۱۳)

انہی صحابہ کی شان میں قرآن پاک کی متعدد آیات نازل ہوئیں جن میں سے ایک مندرجہ ذیل ہے:

**والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى اللّٰه عنهم ورضوا عنه واعدلهم جنت تجرى تحتها الانهر خالدين فيها ابدا ذلك الفوز العظيم.** (التوبہ:۱۰۰)

اور مہاجرین وانصار میں سے ایمان میں سبقت لے جانے والے اور جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کیلئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

جب مسلمان چھپ چھپ کر قرآن کی تلاوت کرتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ آپ مکہ مکرمہ میں لوگوں کے سامنے باآواز بلند قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔

## کفار قریش کو سب سے پہلے قرآن سنانے کا اعزاز:

چنانچہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باہم مشورہ کیا کہ ابھی تک قریش کے کانوں تک قرآن کی آواز نہیں پہنچ سکی کوئی ایسا شخص ہو جو اس پُرخطر فریضہ کو سرانجام دے اور قریش کے مجمع میں جا کر باآواز بلند قرآن پاک پڑھے تاکہ وہ سنیں اور ان میں اسلام کی تبلیغ واشاعت ہو سکے۔

اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا: خدا کی قسم! یہ کام میں کروں گا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ہمیں ڈر ہے کہ وہ آپ کو اذیت پہنچائیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کوئی بڑے قبیلے اور خاندان والا یہ کام کرے جس کا قبیلہ اس کی



حمایت بھی کرتا ہو تاکہ مشرکین کی ایذاء رسانی سے بھی محفوظ رہ سکے۔

لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نہ مانے اور اگلے دن چاشت کے وقت کفار کے مجمع میں جا کر سورۂ الرحمٰن کی تلاوت باآواز بلند شروع کر دی، کفار نے آپ کو اتنا مارا کہ آپ کا چہرہ مبارک سوج گیا مگر آپ مسلسل قرآن پڑھتے رہے اور جتنا پڑھنا تھا پڑھ دیا۔ صحابہ کرام نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو کہا ہمیں اس بات کا خطرہ تھا۔ آپ نے فرمایا: اب دشمنوں کے سامنے میرے لئے قرآن پڑھنا آسان ہو گیا ہے اگر تم کہو تو کل پھر اس طرح کر سکتا ہوں مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے بس اتنا ہی کافی ہے کہ جس کلام کو سننا وہ ناپسند کرتے تھے وہ ان کے کانوں تک پہنچ گیا ہے۔

(اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۳۵۷)

## حضور علیہ السلام کے رفیق خاص:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہر نبی کو سات رفقائے و وزراء خاص دیے گئے اور مجھے چودہ دیے گئے۔ (جو مندرجہ ذیل ہیں)

حضرت حمزہ، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، جعفر، حسن، حسین، عبداللہ بن مسعود، ابوذر، مقداد، حذیفہ، عمار اور سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(اخرجہ الترمذی فی المناقب ۳۷۸۷۔ سیر اعلام النبلاء جلد ۱ صفحہ ۴۸۲)

## ہجرت حبشہ:

جب مشرکین مکہ کے ظلم کی انتہا ہو گئی تو مسلمانوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا تھا تو جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہو رہے تھے اس خطرہ کے پیشِ نظر کہ وہ کہیں اسلام سے پھر نہ جائیں ان کے جان وایمان کی حفاظت کیلئے حضور علیہ السلام نے فرمایا: **تفرقوا فى الارض فان اللّٰه سيجمعكم.** زمین میں پھیل جاؤ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں جمع فرما دے گا، عرض کیا گیا کہاں جائیں تو آپ نے حبشہ کی

طرف اشارہ فرمایا۔ (عیون الاثر جلد ا صفحہ ۱۴۴)

کیونکہ وہاں کا حاکم عدل وانصاف میں مشہور تھا۔

## حبشہ کی طرف دو ہجرتیں:

**نمبر ۱**: اس میں گیارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں، سب سے پہلے ہجرت کرنے والے حضرت عثمانِ غنی ؓ ہیں آپ کے ساتھ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جو آپ کی زوجہ محترمہ اور آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی ہیں انہوں نے بھی ہجرت کی۔ وہ چار عورتیں جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: (۱) رقیہ بنت النبی ﷺ، (۲) سہلۃ بنت سہل ؓ (زوجہ ابوحذیفہ ابن عتبہ) (۳) اُم سلمٰی بنت ابی اُمیۃ (زوجہ ابی سلمہ)، (۴) لیلیٰ بنت ابی حثمہ (زوجہ عامر بن ربیعہ ؓ)

اور گیارہ مرد حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں: (۱) حضرت عثمانِ غنی ؓ (۲) عبدالرحمٰن بن عوف ؓ (۳) زبیر بن العوام ؓ (۴) ابوحذیفہ بن عتبہ ؓ (۵) مصعب بن عمیر ؓ (۶) ابوسلمہ بن عبدالاسد ؓ (۷) عثمان بن مظعون ؓ (۸) عامر بن ربیعہ ؓ (۹) سہیل بن بیضاء (۱۰) ابوسبرۃ بن ابی رہم العامری یا حاطب بن عمرو العامری رضی اللہ عنہما (۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ۔

حبشہ کے مہاجرین اوّل کی تعداد اور ان کے تعین میں اختلاف ہے، شروع کے نو افراد میں تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ شریکِ ہجرت رہے البتہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بقیہ تین افراد بھی شریک رہے ہیں اور ان کے نزدیک ابوسبرۃ (جو دسویں نمبر پر ہیں) کے علاوہ حاطب بن عمرو بھی شریکِ ہجرت تھے اس طرح ان کے نزدیک شرکاء کی تعداد بارہ ہوجاتی ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے شرکاءِ ہجرت کی تعداد گیارہ بتائی ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ ابن اسحاق نے مردوں میں دس آدمیوں ہی کا نام لیا ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ کے متعلق وہ یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ



ہجرت اولیٰ میں نہیں بلکہ ہجرتِ ثانیہ میں شریک تھے اور دسویں فرد کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ابوسبرۃ ہیں یا پھر حاطب بن عمرو ہیں۔ (فتح الباری جلد نمبر ۷ صفحہ ۱۸۹)

لیکن ابنِ سعد نے انہی تمام مہاجرین کا نام لیا ہے جن کو واقدی نے ذکر کیا ہے (یعنی مذکورہ اسماء میں سے تمام حضرات جو بارہ بنتے ہیں) اور ان میں عبداللہ بن مسعود ؓ کو بھی شامل کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۵۱)

اور طبقات ابن سعد میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے حبشہ کی طرف دو ہجرتیں کی ہیں۔ ان دو ہجرتوں کا واقعہ یہ ہے کہ رجب ۵ھ میں جب مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے اور وہاں مقیم ہوگئے تو کچھ عرصہ کے بعد حبشہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ اہل مکہ اسلام لے آئے ہیں، جب یہ خبر وہاں پہنچی تو سب مہاجرین نے واپس مکہ مکرمہ کی طرف رخ کرنا شروع کردیا۔ لیکن جب مکہ مکرمہ پہنچے تو پتہ چلا کہ یہ خبر غلط تھی۔ (فتح الباری جلد نمبر ۷ صفحہ ۱۸۹)

اس لئے بعض تو فوراً حبشہ چلے گئے اور بعض چھپ چھپا کر مکہ آگئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ چھپ کر مکہ آئے اور چند دن قیام فرما کر دوسری بار پھر حبشہ کی طرف ہجرت کرلی۔

**نمبر ۲**: اس دفعہ مشرکین نے پہلے سے زیادہ ستانا شروع کردیا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی دوسری ہجرت میں مہاجرین کی تعداد اسی (۸۰) افراد سے زائد تھی۔ (فتح الباری صفحہ ۱۸۹ جلد ۷)

خود حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں:

بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الى النجاشي ثمانين رجلا انا وجعفر و ابو موسىٰ و ابن هشام و عبدالله بن عرفطه و عثمان بن مظعون و بعثت قريش عمرو بن العاص و عمارة بن الوليد بهدية فقدما على النجاشي فلما دخلا سجد اله ثم ابتدراه عن يمينه و عن

شماله ثم قالا له: إن نفراً من بني عمّنا نزلوا ارضك ورغبوا عنّا وعن ملّتنا، قال "فاين هم"؟ قال: "هم في ارضك" فابعث اليهم، فبعث اليهم، فقال جعفر انا خطيبكم اليوم فاتبعوه، فسلم ولم يسجد، فقالوا له مالك لا تسجد للملك؟ قال أنا لا نسجد اِلّا الله عزوجل قال، وما ذالك؟ قال، ان اللّٰه عزوجل بعث الينا رسوله صلى الله عليه وسلم وامرنا أن لا نسجد لاحد الا اللّٰه عزوجل وامرنا بالصلوٰة والزكوٰة، قال عمرو بن العاص، فانهم يخالفونك في عيسىٰ بن مريم، قال ماتقولون في عيسىٰ بن مريم، وامّه، قال نقول كما قال الله عزوجل: هو كلمة اللّٰه و روحه القاها الى العذراء البتول التى لم يمسها بشر و لم يفرضها ولد، قال: فرفع عوداً من الارض ثم قال يا معشر الحبشى القسيسين والرهبان والله مايجدون على الذى نقول فيه مايسوىٰ هذا، مرحباً بكم و بمن جئتم من عنده اشهدأنه رسول اللّٰه فانه الذى تجد في الانجيل وانه الرسول الذى بشربه عيسىٰ بن مريم انزلوا حيث شئتم والله لولا ما أنا فيه من الملك لأتيته حتى أكون انا احمل نعليه وأوضيه، وامر بهدية الآخرين فردت اليهما.

(مسند احمد جلد۶ صفحہ۱۸۵ حدیث۴۰۰)

"حضور ﷺ نے ہم اسی ۸۰ افراد کو نجاشی (فرمانروائے حبشہ) کے پاس بھیجا میں، جعفر، ابوموسیٰ، ابن ہشام، عبداللہ بن عرفطہ اور عثمان بن مظعون وغیرہ تھے اور قریش نے عمرو بن العاص (جواب تک اسلام نہ لائے تھے) اور عمارۃ بن الولید کو ہدیہ دے کر حبشہ بھیجا تو وہ دونوں نجاشی کے پاس آئے جب اس کے پاس پہنچے تو اس کو سجدہ کیا اور دونوں جلدی جلدی کر کے ایک نجاشی کے دائیں اور دوسرا بائیں بیٹھ گیا پھر اس سے کہا: کہ بے شک کچھ قوم ہمارے چچازادوں میں سے تمہارے ملک میں آگئی ہے جس نے ہمارے



مذہب کو چھوڑ دیا ہے، نجاشی نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ آپ کے وطن میں ہیں ان کو بلوانے کیلئے کسی کو بھیجئے تو نجاشی نے ان کو بلوایا (جب وہ آگئے تو) حضرت جعفرؓ نے کہا کہ، آج کا خطیب میں ہوں تو تمام مسلمانوں نے ان کی بات مان لی تو جعفر نے بادشاہ کو سلام کیا لیکن سجدہ نہ کیا لوگوں نے کہا کہ بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے انہوں نے جواب دیا کہ ہم سوائے اللہ ﷻ کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ انہوں نے پوچھا کیوں نہیں کرتے؟ تو جعفرؓ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس اپنے رسول کو بھیجا ہے اور ہمیں حکم دیا کہ کسی کیلئے سوائے اللہ کے ہم سجدہ نہ کریں اور ہمیں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا بھی حکم دیا، عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ یہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں تمہاری مخالفت کرتے ہیں نجاشی نے کہا، تم لوگ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ جواب دیا کہ: ہمارا کہنا وہی ہے جو اللہ کا فرمان ہے کہ وہ (عیسیٰ علیہ السلام) اللہ کی روح ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں۔ جس کو اللہ نے کنواری مریم (جس کو دنیا کی کوئی رغبت نہ تھی) اور جس کو کسی انسان نے نہ چھوا تھا پر نازل کیا۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا پھر کہا اے حبشہ کی قوم، اے علماء و مشائخ و صوفیاء! تم کیا کہتے ہو؟ مجھ کو تو جعفر نے جو کچھ کہا برا معلوم نہیں ہوتا اور حضرت جعفرؓ سے کہا: مرحبا ہے تم کو اور جو تمہارے ساتھ آئے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں جس کی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے بشارت دی تھی تم لوگ جہاں چاہو رہو اور خدا کی قسم! اگر میں بادشاہ نہ ہوتا تو میں ان کے (حضور ﷺ) پاس ضرور آتا۔ اور ان کے جوتے اٹھاتا اور ان کو وضو کراتا اور دوسرے (یعنی مشرکین) لوگوں کے ہدیہ واپس کرنے کا حکم دیا تو ان ہدیوں کو لوٹا دیا گیا"۔

## ہجرت نمبر۳:

ادھر مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی تعداد کے اضافہ کے ساتھ مصائب اور تکالیف

Scanned with CamScanner

میں بھی اضافہ ہونے لگا، یہاں تک کہ مشرکین مکہ کے خاص خاص لوگوں کے مباحثہ کے بعد یہ طے ہوا کہ حضور ﷺ کو قتل کر دیا جائے، تا کہ مسلمانوں کا زور ٹوٹ جائے۔ چونکہ مشرکین مسلمانوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ سے بے حد پریشان تھے۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد کوئی فیصلہ کر کے اس پر عمل کیا جائے ورنہ جب مسلمان زیادہ ہو جائیں گے تو ہم کچھ نہیں کر سکیں گے، ان تمام وجوہ سے انہوں نے مسلمانوں کے مصائب میں بے حد اضافہ کر دیا۔

تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا۔ تا کہ بلا مزاحمت دین کے احکام ادا کر سکیں۔ چنانچہ جب جب صحابہ کرام کو موقع ملا چھپ چھپا کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر لی اور حضور ﷺ نے خود بھی حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

جب تمام مسلمانوں کی ہجرت کی خبر حبشہ پہنچی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چونکہ وہیں تشریف رکھتے تھے انہوں نے بھی ہمیشہ کیلئے مدینہ منورہ کو مامن و مسکن بنانے کا ارادہ کر لیا اور ہجرت کر کے ایسے وقت مدینہ پہنچے کہ غزوۂ بدر بالکل تیار تھا۔ یہاں تک کہ اس میں شریک ہوئے اور جنت کی خوشخبری حاصل کی۔ اور بقیہ مہاجرین حبشہ میں سے تقریباً تیس سے زائد صحابہ مکہ پہنچے۔ (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۹۰)

ان تمام واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو تین ہجرتیں کرنے کی فضیلت حاصل ہے۔ یہ وہ ہجرتیں ہیں جو آپ رضی اللہ عنہ نے صرف اسلام کی خاطر اللہ تعالیٰ کی راہ میں کی ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کو ذوھجرات ثلاثۃ (یعنی تین ہجرتوں والے) کہا جاتا ہے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"کُنّا نسلّم علی النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھو یصلی فیردّ علینا، فلمّا رجعنا مِن عند النجاشی سلّمنا علیہ، فلم یرد علینا، فقلنا یا رسول اللّٰہ! انّا کنّا



نسلّم علیک فترد علینا؟ قال: "اِن فی الصلوٰۃ شغلًا". (رواہ البخاری)

"ہم حضور ﷺ کو حالت نماز میں سلام کرتے تھے۔ تو آپ ﷺ ہم کو جواب (جوابِ سلام) دیتے تھے لیکن جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹے اور ہم نے بحالتِ نماز حضور ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے نماز میں جواب نہیں دیا۔ تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! ہم آپ کو سلام کرتے تھے تو آپ ہمیں جواب دیتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نماز میں مشغولیت ہوتی ہے۔ (یعنی نماز کی مشغولیت کی وجہ سے اب نماز میں سلام کا جواب دینا جائز نہیں رہا"۔)

## مؤاخاۃ مدینہ اور عبداللہ بن مسعود:

مکہ مکرمہ سے جب مہاجرین صحابہ کرام اللہ کی رضا اور اپنے دین کی حفاظت کیلئے سب کچھ چھوڑ کر مدینہ شریف آئے تو حضور علیہ السلام نے ایک مہاجر صحابی اور ایک انصاری صحابی کے درمیان مؤاخاۃ کا تعلق قائم فرمایا یعنی ایک کو دوسرے کا بھائی قرار دیا جس کو مواخاۃ مدینہ کہا جاتا ہے، انصار صحابہ نے اس موقع پہ بڑے ایثار کا مظاہرہ فرمایا اور اپنے کاروبار، سامان بلکہ ہر چیز یہاں تک کہ جس کی دو بیویاں تھیں اس نے اپنے مہاجر بھائی کو طلاق و عدت کے بعد ایک بیوی سے نکاح کرنے کی پیش کش فرمادی بلکہ بعض نے ایسا کر بھی دیا۔

(بخاری شریف باب اخاء النبی ﷺ بین المہاجرین والانصار)

اس موقع پہ حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے درمیان مؤاخات کا تعلق قائم فرمادیا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ کے ہاں قیام فرمایا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۵۱۔۱۵۲)

## حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا حضور علیہ السلام نے دفاع کیا:

حضور علیہ اسلام نے حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ان کے بھائی عتبہ بن مسعود کو

مدینہ شریف میں رہائش کیلئے زمین عطا فرمائی جو مسجد نبوی کے ساتھ تھی اور اس کے ساتھ ہی بنوزہرہ قبیلے کی زمین بھی تھی، ایک دفعہ اس قبیلے کے کسی فرد نے حضرت ابن مسعود سے کہا کہ آپ یہ زمین چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں، جس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا: کیوں؟ کیا اللہ نے مجھے اس لئے بھیجا ہے، بے شک اللہ اس قوم کو برکت نہیں دیتا جو ضعیف کو اس کا حق نہیں دیتی۔ (طبقات جلد ۳ صفحہ ۱۵۲)

## ابن مسعود کی پنڈلیوں کی عظمت:

حضرت ام موسیٰ نے حضرت علی المرتضیٰ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو درخت پہ چڑھ کر مسواک اتارنے کا حکم دیا، آپ درخت پہ چڑھے تو صحابہ کرام آپ کی پتلی پتلی پنڈلیاں دیکھ کر ہنسے۔ جس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا تم ایسے شخص پہ ہنس رہے ہو کہ جس کی پنڈلیوں کا وزن قیامت کے دن میزان عدل میں جبل احد سے بھی زیادہ ہوگا۔ (طبقات جلد ۳ صفحہ ۱۰۰)

## آپ کا سادہ وسفید لباس:

آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت نفیع بیان فرماتے ہیں:

**کان عبداللّٰہ ابن مسعود من اجود الناس ثوبا ابیض و من اطیب الناس ریحا. (طبقات)**

آپ لباس کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے بہترین تھے اور عمدہ خوشبو لگانے کے اعتبار سے بھی۔

یعنی لباس انتہائی سادہ لیکن نہایت ہی صاف ستھرا رکھتے اور عموماً سفید کپڑے پہنتے اور اعلیٰ قسم کی خوشبو استعمال فرماتے چنانچہ روایت میں ہے کہ کوئی شخص اگر آپ سے متعارف نہ ہوتا تو خوشبو سے آپ کو پہچان لیتا کہ یہی عبداللہ بن مسعود ہیں جو اعلیٰ قسم کی خوشبو کو استعمال کرنے میں معروف ہیں **کان عبداللّٰہ یعرف بالیل بریح**



**الطیب. حضرت طلحہ** رضی اللہ عنہ۔ (طبقات جلد ۳ صفحہ ۱۵۷)

## حضور علیہ السلام اطاعت کا جذبہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جمعہ کا خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے لوگوں کو فرمایا ''بیٹھ جاؤ'' اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد کے دروازے پر تھے آپ وہیں بیٹھ گئے جس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا: **تعال یا عبداللّٰہ بن مسعود.** اے عبداللہ ابن مسعود تو آگے آجا۔

(رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۲۴)

## حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں آپ کی خصوصی خدمات:

حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود (آپ کے صاحبزادے) رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

**کان عبداللّٰہ یلبس رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نعلیہ ثم یمشی امامہ بالعصا حتی اذا اتی مجلسہ نزع نعلیہ فادخلھما فی ذراعیہ فاعطاہ العصا فاذا اراد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یقوم البسہ نعلیہ ثم مشی بالعصا امامہ حتی یدخل الحجرۃ قبل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم.** (الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۵۳)

(آپ کی خصوصی خدمات میں سے یہ عمل بھی تھا کہ) آپ حضور علیہ السلام کو نعلین شریفین پہناتے۔ پھر عصا لے کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آگے آگے چلتے اور جب حضور مجلس میں پہنچ جاتے اور نعلین پاک اتار دیتے تو عبداللہ بن مسعود آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعلین پاک لے کر بغل میں دبا لیتے (یا سینے سے لگا لیتے) اور جب سرکار مجلس سے اُٹھتے تو آپ کو نعلین شریفین پہناتے پھر عصا لے کر آگے آگے چلتے یہاں تک کہ آپ کو حجرہ مبارکہ میں چھوڑ کر آتے اور پہلے خود داخل ہوتے (تاکہ ہر قسم کی اشیاء سے حضور علیہ السلام کا دفاع ہو سکے)

ابوالملیح کہتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام سو جاتے تو نماز کیلئے آپ (ﷺ) کو جگانے کی خدمت بھی حضرت عبداللہ بن مسعود ہی کے سپرد تھی اور جب حضور علیہ السلام سفر میں اکیلے رہ جاتے تو ہتھیاروں کے ساتھ مسلح ہو کر حضرت ابن مسعود ؓ ہی حضور علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھے۔ (ابن مسعود اور ان کی فقہ)

مسلم شریف کی ایک اور روایت ہے جس سے آپ ﷺ سے آپ ؓ کے تقرب کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذنک علیّ اُن ترفع الحجاب وان تستمع سِوادی حتّٰی انھاک. (مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۱۷۶)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ (حجرہ کا) پردہ اٹھاؤ اور میری راز کی باتیں سنو جب تک کہ میں تمہیں منع نہ کردوں''۔

حضرت ابن مسعود ؓ کی ان خدمات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ؓ حضور ﷺ کے خادم خاص تھے۔ اسی لئے آپ ؓ کو حضور ﷺ نے اس بات کی اجازت دے دی تھی، کہ میرے رازوں اور خاص خاص پوشیدہ باتوں کو تم پردہ اٹھا کر سن سکتے ہو جب تک کہ میں منع نہ کروں، انہی وجوہ کے پیشِ نظر آپ کو صاحبِ اسرارِ رسول اللہ ﷺ (یعنی رسول اللہ ﷺ کا رازدار) بھی کہا جاتا ہے۔

اسی وجہ سے بعض حضرات جو نئے نئے مسلمان ہوئے تو جب وہ آپ کو اس قدر حضور ﷺ کی خدمت کیلئے اندر باہر آتے جاتے دیکھتے تو وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ کو آنحضرت ﷺ کے اہلِ بیت میں سے سمجھنے لگتے جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ جب میں اپنے بھائی کے ہمراہ یمن سے مدینہ آیا تو شروع شروع میں میں یہی سمجھا کہ ابن مسعود ؓ اہل بیت میں سے ہیں کیونکہ ابنِ مسعود اور ابنِ مسعود کی والدہ کو حضور ﷺ کے پاس اندر آتے جاتے دیکھ کر یہ شبہ ہوا کہ آپ اہلِ بیت میں سے ہیں''۔



## غزوات میں شرکت:

اسلام کے فرائض اور اعمال میں جہاد کا مقام کسی مسلمان سے مخفی نہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود اگرچہ جسمانی طور پر کمزور اور نحیف الجثہ تھے۔ لیکن ہر جنگ اور ہر غزوہ میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے اور اس کارِ عظیم میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ غزوہ بدر کے حالات کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''میں جنگِ (بدر) میں کسی صف میں کھڑا تھا اچانک میری دائیں اور بائیں نظر پڑی تو میں نے دیکھا کہ عفراء کے دو بیٹے معاذ اور معوذ میرے دائیں بائیں کھڑے ہیں اور یہ کم عمر لڑکے نظر آتے تھے۔ ان دونوں میں سے کسی نے مجھ سے کہا: ''چچا! کیا آپ ابوجہل ابن ہشام کو جانتے ہیں؟'' تو میں نے کہا: ''ہاں! میں جانتا ہوں''۔ لیکن میرے بھتیجو! تمہیں اس کی کیا ضرورت پڑ گئی؟'' انہوں نے کہا: ''ہمیں پتہ چلا ہے کہ وہ (یعنی ابوجہل) رسول اللہ ﷺ کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ پس خدا کی قسم اگر میں ابوجہل کو دیکھوں گا تو اسے قتل کر دوں گا۔ چاہے بعد میں خود ہی مر جاؤں''۔ اسی طرح دوسرے لڑکے نے بھی مجھ سے یہی کہا اور ابوجہل کے بارے میں سوال کیا، اچانک میری نظر ابوجہل پر پڑی تو میں نے کہا: ''یہی ہے وہ ابوجہل جسے تم مارنا چاہتے ہو''۔ وہ دونوں جلدی جلدی تلوار لے کر بھاگے اور اس کو تلوار سے مارا یہاں تک کہ وہ گر گیا'' یہ دونوں بچے عفرا کے بیٹے تھے۔

جب جنگ ختم ہوگئی تو حضور ﷺ نے فرمایا: کون شخص ہے جو ابوجہل کی خبر لائے؟'' حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ فوراً ابوجہل کو دیکھنے چل دیئے یہاں تک کہ اس کو زمین پر گرا ہوا دیکھا، حضرت ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ ''میں نے دیکھا کہ اس کے اندر زندگی کی آخری رمق باقی تھی تو میں نے اس کی داڑھی پکڑی اور کہا کہ ''تم ہی ہو نا ابوجہل؟'' اور میں نے اپنے پیر اس کی گردن پر رکھ دیئے۔ عبداللہ ابن مسعود ؓ

Scanned with CamScanner

فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مکہ میں اُس نے مجھے پکڑ کر خوب گھونسے مارے تھے، پھر میں نے اس سے کہا کہ ’’اللہ تعالیٰ نے تجھے رسوا کر دیا‘‘ کہنے لگا: میں کیوں رسوا ہوا؟ کیا قوم نے کبھی مجھ سے بڑا آدمی قتل کیا ہے؟ عبداللہ ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور میں اس کے سر کو حضور ﷺ کے پاس لے کر آیا اور عرض کیا کہ یہ دشمنِ خدا ابوجہل کا سر ہے۔ آپ ﷺ نے حیران ہو کر فرمایا: ’’اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں؟ (یعنی کیا واقعی تو نے اس کا سر کاٹا ہے)‘‘۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ نے قسم کھا کر ابوجہل کے قتل ہونے کا یقین دلایا۔

پھر حضور ﷺ نے ابنِ مسعود ؓ کا ہاتھ تھاما اور اس طرف چل دیئے جہاں ابوجہل کو قتل کیا گیا تھا۔ جب اس جگہ پہنچے تو حضور ﷺ اس کی (ابوجہل کی) لاش کے پاس کھڑے ہوئے اور تین مرتبہ یہ کلمات ادا کئے: ’’الحمد للہ الذی أعز الاسلام واھلہ‘‘. یعنی میں اللہ ﷻ کی حمد کرتا ہوں جس نے اسلام اور اہلِ اسلام کو عزت بخشی۔ (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۹۵)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابن مسعود ؓ کے اور بہت سے کارناموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ابوجہل جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور کافروں کا سردار تھا۔ اس کو قتل کرنے کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں ایک روایت مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل نے یہ بھی کہا تھا کہ ’’کاش مجھے کھیتی باڑی کرنے والے کے علاوہ کوئی دوسرا قتل کرتا‘‘۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۳۵۲)

حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ غزوۂ بدر کے علاوہ غزوۂ اُحد، خندق، خیبر نیز فتحِ مکہ وغیرہ میں بھی حضور ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ (طبقات صفحہ ۲۵۶ جلد ۳)

اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ جنگِ یرموک میں بھی شریک ہوئے۔ جو شام کو فتح کرنے کیلئے ۱۵ھ میں لڑی گئی۔ (اسد الغابہ صفحہ ۲۵۲ جلد ۳)



جنگِ اُحد میں آنحضرت ﷺ کے انتقال کی غلط خبر پھیلنے سے مایوسی کے نتیجے میں جو افراتفری پھیل گئی تھی، اس وقت بھی حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ ثابت قدم رہے اور آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے۔ (زوائد ابن حبان)

غزوۂ حنین میں جب مسلمانوں میں بھگدڑ مچی تو سوائے حضور ﷺ کے اور اسی (۸۰) صحابہ کے بقیہ دس ہزار کی جماعت پیچھے ہٹ گئی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ ان اسی (۸۰) صحابہ میں سے تھے۔ جو حضور ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم تقریباً اسی (۸۰) قدم پیچھے ہٹے ہوں گے پھر ہم اپنی جگہ ثابت قدم ہو گئے اور دیوانہ وار لڑنے لگے۔ حضور اکرم ﷺ ایک بغلہ (خچر) پر سوار تھے۔ وہ آپ کو لے کر چل رہا تھا کہ حضور ﷺ زمین کی طرف جھکے تو میں نے سبب دریافت کیا تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ’’مجھے ایک مٹھی خاک اٹھا کر دے دو‘‘۔ میں نے اٹھا کر دے دی۔ حضور ﷺ نے وہ مٹی کفار کی طرف پھینک دی اور ان کی آنکھیں مٹی سے بھر گئیں۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ’’مہاجرین اور انصار کہاں ہیں؟‘‘ میں نے اشارہ سے بتایا کہ وہ وہاں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کو پکارو، میں نے ان کو زور سے پکارا تو وہ ہاتھ میں تلواریں لئے ہوئے آگئے اور وہ یکایک مشرکین پر ایسے ٹوٹ پڑے کہ مشرکین پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے، ان کی تلواریں ایسی چمک رہی تھیں جیسے بادل میں بجلی چمکتی ہے۔ اس موقع پر مشرکین بھاگ اٹھے اور ان کی فتح شکست میں بدل گئی۔ (مسند احمد صفحہ ۱۵۹ جلد ۶)

غزوۂ حنین سے قبل حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ صلح حدیبیہ میں بھی شریک رہے، آپ ؓ اس کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ جب ہم حدیبیہ سے واپس آ رہے تھے تو ایک رات حضور اکرم ﷺ نے ایک ریتلی زمین پر پڑاؤ ڈالا، چونکہ سب تھکے ہوئے تھے اس لئے جب سونے لگے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ’’فجر تک ہمارے لئے کون پہرے داری کرے گا؟ اور ہمیں فجر کے وقت کون بیدار کرے گا؟‘‘ حضرت

Scanned with CamScanner

بلال ؓ نے عرض کیا کہ میں آپ کو بیدار کروں گا۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کہیں تم سونہ جاؤ چنانچہ حضرت بلال نے پہرہ داری کی"۔

یہاں تک کہ سارا قافلہ سو گیا چونکہ حضرت بلال ؓ بھی تھکے ہوئے تھے اس لئے ان کی بھی آنکھ لگ گئی۔ یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو گیا۔ اس وقت سب لوگ بیدار ہو گئے اور حضور ﷺ بھی بیدار ہوئے اس لئے اب حضور ﷺ نے باجماعت نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ ہم نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی۔

اسی اثناء میں حضور ﷺ کی ناقہ (اونٹنی) گم ہو گئی۔ تو حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ میں اسے ڈھونڈنے گیا۔ یہاں تک کہ وہ مجھے مل گئی۔ میں اس کو حضور ﷺ کی خدمت میں لایا حضور ﷺ اس پہ خوشی خوشی سوار ہوئے اور قافلہ روانہ ہو گیا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ کے اوپر وحی نازل ہوتی تو وہ وقت آپ ﷺ پر بہت شدید مشقت کا ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کی اس شدت اور مشقت کے سبب ہم یہ سمجھ جایا کرتے تھے کہ آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہو رہا ہے۔

آپ ؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم روانہ ہوئے تو دیکھا کہ حضور ﷺ کی اونٹنی پیچھے رہ گئی ہے اور حضور ﷺ ہم سے الگ اور پیچھے ہو گئے ہیں۔ ورنہ عموماً حضور ﷺ قافلہ کے آگے ہوا کرتے تھے اب حضور ﷺ نے اپنے سر کو کپڑے سے ڈھانپ لیا اور آپ (ﷺ) اس وقت مشقت میں بھی تھے۔ ہم سمجھ گئے کہ آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہو رہا ہے۔ ہم حضور ﷺ کے پاس آئے تو اس وقت تک آپ کی وہ مشقت ختم ہو گئی تھی اور آپ ﷺ نے ہمیں وحی کے نازل ہونے کی خبر دی کہ وحی میں یہ آیت اُتری ہے۔

"اِنَّا فتحنا لک فتحًا مبیناً"۔ (مسند احمد صفحہ ۹۵ جلد ۶)

## عہدۂ قضا پر فائز ہونا:

حضرت فاروق اعظم ؓ کے عہدِ خلافت (۲۰ھ) میں آپ کوفہ کے قاضی مقرر



کئے گئے۔ عہدۂ قضا کے علاوہ خزانہ کی نگرانی اور مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور ولایت کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی آپ کے سپرد تھے"۔ حضرت فاروقِ اعظم ؓ نے جو فرمانِ تقرری آپ کو دیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

اِنی بعثت الیکم عمار بن یاسر امیراً و ابن مسعود معلماً و وزیراً وقد جعلت ابن مسعود علٰی بیتِ مالکم و اِنّھما لمن النجباء من اصحاب محمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم مِن اھلِ بدر، فاسمعوا لھما واطیعوا واقتدوا بھما وقد آثرتکم بابنِ اُمّ عبد علٰی نفسی. (الاستیعاب)

"بے شک میں عمار بن یاسر ؓ کو امیر بنا کر اور ابن مسعود ؓ کو معلّم اور وزیر بنا کر بھیج رہا ہوں اور میں نے ابن مسعود ؓ کو تمہارے بیت المال کا نگران بھی مقرر کیا ہے۔ ان دونوں حضرات کا شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شرفاء اور اہلِ بدر میں ہے۔ لہٰذا تم ان کی بات سنو اور اطاعت کرو اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے تم کو ابن ام عبد (عبداللہ ابن مسعود ؓ) کے معاملے میں خود اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ مجھے خود ان کی ضرورت تھی۔ لیکن میں نے ایثار کر کے انہیں تمہارے پاس بھیجا ہے)۔

حضرت ابنِ مسعود مکمل دس سال تک بڑی خوش اسلوبی اور نہایت مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض کی بجا آوری میں لگے رہے اس دوران خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق ؓ شہید ہوئے اور حضرت عثمان غنی ؓ خلافتِ ثالثہ کی مسند پر تشریف فرما ہوئے۔ انہوں نے بھی حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ کو انہی ذمہ داریوں پر برقرار رکھا جو حضرت عمر ؓ نے ان کے سپرد فرمائی تھیں۔ اگرچہ اس دوران امارتِ کوفہ کے منصب میں عوام کی شکایات و احتجاج پر تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ کا عہدہ قضاء برقرار رہا۔ کیونکہ آپ نے فرائض ایسے حسن و خوبی سے انجام دیئے اور آپ نے ایسے احتیاط اور انصاف سے کام لیا کہ آپ سے کسی کو کوئی شکایت پیدا نہ ہوئی۔

Scanned with CamScanner

## نظامِ حکومت کے استحکام کے راز:

فطری رحم دلی نرمی اور تلطف کے باعث عفو و درگزر و چشم پوشی ان کا مخصوص شیوہ تھا۔ لیکن اس کے ساتھ وہ اس راز سے بھی واقف تھے کہ عدالت میں کسی مجرم پر کوئی جرم ثابت ہو جائے تو اس کے ساتھ نرمی و درگذر سے پیش آنا درحقیقت نظامِ حکومت کے ارکان و اساطین کو متزلزل کر دینا ہے۔ اس بناء پر وہ اثباتِ جرم کے بعد اپنی طبعی نرمی و شفقت کے باوجود قانونِ عدالت کے اجراء میں کبھی دریغ نہ فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے بھتیجے کو شراب پینے کے جُرم میں پیش کیا۔ حضرت عبداللہ ؓ نے تحقیقات کے بعد حد جاری کرنے کا حکم صادر فرما دیا۔ لیکن جب درّے پڑنے لگے تو اس کا دل رحم و شفقت سے بھر آیا اور منت و سماجت کے ساتھ سفارش کرنے لگا، انہوں نے غضبناک ہو کر فرمایا: ''تو نہایت ظالم چچا ہے۔ اس کو حد شرعی کا مستحق ثابت کر کے چھوڑ دینے کی سفارش کرتا ہے جو اَب ممکن نہیں ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے ایک عورت پر حد جاری کی گئی جس نے چوری کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا اور فرمایا: ''کہ تم لوگوں کو اعراض و چشم پوشی سے کام لینا چاہئے۔ کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ خدا تمہیں بخش دے۔

❁ بعض اوقات ایک ہی جرم مجرموں کے اختلاف کی حیثیات کے لحاظ سے ان کو مختلف سزاؤں کا مستوجب قرار دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ اس نکتہ سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے۔ ایک دفعہ ان کو اطلاع دی گئی کہ مسیلمہ کذاب کے متبعین میں سے کچھ لوگ اب تک موجود ہیں جو اس کو رسولِ خدا کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ؓ نے چند سپاہی بھیج کر ان کو گرفتار کرا دیا اور سب کی توبہ قبول کر کے چھوڑ دیا۔ لیکن ان کے سرگروہ ابنِ نواحہ کیلئے قتل کی سزا تجویز کی، لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو بولے: ''کہ ابنِ نوا اور ابنِ اثال دو شخص مسیلمہ کذاب کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی



خدمت میں سفیر بن کر گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اُن سے پوچھا کہ تم مسیلمہ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: ''ہاں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کرا دیتا''۔ اس بناء پر جبکہ وہ اب تک اس باطل عقیدہ سے باز نہیں آیا ہے اور اب سفیر بھی نہیں ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ کی خواہش کا پورا کرنا ضروری تھا۔ (سیر الصحابہ جلد۲ صفحہ ۲۸۱)

❁ اسی طرح آپ کے ذمہ خزانہ کے امور بھی تھے۔ جن کو بھی آپ نہایت انصاف اور ذمہ داری کے ساتھ پورا کر رہے تھے ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ جو اس زمانہ میں امیرِ کوفہ تھے۔ انہوں نے بیت المال سے کچھ قرض لیا اور کسی سبب سے کچھ عرصہ تک اس قرضہ کی ادائیگی نہ کر سکے۔ چونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ خزانہ کے نگران بھی تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے سختی سے مطالبے شروع کئے اور کئی بار تقاضا کیا یہاں تک کہ ایک روز تلخ کلامی کی نوبت آ گئی وہاں پر حضرت سعد ؓ کے ایک بھتیجے بیٹھے تھے انہوں نے کہا کہ ٹھہریئے آپ لوگ تو حضور اکرم ﷺ کے صحابی ہیں اور لوگ آپ کو (اقتداء کیلئے) دیکھتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے اپنے ہاتھ سے چھڑی دور پھینکی اور بد دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے اور اللّٰھم رب السمٰوٰتِ والارض کہہ کر دعا شروع کی، تو فوراً حضرت ابن مسعود ؓ بولے ٹھہریئے، نیک دعا مانگیے؟ اور بد دعا نہ کیجئے، حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ رک گئے اور کہا کہ اگر مجھ میں اللہ تعالیٰ کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمہارے لئے بد دعا ضرور کرتا۔ یہ سُن کر حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ جلدی سے اٹھ کر چلے گئے۔

جب اس بات کی اطلاع حضرت عثمان غنی ؓ کو ہوئی تو آپ نے فوراً حضرت سعد ؓ کو امارتِ کوفہ سے معزول کر دیا۔ لیکن حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ کی قضا وغیرہ کی ذمہ داریاں برقرار رکھیں اور حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی جگہ حضرت عثمان ؓ نے ولید ابن عقبہ کو کوفہ کا امیر (گورنر) مقرر کیا۔ یہ واقعہ ۲۶ھ - جلد ۱ صفحہ ۳۱۱)

اسی طرح آپ کے عہدِ قضا میں ایک ساحر کا مقدمہ پیش ہوا جس کو ولید بن عقبہ نے بھیجا تھا اور کہلوایا تھا کہ اگر یہ ساحر ہے تو اس پر کونسی حد جاری ہوگی؟ حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ نے ولید سے پوچھا کہ ''آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ ساحر ہے؟'' انہوں نے کہا کہ ''لوگوں کا یہ گمان ہے کہ یہ ساحر ہے'' حضرت عبداللہ ؓ نے ان لوگوں کو بلایا جنہوں نے ولید ؓ سے یہ کہا تھا کہ یہ ساحر ہے اور ان سے پوچھا کہ ''آپ لوگوں کو کس طرح پتہ چلا کہ یہ ساحر ہے؟'' وہ لوگ بھی یہ کہنے لگے کہ ''ہمارا گمان ہے کہ یہ ساحر ہے''۔ حضرت ابن مسعود ؓ نے اس ساحر سے پوچھا کہ کیا تم ساحر ہو؟ اس نے کہا کہ ''ہاں'' تو حضرت ابن مسعود ؓ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو سحر کیا ہوتا ہے؟ کہنے لگا ''ہاں'' اور وہ گدھے پر کود کر دم کی طرف سے سوار ہوگیا یہ دکھانے لگا کہ اب وہ اس کے منہ اور پشت سے نکلے گا۔ جب یہ حضرت ابن مسعود ؓ نے دیکھا تو اس کے قتل کا حکم فرمایا۔ یہ سن کر ولید مسجد کی طرف گئے اور یہ اعلان کروایا کہ ایک ساحر میرے پاس آیا ہے اور وہ جادو کے تماشے دکھا رہا ہے یہ سن کر لوگ ولید کے پاس جمع ہونا شروع ہوگئے۔ اسی اثناء میں ایک جندب نامی شخص دوڑا آیا اور اس نے کہا کہ وہ ساحر کہاں ہے؟ اچانک اس کی نظر اس ساحر پر پڑ گئی اور وہ بھاگ کر اس کے پاس گیا اور اس کو قتل کر دیا، چونکہ یہ حکومت کے معاملات میں مداخلتِ بیجا تھی۔ اس لئے حضرت ابن مسعود ؓ نے اس کو قید کر لیا، اور دربارِ خلافت میں حضرت عثمانِ غنی ؓ کے پاس خط بھیجا اور اس مسئلہ میں مشورہ طلب کیا تو حضرت عثمان ؓ نے جواب بھیجا کہ معمولی تنبیہ و تعزیر کے بعد اس کو چھوڑ دو اور لوگوں کو سمجھاؤ کہ پھر آئندہ اس قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے۔ حضرت عبداللہ ؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اہلِ کوفہ کو جمع کر کے فرمایا: صاحبو! صرف شک و شبہ پر کوئی کام مت کرو اور یہ مت کرو کہ عدالت اپنے ہاتھ میں لے کر خود حدود قائم کرنے لگو، ہم خود خطا کار کو قید کریں گے اور سزا دیں فرض ہے تمہیں اس میں مداخلتِ بیجا کی ضرورت نہیں۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ۳۲۸)



## عہدۂ قضا سے معزولی:

حضرت عثمان غنی ؓ کے آخیر عہدِ حکومت میں جب مختلف سازشوں کا بازار گرم ہوا تو ان سازشوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ کو بھی زیادہ دنوں تک اپنے عہدے پر برقرار نہ رہنے دیا اور آپ بھی یکا یک معزول کر دیئے گئے۔ معزولی کی خبر نے کوفہ کی علمی دنیا کو ماتم کدہ بنا دیا، احباب، معتقدین، تلامذہ اعیانِ شہر کی ایک بڑی جماعت نے مجتمع ہو کر اس فرمان عزل کی سخت مخالفت اور ناراضگی ظاہر کی اور حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ سے مُصر ہوئے کہ آپ کوفہ سے تشریف نہ لے جائیں اور اگر اس کی پاداش میں آپ کو کوئی مصیبت پہنچے گی تو ہم سب اس کو روکیں گے، عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میرے اوپر امیر کی اطاعت فرض ہے اور اگر بالفرض میں امیر کی اطاعت نہ کروں تو ہوسکتا ہے کہ صرف میری وجہ سے کوئی فتنہ و فساد برپا ہو اور میں صرف مسلمانوں کے درمیان فتنہ کا سبب بن جاؤں اور اس کی ابتداء میری طرف سے ہو...... غرض یہ کہ وہ عمرہ کی نیت کر کے ایک جماعت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہوگئے۔ (الاصابہ)

## حضرت ابوذر غفاری ؓ کی تدفین میں شرکت:

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ جب حجاز تشریف لا رہے تھے تو مدینہ منورہ کے راستے میں ربذہ کے مقام پہ حضرت ابوذر غفاری ؓ کا وصال ہوا اور آپ نے ان کی تدفین فرمائی۔ (حضرت ابوذر غفاری ؓ کے وصال کا مفصل واقعہ ان کے حالات میں ملاحظہ فرمائیں)

حضرت ابن مسعود ؓ ہی اس قافلے کے میرِ کارواں تھے جس نے حضرت ابوذر غفاری ؓ کی تدفین کی اور یہ قافلہ کوفہ سے مکہ جا رہا تھا جب ان کو حضرت ابوذر کی وفات کا علم ہوا تو حضرت ابن مسعود حضرت ابوذر کی نعش کے ساتھ لپٹ کر رونے

Scanned with CamScanner

لگے اور زبان سے کہنے لگے: صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یموت وحدہ ویبعث وحدہ.

حضور ﷺ نے سچ فرمایا تھا کہ ابوذر اکیلے ہی فوت ہوں گے اور میدانِ محشر میں اکیلے ہی اٹھائے جائیں گے۔

پھر آپ نے ان کو غسل دیا، کفن پہنایا اور نماز جنازہ پڑھا کر وہیں دفن کر دیا، اور جب یہ قافلہ روانہ ہونے لگا تو حضرت ابوذر کی بیٹی نے کہا: میرے باپ نے مجھے وفات سے پہلے فرمایا تھا کہ جو قافلہ میری تجہیز وتکفین کرے گا اس کو میرا اسلام کہنا اور ان کو قسم دینا کہ کھانا کھائے بغیر نہ جائیں چنانچہ قافلے والوں نے ایسا ہی کیا اور پھر مکہ مکرمہ جا کر حضرت عثمان غنی کو سارے واقعہ کی اطلاع دی، چونکہ حضرت ابوذر کی بیٹی ربذہ میں اکیلی ہی رہ گئی تھی اس لئے اس کو بھی مکہ میں قافلے والے اپنے ساتھ ہی لے آئے اور اس کے خاندان کے ساتھ ملا دیا، ازاں بعد حضرت ابن مسعود ؓ نے عمرہ ادا کیا اور عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ شریف چلے گئے اور یہ قافلہ صرف آپ کو مدینہ چھوڑنے آیا تھا چنانچہ ان کو وہاں چھوڑ کر قافلہ واپس کوفہ میں آ گیا۔ (الطبری جلد ۳ صفحہ ۳۵۴)

## بیماری اور وصال:

۳۲ھ میں جب آپ کی عمر مبارک ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی، ایک دن ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا: اللہ مجھے آپ کی زیارت سے محروم نہ فرمائے، رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ حضور علیہ السلام منبر پر جلوہ گر ہیں اور آپ حضور علیہ السلام کے سامنے حاضر ہیں اور حضور فرما رہے ہیں اے ابنِ مسعود! میرے بعد تمہیں تکلیف دی گئی ہے آؤ میرے پاس چلے آؤ، حضرت ابنِ مسعود نے اس شخص کو قسم دے کر پوچھا کہ واقعی تو نے خواب دیکھا ہے اس نے ہاں میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: تم میرے جنازہ میں ضرور شریک ہونا اور اس کے بعد ہی مدینے سے کہیں جانا۔



اس خواب کے چند دن بعد ہی آپ بیمار ہو گئے اور اتنے شدید کہ لوگ آپ کی زندگی سے مایوس ہو گئے حضرت عثمان غنی ؓ عیادت کیلئے تشریف لائے تو دونوں میں اس طرح گفتگو ہوئی:

حضرت عثمان نے پوچھا: ''آپ کو کیا مرض ہے؟''

حضرت عبداللہ عرض کرتے ہیں: ''اپنے گناہوں کا مرض ہے''۔

حضرت عثمان بولے: ''کیا خواہش ہے؟''

ابن مسعود نے کہا: ''خدا کی رحمت کی''۔

''کیا آپ کیلئے طبیب بلاؤں؟'' حضرت عثمان ؓ نے پوچھا۔

''مجھے طبیب نے ہی تو بیمار کیا ہے''۔ ابن مسعود نے جواب دیا۔

حضرت عثمان نے وظیفے کے بارے میں فرمایا کہ جاری کر دوں؟ تو ابن مسعود نے عرض کیا: ''مجھے اس کی ضرورت نہیں''۔

حضرت عثمان ؓ نے کہا: ''آپ کی بچیوں کے کام آئے گا''۔

ابن مسعود نے کہا: ''کیا آپ کو میری بچیوں کے محتاج ہونے کا خطرہ ہے؟ حالانکہ میں نے انہیں کہا ہوا ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ کر سویا کریں جس کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا: جو ہر رات سورۃ واقعہ پڑھ کے سویا کرے گا وہ کبھی فاقہ میں مبتلا نہ ہوگا''۔ (اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۳۵۷)

اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان دونوں بزرگوں کے درمیان اس وقت بھی کوئی رنجش تھی کیونکہ روایات میں ہے کہ جو کوئی رنجش تھی بھی وہ وفات سے پہلے ختم ہو گئی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۶۰)

آپ کی نماز جنازہ بھی حضرت عثمان غنی ؓ نے پڑھائی اور آپ کو حضرت عثمان بن مظعون ؓ کے برابر جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ (طبقات)

آپ کے دو بیٹے تھے۔ (۱) عبدالرحمٰن۔ (۲) ابوعبیدہ۔ آپ کی بیٹیاں بھی

تھیں۔ آپ کی بیوی کا نام زینب ثقفی تھا، آپ کے ایک پوتے کا نام قاسم بن عبدالرحمٰن تھا۔

## آپ سے کن لوگوں نے روایات لیں؟:

صحابہ کرام میں سے حضرت ابوموسیٰ، ابورافع، ابوشریح، ابوسعید، جابر بن عبداللہ، انس بن مالک، ابوجحیفہ، ابوامامہ، ابوطفیل، ابوہریرہ، ابن عباس، ابن عمر اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ سے روایات لیں۔

تابعین میں سے حضرت علقمہ، ابوالاسود، مسروق ربیع بن خیثم، شریح القاضی، ابووائل، زید بن وہب ابن حبیش، ابوعمرو الشیبانی، عبیدہ بن عمرو السلمانی، عمرو بن میمون، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، ابوعثمان النہدی، حارث بن سوید اور ربعی بن حراش وغیرھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آپ سے روایات لیں۔

اور آپ کے خاندان کے افراد میں سے عبدالرحمٰن ابوعبیدہ (آپ کے بیٹے) عبداللہ بن عتبہ (آپ کے بھتیجے) عتبہ بن مسعود (آپ کے بھائی) اور زینب ثقفیہ (آپ کی بیوی) نے آپ سے روایات لیں اور آگے بیان کیں۔ (الاصابہ جلد۲ صفحہ ۳۶۹)

## فضائل ومناقب ابن مسعود رضی اللہ عنہ:

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے طور وطریق، ہیئت اور سیرت کے اعتبار سے بہت مشابہت رکھتے تھے اسی طرح حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص تھے۔ وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بہت مشابہ تھے۔

(طبقات ابن سعد جلد۳ صفحہ ۱۵۴)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے جامع ترمذی میں بھی اسی مفہوم کے الفاظ آپ کی فضیلت میں مروی ہیں: ان اشبہ الناس دلا وسمتا وھدیا برسول اللہ صلی



اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ. (صفحہ ۲۲۲ جلد ۲)

حضرت ثُویر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ میں جب سے اسلام لایا ہوں اس وقت سے کبھی چاشت کے وقت نہیں سویا۔

حضرت زر بن حبیش جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی احادیث کے رواۃ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ عموماً پیر اور جمعرات کو روزہ رکھا کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن ابن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی فقیہ کو عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کم روزہ رکھتے نہیں دیکھا، ان سے کسی نے کہا کہ آپ روزہ کیوں نہیں رکھتے؟ فرمایا کہ میں عموماً نماز کو اختیار کرتا ہوں بنسبت روزہ کے، کیونکہ میں جب روزہ رکھتا ہوں تو نماز سے ضعف ہو جاتا ہے۔ (طبقات)

حضرت یزید بن وہب فرماتے ہیں کہ میں کچھ لوگوں کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ اچانک ایک نحیف اور دبلے پتلے سے آدمی آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو دیکھتے رہے اور پھر **لا الٰہ الا اللّٰہ** پڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ ایسا برتن ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے یہ ایسا برتن ہے الخ۔ (یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا) جب ہم نے غور سے دیکھا تو وہ عبداللہ ابن مسعود تھے۔

(کنیف ملئی علما۔ طبقات، مستدرک للحاکم صفحہ ۳۱۸ جلد ۳)

ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ تشریف لائے (ان دنوں حضرت عبداللہ کوفہ میں تھے) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے کچھ دوست آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بغرضِ امتحان حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق ان سے کچھ استفسار کیا۔ انہوں نے تعریف کی اور کہا کہ ہم نے کسی شخص کو ان سے زیادہ اچھے اخلاق والا، معلّم اور بہترین ساتھی نہیں دیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی وہی بات ان کی تعریف میں کہوں گا جو آپ لوگوں نے کہی یا اس سے زیادہ تعریف کروں گا،

کیونکہ انہوں نے قرآن مجید پڑھا اور اس کے حلال کو حلال کیا اور حرام کو حرام۔ دین میں آپ بہت بڑے فقیہ بھی ہیں اور سنتِ نبوی ﷺ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے عالم بھی ہیں۔ (طبقات)

## روایتِ حدیث میں احتیاط:

آپ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی احادیث کو بیان کرتے ہوئے اس قدر احتیاط کرتے تھے کہ کبھی "قال رسول اللّٰہ" یا "سمعت رسول اللّٰہ". (یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا) نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ "عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" کر کے بیان فرماتے یعنی اس حدیث کی روایت حضور ﷺ سے ہے۔ حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ غلطی سے ان کے منہ سے "قال رسول اللّٰہ" نکل گیا، تو اس خوف سے کہ کہیں اس قول کی نسبت حضور ﷺ کی طرف غلط نہ ہو جائے فوراً گھبرا گئے اور جس عصاء پر آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے وہ متزلزل ہو گیا اور آپ کانپنے لگے، اور ایک روایت میں ہے کہ فوراً آپ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرمایا "او نحو ذا او شبہ ذا" یعنی حضور ﷺ نے یا تو یہ بات کہی ہے یا اس سے ملتی جلتی کوئی اور بات کہی ہے۔ (طبقات)

اسی احتیاط کی بنا پر حضور علیہ السلام نے آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

تمسکو بعہد ابن ام عبد.

ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے عہد کو لازم پکڑو۔

مرقاۃ میں ہے کہ اس لئے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کی روایت وقول کو خلفائے اربعہ کے بعد تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اقوال پر ترجیح دیتے تھے۔

حضرت ابن عمر اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم جیسے جید صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقاہت جلیلہ تک رسائی حاصل نہیں۔

(فتاوٰی رضویہ قدیم صفحہ ۲۱۴ جلد ۲ جدید صفحہ ۲۹۲ جلد ۵)



## اندازِ خطابت:

آپ رضی اللہ عنہ کا اندازِ خطابت اس قدر دل نشین تھا کہ کسی شخص کا دل اچاٹ نہ ہوتا بلکہ جب آپ خاموش ہوتے تو سب کا یہ جی چاہتا کہ آپ اور زیادہ بیان کریں۔

حضرت عبداللہ ابن مرداس فرماتے ہیں کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو خطاب کیا کرتے تھے اور خطاب کے دوران جب آپ خاموش ہوتے تو ہماری خواہش ہوتی کہ آپ اور زیادہ تقریر فرمائیں۔ (طبقات)

ایک دن حضرت نبی ﷺ نے کچھ دیر خطاب کیا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خطاب کیلئے کہا گیا۔ وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی تھوری دیر یعنی حضور ﷺ سے کم خطاب کیا۔ پھر حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اب تم خطاب کرو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی تھوری دیر تقریر کی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے کسی اور کو حکم دیا کہ تم تقریر کرو۔ پھر ان کو خاموش کرا کے حضور علیہ السلام نے حضرت ابنِ مسعود کو تقریر کرنے کیلئے فرمایا۔ آپ کھڑے ہوئے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی، پھر فرمایا:

"یا ایہا الناس اِن اللّٰہ عزوجل ربنا وان الاسلام دیننا و اِن القرآن امامنا والبیت قبلتنا وان ہذا نبینا.

و أو ما الی النبی (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) رضینا مارضی اللّٰہ لنا ورسولہ وکرہنا ماکرہ اللّٰہ ورسولہ والسلام علیکم".

"اے لوگو! بے شک اللہ عزوجل ہمارا رب ہے اور اسلام ہمارا دین ہے اور قرآن ہمارا امام ہے اور بیت اللہ ہمارا قبلہ ہے۔ (اور حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) یہ ہمارے نبی ہیں، ہم اس سے راضی ہیں جس پر ہمارا اللہ اور ان کا رسول راضی ہو اور ہمارے نزدیک وہ چیز بری ہے جو ہمارے اللہ اور رسول ﷺ کے نزدیک بری ہے۔ والسلام علیکم"۔

حضور ﷺ نے ان کی تقریر سُن کر فرمایا کہ ابنِ مسعود ؓ نے ٹھیک کہا اور فرمایا:

"رضيت بما رضى الله لأمتى وابن أم عبد وكرهت كره الله لأمتى وابن أم عبد".

"میں اس بات سے راضی ہوں جو اللہ نے میری اُمت اور ابن ام عبد (عبداللہ ابن مسعود ؓ) کیلئے پسند کی ہو اور اس بات سے ناراض ہوں جو اللہ نے میری اُمت اور ابن ام عبد کیلئے ناپسند کی ہو"۔

حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ ہر جمعرات کو وعظ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! (یعنی اے عبدالرحمٰن کے والد، یہ بھی آپ کی کنیت ہے) اگر آپ روزانہ وعظ و تذکیر کیا کریں تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔ حضرت ابن مسعود ؓ نے فرمایا کہ مجھے روزانہ وعظ کہنے سے صرف یہ بات روکتی ہے کہ کہیں تم لوگ اُکتا نہ جاؤ اور میں تمہارے لئے وعظ کا موقع تلاش کرتا ہوں جس طرح آنحضرت ﷺ ہمیں وعظ کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں رہتے اس ڈر سے کہ کہیں ہم لوگ حضور ﷺ کے وعظ و تذکیر سے اُکتا نہ جائیں۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲ جلد ۱، بخاری و مسلم)

## آہ وزاری:

حضرت زید بن وہب ؓ فرماتے ہیں کہ آپ اتنا زیادہ روتے تھے کہ میں نے آپ کی آنکھوں میں رونے کے سبب دو کالے کالے نشان دیکھے۔

(اعلام النبلاء صفحہ ۴۹۵ جلد ۱)

## عمر فاروق کی نگاہ میں:

ایک دفعہ حضرت ابن مسعود ؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ جس نے ازار (تہبند) ٹخنوں سے نیچے باندھا ہوا تھا تو آپ نے اس کو تادیباً کہا کہ ازار اوپر کرلو، اس کے



جواب میں اس نے کہا کہ تم بھی تو ازار اوپر چڑھالو، بولے میری ٹانگیں دُبلی ہیں اور میں امامت کرتا ہوں (تو نظر آتی ہیں) یہ بات حضرت عمر ؓ کو معلوم ہوئی تو فوراً اس شخص کو درے مارے اور فرمایا کہ کیا تو ابنِ مسعود ؓ کی تردید کرتا ہے۔ (ایضاً صفحہ ۴۹۲)

## حضرت ابن مسعود ؓ کا صحیفۂ خاص:

علامہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ جلد نمبر ۱ صفحہ ۷۲ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن ایک کتاب نکال کر لائے اور قسم کھا کر کہا کہ یہ خود حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ میں جو حضرات اہلِ فتویٰ تھے وہ یہ ہیں، عمر ؓ، علی ؓ، ابن مسعود ؓ، زید بن ثابت ؓ، ابی بن کعب ؓ، ابوموسیٰ اشعری ؓ۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابنِ مسعود ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "قرآن شریف کی اس آیت کا مصداق ہم اٹھارہ اشخاص تھے۔ "الذين استجابو الله والرسول". (طبقات)

ایک دفعہ حضرت عمر فاروق ؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جو اپنی یادداشت سے قرآن کریم کے نسخے لکھواتا ہے۔ یہ سُن کر حضرت عمر ؓ گھبرا گئے اور بہت غصے ہوئے پوچھا وہ کون ہے؟ اس شخص نے بتایا کہ عبداللہ ابن مسعود ؓ۔ یہ سُن کر حضرت عمر ؓ مطمئن ہوئے اور فرمایا کہ میں اس کام کیلئے اس شخص سے زیادہ مستحق کسی کو نہیں سمجھتا۔ (سیر اعلام النبلاء)

حضرت ابن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ جب ہم نماز میں بیٹھتے (یعنی جلسہ کرتے) تو یہ پڑھا کرتے تھے:

"السَّلامُ عَلى اللّٰهِ قَبْلَ عِبادِهِ السلامُ على جِبرئيل السَّلامُ عَلى

مِیکائیل السلامُ علی فُلان السَّلامُ عَلی فُلان"۔

ایک دفعہ حضور ﷺ نے سُن لیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو خود سلام ہے (یعنی اللہ کی ایک صفت سلام ہے جس کے معنی سلامتی کے ہیں جب اللہ تعالیٰ خود ہی ہمیشہ سلامتی والا ہے تو اس پر سلامتی بھیجنا کیسے درست ہوگا؟) اس لئے فرمایا کہ نماز میں جلسہ کے وقت یہ دعا پڑھا کرو:

"اَلتَّحیَاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلوٰتُ وَالطیبَاتُ السَّلامُ عَلَیکَ اَیُّھا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ السَّلامُ عَلَینا وَعَلٰی عِبادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْن"۔

جب بندہ یہاں تک پڑھے گا تو تمام اللہ کے بندوں کیلئے چاہے وہ زمین میں ہوں یا آسمان میں سلامتی کی دعا ہوگئی، اس کے بعد یہ پڑھو:

"اشھد أن لا الہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمّداً عبدہٗ ورسولُہٗ"۔

اس کے بعد بندہ کو اختیار ہوگا جو دعا مانگنا چاہے مانگ لے۔

(مسند احمد صفحہ ۳۶۲۲ جلد د)

## حضرت عبداللہ ابنِ مسعود ؓ کی قرأت:

حضور اکرم ﷺ سال میں ایک سال پورا قرآن شریف جبرائیل امین ؑ کو سُناتے تھے لیکن جس سال حضور ؑ کی وفات ہوئی اس سال حضور ﷺ نے جبرائیل امین کو دومرتبہ قرآن مجید سُنایا تھا اور حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ کی قرأت وہی سب سے آخری قرأت ہے جو حضور اکرم ﷺ نے جبرائیل امین کو سُنائی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ نے فرمایا کہ "میں نے حضور ﷺ سے ستر سے کچھ زیادہ سورتیں پڑھی ہیں اور خدا کی قسم حضور ﷺ کے صحابہ اس بات کو جانتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ان صحابہ میں سے ہوں جو سب سے زیادہ قرآن کریم کے عالم ہیں اگرچہ میں ان سے بہتر نہیں ہوں"۔ حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی مجلس میں



میں بھی بیٹھا تھا اور میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ حضرت عبداللہ ابنِ مسعود ؓ کے اس قول کے جواب میں لوگ کیا کہیں گے لیکن میں نے آپ کی بات کے ردّ میں کسی کو کچھ کہتے نہیں پایا۔ (فتح الباری حدیث نمبر ۵۰۰۰)

اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

"خُذوا القرآن من اربع مِن عبداللہ ابن مسعود و سالم و معاذ و ابی بن کعب"۔

"قرآن کریم کی تعلیم چار آدمیوں سے حاصل کرو، عبداللہ ابنِ مسعود، سالم ابن معقل، معاذ ابنِ جبل اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہم سے"۔ (ایضاً حدیث نمبر ۴۹۹۹)

حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حمص میں تھے۔ حضرت عبداللہ ابنِ مسعود ؓ نے سورۂ یوسف کی تلاوت کی تو ایک آدمی نے کہا کہ یہ اس طرح نازل نہیں ہوئی۔ اس پر حضرت ابنِ مسعود ؓ نے فرمایا کہ "میں سورۂ یوسف حضور ؑ کو سُنا بھی چکا ہوں اور اسی طرح سُنائی تھی"۔ وہ بولا کہ پھر ٹھیک ہے اس وقت حضرت ابنِ مسعود ؓ کو اس کے منہ سے شراب کی بو محسوس ہوئی اور آپ نے سمجھ لیا کہ اس نے یہ بات نشہ میں کہی ہے چنانچہ آپ نے اس کو پکڑا اور کہا کہ "شراب پی کر نشہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کو جھٹلاتا ہے"۔ اور اس پر شراب کی حد نافذ کی۔

حضرت مسروق سے مروی ہے کہ عبداللہ ابن مسعود ؓ نے فرمایا کہ "اس خدا کی قسم کہ جس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں کوئی سورت ایسی نہیں کہ جس کے بارے میں، میں نہ جانتا ہوں کہ وہ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ اور کہاں نازل ہوئی؟ اور اگر مجھے یہ پتہ چل جائے کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ قرآن کا عالم ہے اور اس شخص تک میری سواری پہنچ سکتی ہو تو میں فوراً اس سواری پر سوار ہو کر روانہ ہو جاؤں۔

حضرت ابنِ مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے سامنے قرآن مجید پڑھو، میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں آپ ﷺ کے

سامنے کیسے پڑھوں؟ حالانکہ قران آپ ہی پر نازل ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں میں یہ چاہتا ہوں کہ میں اس وقت اپنے علاوہ کسی دوسرے سے قرآن سُنوں۔ اس پر آپ ؓ نے سورۂ نساء پڑھنا شروع کی۔ آپ ؓ فرماتے ہیں کہ میں پڑھتا رہا یہاں تک کہ میں اس آیت پر پہنچا:

"فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید وجئنا بک علی هئولاء شهیداً". (الآیۃ)

تو میں نے دیکھا کہ سرورِ کونین ﷺ کے رُخسار مبارک پر آنسو ٹپک رہے تھے۔

(مسند احمد جلد ۲ حدیث نمبر ۴۱۱۸)

حضرت زر بن حبیش ؓ حضرت ابنِ مسعود ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لا رہے تھے اور آپ ﷺ کے دونوں جانب حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اور نماز میں سورۂ نساء کی تلاوت فرمارہے تھے، آپ سورۂ نساء متواتر پڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ وہ ختم ہوگئی۔ حضور ﷺ نے اس موقع پر فرمایا کہ:

"من أحب ان یقرء القرآن...... کما انزل فلیقرئه علی قرأة ابن اُمّ عبد".

''جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ وہ قرآن کو تروتازہ حالت میں پڑھے یعنی جس طرح اس کا نزول ہوا تھا تو وہ ابن اُم عبد (یہ حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ کی کنیت تھی) کی قرأت کے طرز پر پڑھے''۔ پھر آپ ؓ نماز سے فارغ ہوکر دعا مانگنے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "سَلْ تُعْطَهٗ" یعنی مانگ تجھے دیا جائے گا۔ یہ کلمہ آپ نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا اس وقت حضرت ابنِ مسعود ؓ یہ دعا مانگ رہے تھے:

''اللّٰھم انی اسئلک ایماناً لا یرتد ونعیماً لا ینفدو مرافقة نبیک محمد صلی اللّٰه علیه وسلّم فی أعلٰی جنة الخلد".

''اے اللہ! میں تجھ سے ایسا ایمان جو کبھی ردّ نہ ہو اور ایسی نعمت جو کبھی ختم نہ ہو



طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیرے کے نبی ﷺ کی رفاقت ہمیشہ قائم رہنے والی جنت کے اعلیٰ مراتب کے ساتھ طلب کرتا ہوں''۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں حضرات ابنِ مسعود ؓ کو دعا کی قبولیت کی خوشخبری دینے کیلئے جلدی سے دوڑے لیکن حضرت ابوبکر ؓ حضرت عمر ؓ پر سبقت لے گئے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر ؓ پر رحمت بھیجے۔ میں نے جب کسی خیر کا ارادہ کیا ہمیشہ ابوبکر ؓ مجھ سے سبقت لے گئے۔ (مسند احمد حدیث نمبر ۴۲۵۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

"لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَات. جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْا اِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوا وآمنوا ثم اتّقوا وَأَحْسَنُوا وَاللّٰهُ یحبُّ الْمُحْسِنِیْن".

''جو لوگ ایمان لائے وار نیک کام کئے ان پر گناہ نہیں۔ اس میں پہلے جو کچھ کھا چکے جبکہ آئندہ کو ڈر گئے اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے پھر ڈرتے رہے اور یقین کیا پھر ڈرتے رہے اور نیکی کی اور اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو''۔

(سورۂ مائدہ آیت ۹۳)

تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ یہ آیت جن لوگوں کے بارے میں اُتری ہے تم بھی ان میں سے ہو۔ (رواہ مسلم والترمذی)

## وراثت کا مسئلہ:

ایک شخص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے میراث کا ایک مسئلہ پوچھا کہ عورت مرگئی اور اس کے وارثوں میں ایک بیٹی، ایک پوتی اور ایک بہن ہیں تو میراث کس طرح تقسیم کی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ اس کے مال کا آدھا حصّہ بیٹی کو دے دو اور آدھا بہن کو دے دو اور کہا کہ اگر میری بات کی تصدیق چاہئے تو ابنِ مسعود ؓ کے

Scanned with CamScanner

پاس جاؤ، وہ بھی میری بات کی تائید کریں گے۔ وہ ابنِ مسعود کے پاس گئے اور ان سے اس مسئلہ کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے مسئلہ کا یہ جواب بتایا کہ آدھا بیٹی کو اور آدھا بہن کو دے دیا جائے، تو اس پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں ان کے اس جواب کی تصدیق کر دوں تو یقیناً ایسا گمراہ ہوں گا کہ بعد میں ہدایت بھی حاصل نہ ہوگی۔ میں اس میں وہی فیصلہ کر دوں گا جو اسی طرح کے معاملے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ دیا تھا کہ اس کے مال کے کل چھ حصے کر کے اس میں سے تین حصے بیٹی کو دے دیئے جائیں اور پوتی کو چھٹا (یعنی چھ میں سے ایک حصہ) دیا جائے (اس طرح کل چار حصے ہوں گے) اور دو تہائی مکمل ہوگیا۔ باقی رہے دو حصے وہ بہن کو دے دیئے جائیں۔ وہ آدمی ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا جواب سُن کر حضرتِ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا جواب بتایا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "جس وقت تک یہ عالم تمہارے درمیان ہیں (یعنی حیات ہیں) مجھ سے کسی قسم کا سوال مت کرنا۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی)

## میاں بیوی کا ایک دوسرے پر خیرات کرنا:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں، فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عورتوں کی جماعت! خوب صدقہ کیا کرو، اگرچہ تمہارے اپنے زیورات سے ہی کیوں نہ ہو"۔ حضرت زینب فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُن کر میں گھر لوٹی اور میں نے عبداللہ (ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ آپ تو تنگ دست آدمی ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کا حکم فرمایا ہے، بس آپ جائیں اور ان سے پوچھیں کہ اگر میری بیوی بجائے کسی اور کے مجھے صدقہ دے دیا کرے تو کافی ہے؟ یا صدقہ میرے علاوہ کسی اور کو دیں؟ حضرت زینب فرماتی ہیں کہ اس کے جواب میں عبداللہ نے مجھ سے کہا کہ "بلکہ تم جاؤ اور یہی سوال



پوچھنا"۔ حضرت زینب فرماتی ہیں کہ میں یہ سوال پوچھنے کیلئے روانہ ہوئی اور میں نے دیکھا کہ ایک انصاری عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے پر کھڑی ہے اور وہ بھی یہی سوال پوچھنا چاہتی ہے جو میرا سوال ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور ہیبت ڈال دی تھی اس وجہ سے ہم دونوں باہر کھڑی تھیں۔ اتنے میں (حضرت) بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے باہر نکلے تو ہم نے ان سے کہا کہ جاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلاؤ کہ دو عورتیں آپ کے دروازہ پر کھڑی ہیں اور یہ مسئلہ پوچھتی ہیں کہ زوجین (میاں بیوی) کا آپس میں ایک دوسرے کو صدقہ کرنا جائز ہے یا نہیں یا ایسے یتیم بچوں کو صدقہ دینا جو ان کے زیرِ کفالت ہوں؟ اور حضور علیہ السلام کو یہ مت بتانا کہ ہم کون ہیں؟ آپ فرماتی ہیں کہ بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور ان سے یہ مسئلہ پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دو عورتیں کون ہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ایک عورت تو انصار کی ہے اور دوسری زینب ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ای الـزيـانـب؟" یعنی "زینبوں میں سے کون سی زینب؟" بلال رضی اللہ عنہ بولے کہ وہ زینب جو عبداللہ (ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ) کی بیوی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ پر جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ان دونوں (یعنی زینب رضی اللہ عنہا اور عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ) کیلئے دو اجر ہوں گے، ایک تو قرابت داری کا اجر اور دوسرا صدقہ کا اجر۔ (مشکوٰۃ صحیح مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۱۷۰ جلد ۱)

## اس مسئلہ شرعیہ کی وضاحت:

لیکن اب سوال یہ ہے کہ یہ مسئلہ کہ زوجین ایک دوسرے کو صدقہ دے سکتے ہیں، صرف حضرت ابنِ مسعود اور ان کی اہلیہ کیلئے خاص ہے؟ یا تمام اُمت کے شوہر اور بیویاں ایک دوسرے کو صدقہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ زوجین ایک دوسرے کو زکوٰۃ اور صدقۂ واجبہ (فطرانہ وغیرہ)

نہیں دے سکتے۔ اصل میں ان کے نزدیک یہ حکم صدقاتِ واجبہ اور زکوٰۃ کا ہے جہاں تک صدقاتِ نافلہ کا تعلق ہے وہ زوجین کیلئے ایک دوسرے کو صدقہ دینا جائز ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے باقی رہی یہ بات کہ صدقاتِ واجبہ یا زکوٰۃ کا یہ حکم کیوں نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ زوجین ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔

## ان کی خاطر بڑے بڑوں کو ٹھکرا دیا گیا:

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے مروی ہے کہ میں عبداللہ ابن مسعود اور چار افراد اور تھے، ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ مشرکین نے آپ ﷺ سے یہ کہا کہ اگر آپ ان کو (یعنی یہ صحابہ جو حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے) اپنے پاس سے ہٹا دیں تو ہم آپ پر اسلام لانے کیلئے حاضر ہو جائیں گے کیونکہ ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ ہم بھی ان (خستہ حال) لوگوں کی طرح آپ ﷺ کے تابعین میں سے ہو جائیں تو یہ بات سُن کر نبی ﷺ کے دل میں جو اللہ تعالیٰ نے چاہا ہوگا وہی آیا ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیات اتاریں۔ (تفسیر جلالین: سورۃ انعام آیت نمبر ۵۲، ۵۳)

"ولا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالغداوةِ وَالعشيِّ يُرِيدُوْنَ وَجْهَهٗ ط مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسابِهِم من شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ.
فَتطرُدَهُم فتكونَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ وكذلك فَتَنَّا بَعْضَهم ببعضٍ لِيقولُوا اَهٰؤُ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِن بيننا اَليس اللّٰهُ بأعلم بالشاكِرِين".

"اور ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالئے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے صرف اللہ کی رضا ہی کا قصد کرتے ہیں اور ان کا حساب ذرا بھی آپ کے ذمہ نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں ورنہ آپ نامناسب کام کرنے والوں میں ہو جائیں گے اور (ہم نے مومنوں کو



غریب، کافروں کو رئیس بنا رکھا ہے جو بظاہر بمقتضائے قیاس بعید ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) اسی طور پر ہم نے ایک کو دوسرے کے ذریعہ آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ لوگ کہا کریں، کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے فضل کیا، کیا نہیں ہے اللہ خوب جاننے والا شکر کرنے والوں کو"۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اس وقت حضور اکرم ﷺ کو شدید بخار تھا، میں نے ہاتھ سے حضور ﷺ کے بدن کو چھوا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپ کو تو بہت شدید بخار ہے"۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "جی ہاں میں اتنے شدید بخار میں مبتلا ہوں جتنا تم دو آدمیوں کا بخار ہوتا ہے"۔ میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! یہ اس وجہ سے ہے تاکہ آپ ﷺ کو دو آدمیوں کے جتنا بخار کا اجر ملے (یعنی دوگنا اجر ملے)" اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! اور پھر فرمایا کہ کوئی بھی مسلمان جس کو مرض کی وجہ سے تکلیف پہنچے یا بغیر مرض کے ویسے ہی کوئی تکلیف پہنچے تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کے سبب اس کے گناہوں کو کم کر دیتا ہے، جس طرح درخت کے پتے گرتے رہنے سے درخت کم ہو جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۳۴، بخاری و مسلم)

حضرت شقیق ابن مسلمہ، جلیل القدر تابعی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود بیمار ہوئے۔ ہم لوگ عیادت کیلئے گئے تو آپ رونے لگے، لوگوں نے (یہ گمان کر کے کہ وہ بیماری کی تکلیف اور اپنی زندگی کی وجہ سے رو رہے ہیں) اس پر ناگواری کا اظہار کیا۔ حضرت ابن مسعود ؓ نے فرمایا کہ میں بیماری کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں کیونکہ میں نے تو خود رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ بیماری گناہوں کے دور ہونے کا سبب ہے، میں صرف اس لئے رو رہا ہوں کہ میں سستی (یعنی بڑھاپے) کی حالت میں بیماری میں مبتلا ہوا، قوت (یعنی جوانی) کی حالت میں یہ بیماری مجھے نہ آئی کیونکہ بندہ کیلئے بیماری کے بعد اعمال کا وہی اجر لکھا جاتا ہے جو بیماری سے پہلے اعمال

Scanned with CamScanner

کا اجر ہوتا ہے۔ (یعنی اگر جوانی میں بیمار ہوتا تو مجھے ان اعمال کا اجر ملتا جو میں جوانی میں کیا کرتا تھا اور جوانی میں اعمال زیادہ کرتا تھا، اس لئے اجر بھی زیادہ ہوتا، بڑھاپے میں چونکہ زیادہ اعمال نہیں کرسکتا، اس لئے بیماری میں اجر بھی کم ہوگا۔) (مشکوٰۃ صفحہ ۱۳۸)

## حضرت ابوالدرداء کی نگاہ میں ابن مسعود ؓ کا مقام:

حضرت علقمہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں ملک شام آیا اور میں نے دو رکعتیں پڑھ کر یہ دعا کی کہ مجھے کوئی نیک ہم نشین میسّر ہو جائے، پھر میں کچھ لوگوں کے پاس گیا اور وہاں بیٹھ گیا۔ اچانک ایک بوڑھے سے آدمی آئے اور میرے پہلو میں بیٹھ گئے، میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: ''ابوالدرداء''۔ میں نے کہا کہ ''میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ مجھے جلیس صالح عطا فرمائے اور اللہ نے میری دعا قبول کرلی۔ حضرت ابوالدرداء ؓ نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے بتایا کہ میں کوفہ سے آیا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ کیا تمہارے پاس ابن ام عبد (یعنی ابن مسعود ؓ) نہیں ہیں جو حضور ﷺ کے جوتے اٹھانے والے اور حضور کے صاحب الوسادۃ (یعنی تکیہ والے) اور صاحب المطہرۃ (یعنی حضور ﷺ کو وضو کرانے والے اور وضو کے پانی کے برتن کو اپنے ساتھ رکھنے والے) ہیں۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۶۱۳)

## حضرت معاذ بن جبل کی نظر میں ابنِ مسعود ؓ کی علمی شان:

حضرت معاذ بن جبل ؓ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''علم چار آدمیوں کے پاس تلاش کرو۔ وہ چار یہ ہیں۔ عویمر ابی الدرداء، سلمان، حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہم اور حضرت عبداللہ بن سلام جو پہلے یہودی تھے اور بعد میں اسلام لائے۔ حضرت معاذ ؓ فرماتے ہیں کہ ''میں نے حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں حضور ﷺ سے یہ سنا کہ عبداللہ بن سلام جنت کے دس لوگوں میں دسویں ہوں گے۔ (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۹)



## حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے نزدیک ابنِ مسعود کا درجہ:

حضرت علی ؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''ہر نبی کے سات ایسے رفیق ہوتے ہیں جو اسی نبی کے دین کے رقیب بھی ہوتے ہیں اور بہت صالح رفیق ہوتے ہیں''۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''لیکن مجھے ایسے چودہ دیئے گئے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علی ؓ سے پوچھا کہ وہ چودہ کون ہیں تو حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ میں، حسن، حسین، جعفر، حمزہ، ابوبکر، عمر، مصعب بن عمیر، بلال، سلمان، عمار بن یاسر، عبداللہ بن مسود، ابوذر روار مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم۔ (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۹)

## ابنِ مسعود اور اتباعِ سُنّت:

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے حضرت حذیفہ ؓ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو حضور اکرم ﷺ کے طور طریق اور سیرت میں سب سے زیادہ مشابہ ہوتا کہ ہم اس سے علم حاصل کرسکیں، تو حضرت حذیفہ ؓ نے جواباً فرمایا کہ ''ہم سوائے عبداللہ بن مسعود ؓ کے جو حضور ﷺ کے طور وطریق و سیرت میں سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔ ان کے علاوہ کسی کو اس درجہ مشابہ نہیں سمجھتے اور حضور ﷺ کے تمام بڑے صحابہ اس بات کو جانتے ہیں کہ ''ابنِ اُمّ عبد (یعنی حضرت ابنِ مسعود ؓ) وسیلے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ اور ترمذی کی ایک روایت میں حضرت ابن مسعود ؓ کیلئے یہ الفاظ ہیں: اقربھم الی اللّٰہ زُلفی یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ مرتبہ میں زیادہ قریب ہیں۔

(بخاری۔ جامع الاصول صفحہ ۴۷: )

## آخری جنّتی کون ہوگا؟

حضرت انس بن مالک ؓ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ''آخری شخص جو جہنّم سے نکل کر جنّت میں داخل ہوگا وہ جہنم میں رہنے کے سبب اتنا

لاغر ہوگا کہ ایک مرتبہ چلے گا، پھر گر جائے گا، پھر چلے گا، پھر گرے گا، کبھی آگ اس کو اپنی طرف کھینچے گی، جب وہ راستہ پار کرلے گا تو جہنم کی طرف منہ کر کے کہے گا کہ بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے مجھ کو تجھ سے نجات دلائی اور بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے اب ایسی نعمت عطا کی ہے جو کہ اوّل و آخر کسی کو ایسی نعمت نہیں دی گئی، یہاں تک کہ اس کو ایک درخت نظر آئے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے کہے گا اے میرے پروردگار! مجھے اس درخت کے قریب کردے تاکہ میں اس سے سایہ بھی حاصل کروں اور اس کا رس بھی پیوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اے ابنِ آدم میں اگر تمہیں یہ نعمت دے دوں تو شاید تم مجھ سے کچھ اور بھی مانگو گے''۔ وہ کہے گا: ''نہیں میرے پروردگار'' اور وہ اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کرلے گا کہ وہ اس درخت کے علاوہ کچھ نہ مانگے گا لیکن اللہ رب العزت جانتا ہے کہ وہ اس سے دوبارہ کسی دوسری چیز کا سوال کرے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو معذور سمجھے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پتہ ہے کہ اس بندہ کو اگلی چیز دیکھنے کے بعد صبر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کا سوال قبول کر کے اس درخت کو اس کے لئے قریب کردے گا، وہ بندہ اس درخت کا سایہ بھی لے گا اور اس کے پھلوں کا رس بھی پیئے گا، پھر اس کے سامنے ایک اور درخت بلند کردیا جائے گا۔ جو پہلے درخت سے بہت اچھا ہوگا، وہ بندہ کہے گا کہ ''اے ربّ! میں اس درخت کا رس پیوں گا، اور سایہ حاصل کروں گا اور اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگوں گا''۔ اللہ ربّ العزت فرمائے گا: ''اے ابنِ آدم کیا تم نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں اس درخت کے علاوہ تجھ سے کچھ نہ مانگوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ میں اب دوبارہ درخت تمہارے قریب کردوں تو تُو مجھ سے دوبارہ کچھ مانگے''۔ بندہ دوبارہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرے گا کہ آئندہ میں کچھ نہیں مانگوں گا، بس یہ والا درخت قریب کردے لیکن اللہ رب العزت جانتا ہے کہ اس کو صبر نہیں ہے، اس لئے اس کو معذور سمجھے گا اور اس درخت کو قریب کردے گا، وہ اس سے بھی سایہ لے گا اور اس کا رس بھی پیئے گا پھر ایک اور درخت اس کو نظر آئے گا جو جنت کے دروازے کے بالکل قریب ہوگا اور پہلے دو



درختوں سے بھی بہت اچھا ہوگا، پھر بندہ تڑپ جائے گا اور کہے گا کہ ''اے پروردگار مجھے اس درخت کے قریب کردے تاکہ میں اس کا سایہ بھی حاصل کروں اور اس کا رس بھی پیوں، اس کے علاوہ میں اور کچھ نہ مانگوں گا، اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا کہ ''اے ابنِ آدم کیا تم نے مجھ سے عہد نہیں کیا تھا کہ تم اس درخت کے علاوہ اور کچھ نہ مانگو گے، بندہ کہے گا، جی ہاں، میرے ربّ بس یہ دے دے، اس کے علاوہ اور کچھ نہ مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا شاید میں اگر یہ درخت تجھ سے قریب کردوں تو اس کے علاوہ بھی تم مجھ سے آئندہ کسی اور چیز کا مطالبہ کرو گے تو وہ ایک مرتبہ اور وعدہ کرے گا کہ اور کچھ نہ مانگے گا لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ یہ جانتا ہے کہ اس کو صبر نہیں اس لئے اس کو معذور سمجھے گا اور اس شخص کو درخت کے قریب کردے گا جب وہ اس درخت کے قریب پہنچے گا تو اس کو جنتیوں کی آوازیں آئیں گی اور ان آوازوں کو سُن کر بندہ پھر اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوکر عرض کرے گا: اے اللہ! مجھے اس جنت کے اندر داخل کردے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابنِ آدم کیا چیز ہوگی جو تیرے سوالات کو مجھ سے ختم کرے گی؟

کیا تو اس بات پر راضی ہو جائے گا کہ میں تجھے پوری دنیا اور اس کی مقدار کے برابر مزید دے دوں بندہ عرض کرے گا: اے اللہ! کیا میرا مذاق ہو رہا ہے حالانکہ تو پروردگارِ عالم ہے۔

یہ واقعہ سُنا کر حضرت ابن مسعود ہنسے اور فرمایا: تم نے مجھ سے پوچھا کیوں نہیں میں کیوں ہنسا ہوں؟ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیوں ہنسے ہیں؟ فرمایا: جب حضور علیہ السلام نے یہ واقعہ ہمیں سُنایا تھا تو آپ بھی ہنسے تھے اور آپ نے صحابہ کرام کو یونہی فرمایا تھا کہ تم نے پوچھا کیوں نہیں کہ میں کیوں ہنسا ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا: حضور آپ کیوں ہنسے ہیں؟ تو اس پر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

من ضحک ربی حین قال اتستھزأ منی وانت رب العالمین.

میں اس وجہ سے ہنسا ہوں کہ بندہ جب یہ عرض کرے گا کہ اے اللہ! تو رب

العالمین ہوکر مجھ سے مذاق کرتا ہے تو خدا بھی ہنسے گا ( جیسا کہ اس کے شایان شان ہے )اور اللہ پاک اس بندے کوفرمائے گا:

انی لا استہزأ منک ولکنی علی ماشاء اقدر.

میں تجھ سے مذاق نہیں کررہا بلکہ میں جو چاہوں اس پر قدرت رکھنے والا ہوں ۔

## حضور ؑ کی بااعتماد شخصیت:

حضرت علی المرتضٰی شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ حضور ؑ نے ارشادفرمایا: اگر میں تم میں سے کسی کو بغیر مشورے کے امیر مقرر کروں تو ام عبد ( عبداللہ بن مسعود کی کنیت ) کوامیر مقرر کروں ۔ ( جامع الاصول صفحہ ۶۳ جلد ۹ )

آپ ہی سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور ؑ نے ارشادفرمایا: تم میرے بعد میرے صحابہ میں سے ابوبکر وعمر ( رضی اللہ عنہما ) کی پیروی کرو عمار ( ؓ ) کی وصیت سے راہنمائی لواور ابن ام عبد ( ابن مسعود ؓ ) کے عہد کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔

حضرت حُذیفہ ؓ سے مروی حدیث میں اتنا اضافہ بھی ہے کہ آپ ( ﷺ ) نے فرمایا کہ ابن مسعود تمہیں جو حدیث سنائے اس کی تصدیق کرو ۔ ( ترمذی )

## ابن مسعود جیسا کون ہے؟:

حضرت ابوالاحوص بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر تھا اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب حضرت سیدنا عبداللہ ابن مسعود ( ؓ ) کا انتقال ہوا۔ ان دونوں میں سے کسی ایک نے دوسرے سے کہا: کیا ابن مسعود ؓ نے اپنے جیسا کوئی بھی چھوڑا ہے؟ پھر ابوموسیٰ اشعری ؓ نے فرمایا ان کی شان تو یہ تھی کہ جب ہمیں حضور ﷺ کی مجلس سے روکا جاتا تو ان کو اجازت دے دی جاتی اور جس وقت ہم حضور ﷺ کے پاس سے غائب ہوتے تو یہ اس وقت بھی حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے ۔ ( مسلم )



حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ کے پاس بیٹھے تھے اور ابن مسعود ؓ کا ذکر کررہے تھے تو حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ نے فرمایا کہ میں اس شخص سے اس وقت سے مسلسل محبت کرتا ہوں جب سے حضور ﷺ کو میں نے یہ کہتے ہوئے سُنا کہ قرآن مجید ان چار آدمیوں سے سیکھو، عبداللہ بن مسعود ؓ، سالم مولی ابی حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل ؓ ۔ ( مسلم )

حضرت ابوعبیدہ ؓ، حضرت ابن مسعود ( ؓ ) سے روایت کرتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ مسجد میں بیٹھے دعا کررہے تھے اسی دوران حضور اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور آپ کو دعا مانگتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے حضرت ابن مسعود ؓ سے فرمایا کہ اس وقت تم جو چاہے مانگو مل جائے گا۔ حضرت ابن مسعود ؓ یہ دعا مانگ رہے تھے۔

''اللّٰھم انی اسألک ایماناً لا یرتدو نعماً لا ینفدو مرافقة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی أعلیٰ غرف الجنة جنة الخلد''.

یعنی یا اللہ! میں تجھ سے ایسا ایمان طلب کرتا ہوں جس میں کبھی ارتداد نہ ہو اور ایسی نعمت جو کبھی ختم نہ ہو اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنت خُلد کے اعلیٰ کمروں میں رفاقت طلب کرتا ہوں'' ۔

اسی قسم کی ایک اور روایت ہے جس میں یہ بھی ہے کہ اس وقت حضور ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر وعمر ( رضی اللہ عنہما ) بھی تھے ۔ جب انہوں نے حضور ﷺ کا یہ کلمہ سُنا کہ ابن مسعود تم اس وقت جو بھی دعا مانگو گے قبول ہوگی تو دونوں حضرات بہت تیزی سے بھاگ کر حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ اس وقت تم کونسی دعا مانگ رہے تھے جب حضور ﷺ نے یہ کلمہ ارشادفرمایا، تو انہوں نے وہی مذکورہ بالا دعا بتائی کہ میں وہ مانگ رہا تھا۔

Scanned with CamScanner

## فکرِ آخرت کی تعلیم:

ایک دفعہ آپ نے تقریر کے دوران فرمایا: ''آپ لوگ فی الحال لیل ونہار کی راہ گزر پر اتنے وقت کیلئے ہیں جو روز بروز کم ہو رہا ہے اور جس میں تمام اعمال محفوظ ہو رہے ہیں۔ موت اچانک آئے گی جس نے اچھا بویا، قریب ہے کہ وہ رغبت کے ساتھ اسے کاٹے اور جس نے بُرا بویا قریب ہے کہ وہ ندامت کے ساتھ کاٹے، اور کاشتکار کو وہی ملے گا جو اس نے بویا۔ کوئی سست اور کاہل شخص محض اپنے نصیب کی وجہ سے سبقت نہیں لے جاسکتا اور کوئی حریص محض اپنی آرزوؤں سے وہ نہیں پا سکتا جو اس کے مقدر میں نہیں، پس جس کو اچھا دیا گیا تو اس کو اللہ نے دیا اور جس کو بُرائی سے بچایا گیا تو اللہ ہی نے اُسے بچایا ہے۔ متقی اور پرہیز گار سردار ہیں اور فقہاء قائد ہیں اور ان کی مجلسیں علم میں اضافہ کا باعث ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ا صفحہ ۴۹۷)

ایک دفعہ ارشاد فرمایا:

''ارض بما قسم اللہ تکن من أغنى الناس واجتنب المحارم تكن من اورع الناس وأدّ من ما افترض علیک تکن من اعبد الناس''.

''جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے، اس پر راضی ہو جاؤ تو تم لوگوں میں سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے اور حرام کاموں سے بچو گے تو تم سب سے زیادہ پرہیز گار و متقی بن جاؤ گے اور ان فرائض و واجبات کو ادا کرو جو تم پر فرض کئے گئے تو تم سب سے زیادہ عبادت گزار ہو جاؤ گے''۔ (ایضا)

## خوفِ خدا کا حال:

خدا کا خوف اس قدر تھا کہ فرماتے ہیں کہ میں اگر کُتے کو بُرا کہوں تو ڈر ہوتا ہے کہیں میں خود کُتا نہ ہو جاؤں اور میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں، کسی ایسے شخص کو دیکھوں جو نہ تو دنیا کے کام میں مشغول ہے اور نہ آخرت کے کام میں۔ (ایضا صفحہ ۴۹۶ جلد ا)



اسی طرح حضرت ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس نے آخرت کو مقصود بنایا اس نے دنیا کا نقصان کیا اور جس نے دنیا کو مقصود بنایا اس نے آخرت کا نقصان کیا۔ اے لوگو! باقی رہنے والی آخرت کے مقابلے میں فنا ہونے والی دنیا کا نقصان برداشت کرلو۔

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اصحابِ رسول ﷺ کے حالات پر غور کیا تو محسوس ہوا کہ (مندرجہ ذیل چھ) افراد پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے علم کی انتہا ہوئی ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ (ابن مسعودؓ) حضرت زیدؓ ابن ثابتؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت اُبی بن کعب (رضی اللہ عنہم اجمعین) پھر میں نے ان چھ افراد کے بارے میں غور کیا تو اندازہ ہوا کہ ان سب کے علم کی انتہا دو افراد پر ہوتی ہے۔ ایک حضرت علیؓ، دوسرے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ (طبقات جلد ۲ صفحہ ۱۵۴)

## خانگی زندگی:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنی بیوی بچوں سے بہت محبت رکھتے تھے۔ گھر میں داخل ہوتے تو باہر ہی سے کھنکھارتے اور بلند آواز سے کچھ بولتے تاکہ گھر کے لوگ باخبر ہو جائیں۔

ان کی اہلیہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''ایک روز حضرت عبداللہ کھنکھارتے ہوئے اندر آئے۔ اس وقت ایک بوڑھی عورت مجھے گنڈے (دھاگہ وغیرہ) پہنا رہی تھی۔ میں نے ان کے ڈر سے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ عبداللہؓ آکر میرے پاس بیٹھ گئے اور گلے کی طرف دیکھ کر پوچھا یہ دھاگہ کیسا ہے؟ میں نے کہا گنڈا ہے، انہوں نے اس کو توڑ کر پھینک دیا اور کہا عبداللہ کا خاندان شرک سے بری ہے۔ (ضرور اس میں شرکیہ الفاظ ہوں گے جیسا کہ آگے یہودی سے گنڈا لینے کے تذکرے سے ظاہر ہے) رسول اللہ ﷺ سے میں نے سُنا ہے کہ گنڈے شرک میں

Scanned with CamScanner

داخل ہیں۔ میں نے کہا آپ یہ کیا کہتے ہیں میری آنکھیں دُکھتی تھیں تو میں فلاں یہودی سے گنڈے لینے جایا کرتی تھی اور اس کے عمل سے سکون ہو جاتا تھا، بولے یہ سب عمل شیطانی ہے اور شیطان تمہاری آنکھ میں انگلی چبھو دیتا ہے جس سے یہ تکلیف پیدا ہو جاتی ہے اور جب تم اس یہودی سے گنڈا لے کر آتی ہو تو وہ اپنی انگلی ہٹا لیتا ہے اور تکلیف بھی ختم ہو جاتی ہے۔ بس تمہارے لئے صرف رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا کافی ہے کہ:

"اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَائُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَماً". (ابوداؤد)

"خوف دور کر اے پروردگار شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے، تیرے سوا کوئی شفا نہیں دے سکتا، وہ شفاء ایسی ہو جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے"۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لعنت کرے بدن گدوانے والیوں پر اور بال نچوانے والیوں پر اور دانتوں کے درمیان حُسن کی خاطر خلا پیدا کروانے والیوں پر۔ (عورتیں حُسن کیلئے اپنے چہروں اور جسم پر سوئی سے کھدوا کر نام یا نقش ونگار وغیرہ بناتی تھیں۔ اس کو اُردو میں "گودنا" کہتے ہیں بال نچوانے سے مراد چہرے کی بھویں اور رخسار وغیرہ سے حُسن کی خاطر بال نوچنا ہے۔ اسی طرح عورتیں حُسن کیلئے دانتوں کو رگڑ کر دانتوں کے درمیان خلا کرواتی تھیں تا کہ کم عمر معلوم ہوں)

یہ بات بنی اسد کی ایک عورت اُم یعقوب کو پہنچی تو وہ حضرت عبداللہ ؓ کے پاس چلی آئی اور کہنے لگی کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ نے فلاں فلاں عورت پر لعنت کی ہے تو حضرت عبداللہ ؓ نے جواب دیا کہ میں ان پر کیوں لعنت نہ بھیجوں جن پر آنحضرت ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اور جن کا ذکر کتاب اللہ میں ہے۔ وہ کہنے لگی کہ میں نے تو پورے قرآن کو پڑھ لیا۔ لیکن اس قسم کی عورتوں پر کہیں لعنت کا ذکر نہیں ملا۔ حضرت عبداللہ ؓ نے فرمایا: اگر تو غور سے پڑھتی تو مل جاتا۔ کیونکہ قرآن میں ہے: "وَمَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" (یعنی رسول جس چیز



کا امر کریں اس کو تھام لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ) عورت کہنے لگی، ہاں یہ آیت تو پڑھی ہے۔ حضرت عبداللہ ؓ نے فرمایا کہ پس رسول اللہ ﷺ نے ان (مذکورہ افعال) سے منع فرمایا ہے، تو وہ کہنے لگی کہ آپ منع کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ کی گھر والی (زوجہ محترمہ) خود یہ کام کرتی ہیں، تو حضرت عبداللہ ؓ نے فرمایا کہ جا کر خود دیکھ لو، وہ (حضرت ابن مسعود ؓ کی اہلیہ کے پاس) گئی تو اس کو ان افعال میں سے کچھ نظر نہ آیا، تو حضرت عبداللہ ؓ نے کہا کہ اگر وہ یہ افعال کرتی ہوتیں تو کبھی ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتی تھیں۔ (صحیح البخاری۔ جلد ۲ صفحہ ۷۲۵)

## ایک علمی لطیفہ:

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ سفر پر تھے کہ ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ ہمیں حضرت عمر ؓ نے حکم دیا کہ ان سے پوچھو کہ تم کون ہو؟ اس جماعت میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ بھی تھے۔ آپ نے جواب بھیجا۔ "اقبلنا من الفج العمیق" (یعنی ہم بہت دور دراز سے آئے ہیں) حضرت عمر ؓ نے دریافت کیا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ تو حضرت ابن مسعود ؓ نے جواب دیا "الی البیت العتیق" (یعنی بیت اللہ کی طرف) پھر حضرت عمر ؓ نے پوچھوایا کہ قرآن پاک کی کون سی آیت سب سے پُرعظمت ہے؟ حضرت عبداللہ ؓ نے آدمی سے کہا کہ "آیت الکرسی بلند آواز سے پڑھ کر سنا دو۔ حضرت عمر ؓ نے کہا کہ سوال کرو کہ وہ کون سی آیت ہے جس کے ہر حصے پر عمل ضروری ہے؟ حضرت عبداللہ نے جواب دلوایا:

"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ". (آیت ۹۰ سورہ نحل)

"بے شک اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور قرابت والوں کو دینے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی اور نامعقول کام کرنے اور سرکشی سے اور تم کو

سمجھاتا ہے تاکہ تم یاد رکھو"۔

پھر حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ دریافت کرو کہ قرآن کی سب سے جامع آیت کون سی ہے؟ حضرت عبداللہ نے جواب دلوایا:

"فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ".

(سورۃ زلزال آیت ۸)

"جو شخص (دنیا میں) ذرا برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا"۔

پھر حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ سوال کرو کہ قرآن مجید کی وہ کون سی آیت ہے جو کپکپا دینے والی ہے؟ حضرت عبداللہ نے جواب دلوایا:

"لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ، مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا". (سورۃ نساء)

"نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے جو شخص کوئی برا کام کرے گا وہ اس کے عوض میں سزا دیا جائے گا اور اس شخص کو خدا کے سوا نہ کوئی یار ملے گا اور نہ کوئی مددگار"۔

پھر حضرت عمر ؓ نے آواز دلوائی کہ دریافت کرو کہ قرآن کی سب سے زیادہ امید آیت کون سی ہے؟ حضرت عبداللہ ؓ نے جواب دلوایا:

"قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ". (سورۃ زمر آیت ۵۳)

پھر حضرت عمر ؓ نے دریافت کرایا کہ کیا قافلہ میں عبداللہ بن مسعود ہیں؟ قافلہ والوں نے جواب دیا: "جی ہاں"۔ (ابن مسعود اور ان کی فقہ صفحہ ۱۰۹)

## درس وتدریس:

حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ کوفہ میں باقاعدہ حدیث، فقہ اور قرآن کا درس دیا



کرتے تھے۔ ان کی درس گاہ میں شاگردوں کا بڑا مجمع رہا کرتا تھا جن میں حضرت علقمہ، اسود، مسروق، عبیدہ، حارث، قاضی شریح اور ابو وائل نہایت مشہور تھے، بالخصوص حضرت علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے خاص شاگرد تھے اور ہر چیز میں ان کی اقتداء کرتے تھے، یہاں تک کہ لوگوں کا بیان ہے کہ جس نے علقمہ کو دیکھا اس نے عبداللہ بن مسعود ؓ کو دیکھ لیا۔

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حماد رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور حماد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اس طرح حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ علمی سلسلۂ تلمذ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اور پھر ان کے واسطے سے حضور نبی اکرم، نورِ مجسم، شفیعِ معظم، تاجدارِ عرب وعجم، احمد مجتبیٰ حضرت جناب محمد مصطفیٰ ﷺ واصحابہ وبارک وسلم تک جا پہنچتا ہے۔

## حاصل کلام اور خلاصۂ مبحث:

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رحمۃ للعالمین ﷺ کے ان جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک تھے۔ جنہیں براہ راست رسول اللہ ﷺ سے بہت کچھ حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آنحضرت ﷺ کی تربیت کے سائے میں اپنی ظاہری و باطنی اصلاح کے ساتھ ساتھ فقہی مسائل کی باریک بینی اور پُر پیچ مسائل میں اعلیٰ درجہ کی بصیرت آپ ؓ کا وصف خاص تھا۔

دراصل اصحاب رسول ﷺ میں سے کچھ لوگ تو حدیث کے حفظ اور اُس کی کتابت میں مصروف کار تھے، اور کچھ اصحاب نصوص شرعیہ سے احکام ومسائل کے استنباط واستدلال میں مشغول تھے، اُن کا اوڑھنا بچھونا ہی قرآن واحادیث کو سمجھ کر اُن سے فقہی مسائل کا اخذ کرنا تھا۔ ان حضرات میں حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ کا نام سر

Scanned with CamScanner

فہرست ہے۔ آپ کی گرانقدر فقہی خدمات ہی کی بنا پر فقہا اور اہلِ فن کی نظر میں آپ افقہ الصحابہ کے لقب سے مشہور و معروف ہیں۔ (حضرت عبداللہ بن مسعود مولانا عمران اشرف عثانی)

نحمد اللّٰہ خالق الاشباح

الذی تحت امرہ الارواح

قد محی رسم من ینازعہ ۔۔۔ مالہ مانع فیمنعہ

لن تری ناقضا لمآ اعطاہ ۔۔۔ لیس شئی معارضا لقضاہ

ونصلی علی ابی الملۃ

خیر من او تیت لہ الحکمۃ

سید الاملین یوم الحشر ۔۔۔ قولہ شاھد بضم النشر

وعلی الہ مع الاصحاب ۔۔۔ ناقلیِ الشرع عنہ والأداب

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

وصلی اللّٰہ تبارک و تعالٰی علی خیر خلقہ محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین

ذرّہ ناچیز و حقیر، خاکپائے صحابہ محبوب ربِ قدیر

غفر اللہ لہ، رضی اللہ عنہ، صلی اللہ علیہ وسلم، جل جلالہ

**غلام حسن قادری**

## فضائل و مسائل نماز

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (القرآن)

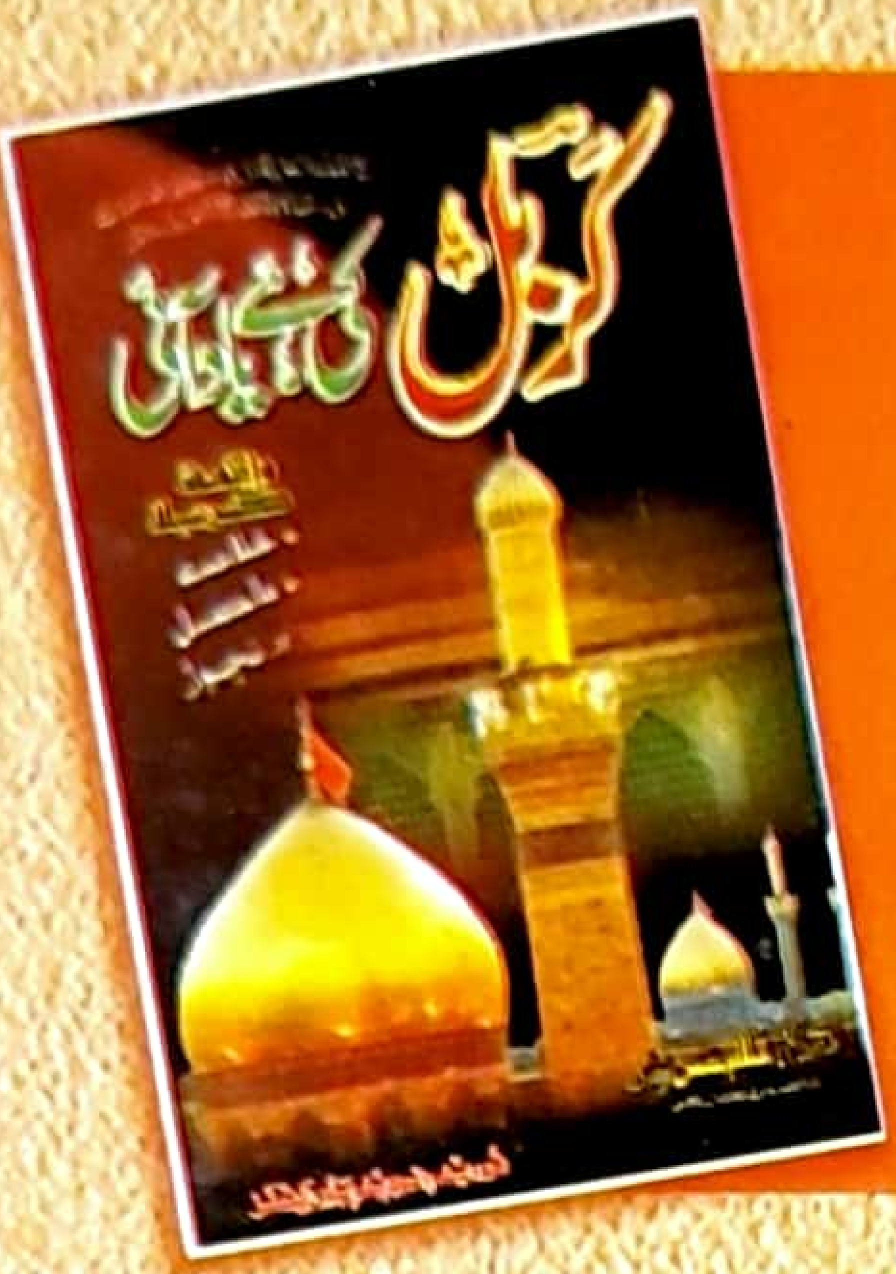


واقعۂ کربلا

خلاصہ ۰ ماحصل اور نچوڑ

## کربلا کی ہے یاد آئی

اصحابی کالنجوم فبایہم اقتدیتم اہتدیتم

مشکوٰۃ ص۵۵۴

## یارانِ مصطفیٰ ﷺ اور وارثانِ خلافت راشدہ

فضائل صحابہ اور عظمت خلفائے راشدین پر اپنی طرز کی بے نظیر کتاب

بل ہو قرآن مجید فی لوح محفوظ

فضائل قرآن و خدام قرآن اور عظمت قرآء کرام و علماء کرام پر ایک بے مثال، لاجواب و باکمال کتاب

## قرآن اور حاملین قرآن

## فضائل و مسائل صیام و رمضان

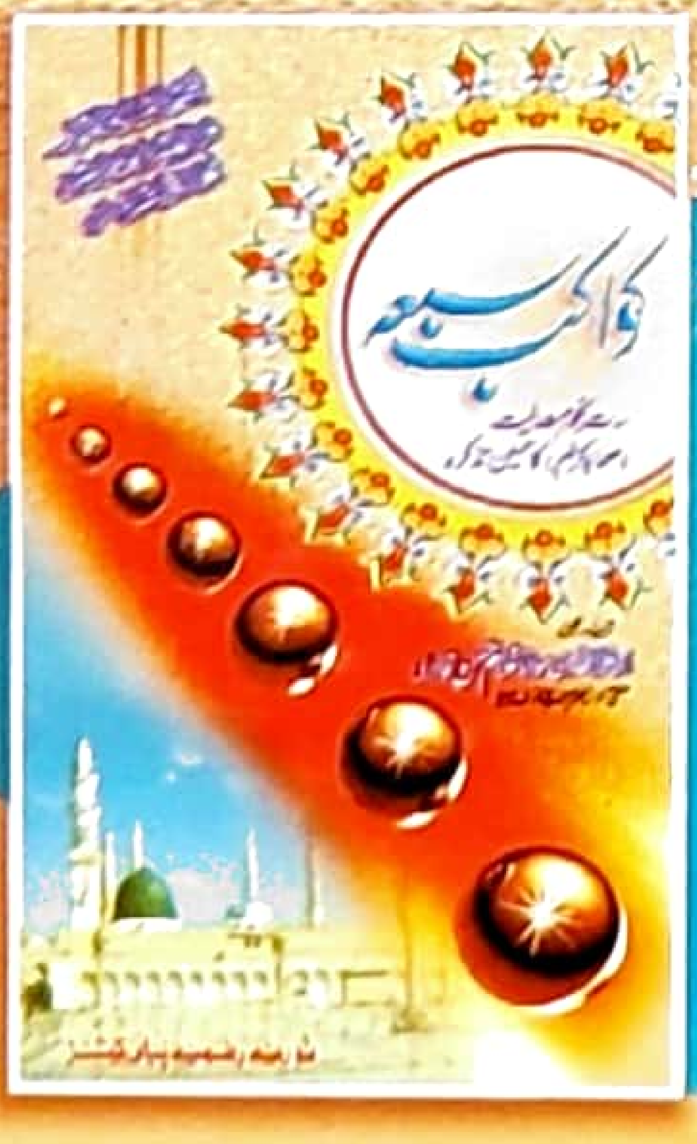


اصحابی کالنجوم فبایہم اقتدیتم اہتدیتم

## کواکب سبعہ

سات نجوم ہدایت (صحابہ کرام) کا حسین تذکرہ


نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

۳۷۔ الحمد مارکیٹ۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار ۰ لاہور